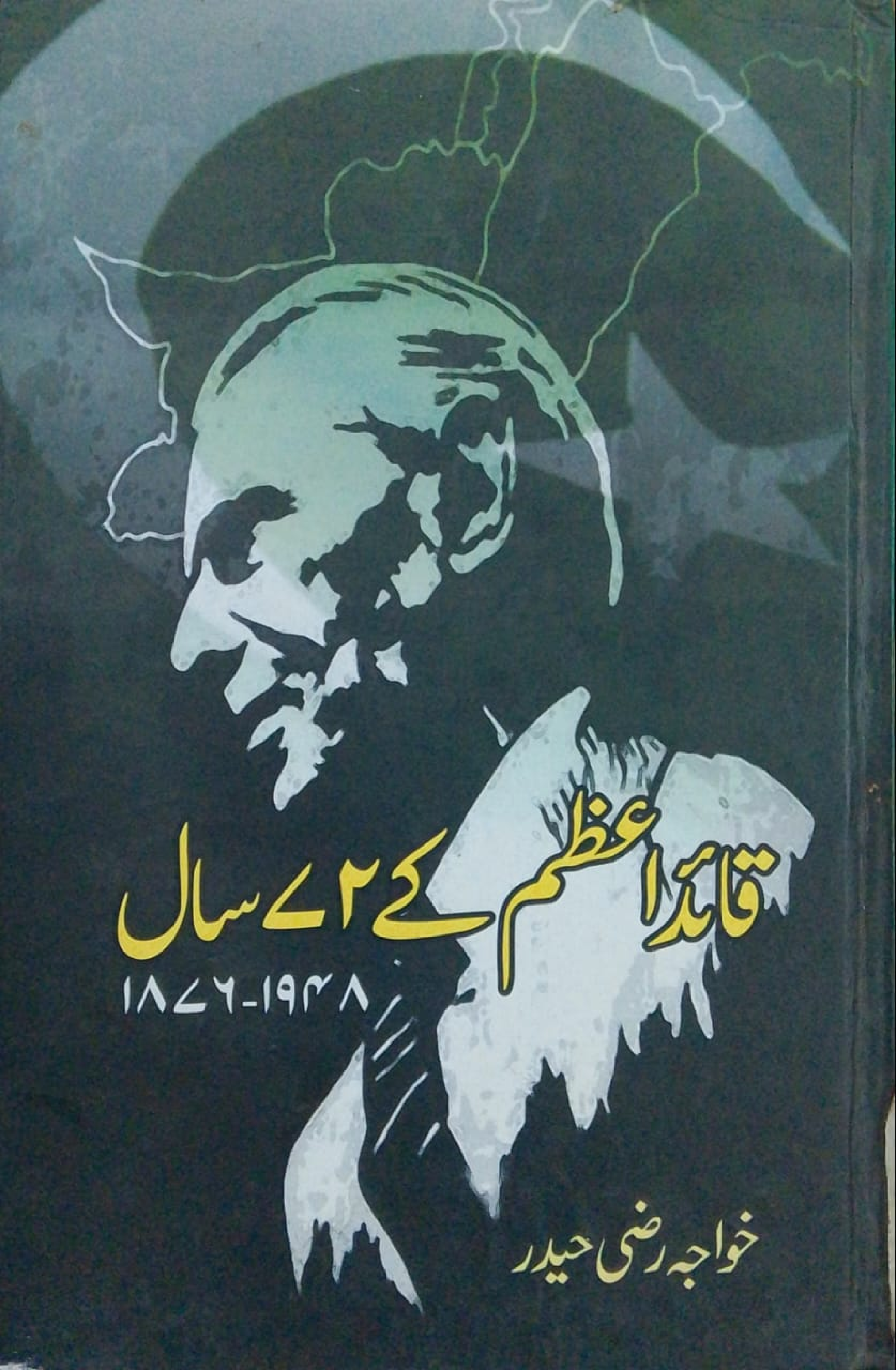

قائداعظم کے ۷۲ سال

۱۸۷۶-۱۹۴۸

خواجہ رضی حیدر

واجب الاحترام ڈاکٹر انور معظم صاحب کی خدمت میں بصد خلوص و عقیدت

خواجہ رضی حیدر

۲۸ مئی ۱۹۸۹ء

قائداعظمؒ

کے ۷۲ سال

خواجہ رضی حیدر

maablib.org

جملہ حقوقِ اشاعت بنام مصنف محفوظ

زیرِ اہتمام : ——— ڈبلیو۔ ایچ ذاکر۔ مصباح الدین انصاری

پرنٹرز: ——— پاکستان ہیرالڈ پریس

ٹائٹل ڈیزائن: ——— وصی حیدر عمار

ٹائٹل پرنٹرز: ——— النور پرنٹرز

کتابت: ——— محمد اظہر القدوسی

تعدادِ اشاعت: ——— ایک ہزار

تاریخِ اشاعت : ——— ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۹ء

قیمت : ——— ۳۵ر روپے

"اپنے والد مرحوم مولانا حکیم قاری احمد کے نام

جن کے روز و شب کتاب تھے۔

اور اب میں ——!

اے میرے خدا ——!

مجھے بھی وہی روز و شب مرحمت فرما۔"

تفصیل

پس تفصیل

مزید تفصیل ــــــــ ۱۱

خاندانی حالات ــــــــ ۹

سنہ ۱۸۷۶ء ــــــــ ۱۲

سنہ ۱۸۷۷ء تا سنہ ۱۸۸۵ء ــــــــ ۱۵

سنہ ۱۸۸۶ء تا سنہ ۱۸۸۷ء ــــــــ ۱۹

سنہ ۱۸۸۸ء تا سنہ ۱۸۹۰ء ــــــــ ۲۲

سنہ ۱۸۹۱ء تا سنہ ۱۸۹۵ء ــــــــ ۲۴

سنہ ۱۸۹۶ء ــــــــ ۳۰

سنہ ۱۸۹۷ء ــــــــ ۳۲

سنہ ۱۸۹۸ء ــــــــ ۳۵

سنہ ۱۸۹۹ء ــــــــ ۳۷

سنہ ۱۹۰۰ء ــــــــ ۳۹

سنہ ۱۹۰۱ء ــــــــ ۴۵

سنہ ۱۹۰۲ء ــــــــ ۴۶

سنہ ۱۱۰۳ء ــــــــ ۴۸

سنہ ۱۹۰۴ء ــــــــ ۵۱

سنہ ۱۹۰۵ء ــــــــ ۵۲

سنہ ۱۹۰۶ء ــــــــ ۵۷

سنہ ۱۹۰۷ء ــــــــ ۶۲

سنہ ۱۹۰۸ء ــــــــ ۶۵

سنہ ۱۹۰۹ء ــــــــ ۷۰

۱۹۱۰ء ______ ۶۲
۱۹۱۱ء ______ ۶۵
۱۹۱۲ء ______ ۸۰
۱۹۱۳ء ______ ۸۲
۱۹۱۴ء ______ ۹۱
۱۹۱۵ء ______ ۹۵
۱۹۱۶ء ______ ۱۰۳
۱۹۱۷ء ______ ۱۱۰
۱۹۱۸ء ______ ۱۱۹
۱۹۱۹ء ______ ۱۳۵
۱۹۲۰ء ______ ۱۵۰
۱۹۲۱ء ______ ۱۶۸
۱۹۲۲ء ______ ۱۷۸
۱۹۲۳ء ______ ۱۸۵
۱۹۲۴ء ______ ۱۹۱
۱۹۲۵ء ______ ۲۰۰
۱۹۲۶ء ______ ۲۱۱
۱۹۲۷ء ______ ۲۲۰
۱۹۲۸ء ______ ۲۲۱
۱۹۲۹ء ______
۱۹۳۰ء ______
۱۹۳۱ء ______ ۲۶۶
۱۹۳۲ء ______ ۲۷۶
۱۹۳۳ء ______ ۲۸۱
۱۹۳۴ء ______ ۲۸۶
۱۹۳۵ء ______ ۲۹۰
۱۹۳۶ء ______ ۲۹۵
۱۹۳۷ء ______ ۳۰۶
۱۹۳۸ء ______ ۳۱۹
۱۹۳۹ء ______ ۳۲۴
۱۹۴۰ء ______ ۳۳۵
۱۹۴۱ء ______ ۳۶۱
۱۹۴۲ء ______ ۳۶۸
۱۹۴۳ء ______ ۳۷۷
۱۹۴۴ء ______ ۳۸۶
۱۹۴۵ء ______ ۳۹۱
۱۹۴۶ء ______ ۴۰۱
۱۹۴۷ء ______ ۴۳۵
۱۹۴۸ء ______ ۴۳۵
کتابیات

بسِ تفصیل

نعیم نتوابے۔

خواجہ رضی حیدر رکھا ئے ہیے قبیلے کا چشم وچراغ نہیں بلکہ پڑھنے لکھنے والے گھرانے کا قلمدان ہے۔ یہ اقلیم سنہ ۱۹۴۶ء[1] سے رضی کے قلمرو میں آئی ہے۔

رضی کے والد ماجد مولانا حکیم قاری احمدؒ ایک جید عالم تھے۔ مولانا کی زندگی کا ایک تہائی حصہ قرطاس و قلم کی معیت میں بسر ہوا۔ اُن کی تصانیف کا دائرہ وسیع تھا۔ قاموس القرآن، تدوینِ حدیث، فلسفہ، حکمت اور تاریخ اسلام۔ گویا مولانا کی شخصیت اپنی اکائی میں کئی پہنائیاں رکھتی تھی۔ اس حوالے سے رضی بے سیاق و سباق نہیں ہے۔ اُس نے آدھا راستہ تو اپنے آنگن ہی میں طے کر لیا ہے۔

وقت کی ستمگاری سے آدمی کی رہائی صرف لفظوں کے ذریعہ ممکن ہے اُسے اپنی کسی پنہاں اور پیدا خلش کی آسودگی کے لیے کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا ہے۔ یہ عمل زندگی کی معرفت کا عمل ہے۔ یہ وسیلہ آدمی کی اپنی وکالت کا وسیلہ ہے۔ رضی نے اپنی وکالت اور زندگی کی معرفت کے لئے سفر کا آغاز مختصر افسانے سے کیا تھا۔ یہ وسیلہ رضی کو راس آیا۔ ترسی ہوئی سوکھی زمین پر پہلی بارش کی طرح۔ رضی نے خوب جم کر افسانے لکھے افسانے کیا تھے آنسوؤں اور درد شناسی کی آبیاری سے گھنے درختوں کی ایک قطار تھی۔ ان درختوں کے سائے میں رضی کی آرزوؤں کے تھکے ہارے قافلے ٹھنڈے پانی کے چشموں پر اپنا منہ دھوتے ہیں۔ کچھ دیر سستاتے ہیں اور پھر اگلے پڑاؤ کی کھوج میں اپنے سروں پر خوابوں کی گٹھری اٹھائے کہیں دور نکل جاتے ہیں۔ زندگی کی معرفت

---

[1] رضی کا سنِ پیدائش

کے اس وسیلے سے رضی کی طبیعت جلد اکتا گئی۔ شاید وقت کی ستمگاری نے اُس کے سینے میں کوئی نئی کروٹ لی ہو یا پھر اُسے کسی دوسرے کومل اور نازک وسیلے کی تلاش تھی۔ اسی تلاش میں سرگرداں رضی ایک دن اچانک غزل والوں کی گلی میں نکل آیا۔ سر میں سرِ سخن کا سودا ہو تو آدمی صحنِ چمن میں بڑی دھوم مچاتا ہے۔ یہی حال رضی کا ہوا۔ اُس نے بھی کھل کر غزل آزمائی کی۔ مگر وقت کی ستمگاری جو کبھی یکساں نہیں رہتی۔ ایک بار پھر خلل انداز ہوئی۔ اب کی دفعہ اس کی ضرب کاری تھی۔ رنگوں کے بخیے ادھڑ رہے تھے۔ خوشبو کا دم اکھڑ رہا تھا۔ بڑی پُر آشوب ہوا چل رہی تھی۔ یہ ۱۹۷۱ء[1] کی الوداعی شامیں تھیں۔ طلوع و غروب کی شامیں۔ ایسی شامیں جن میں خوف و ہراس کی پریشاں مو پرچھائیاں مکانوں میں نہیں روحوں میں گھر کر لیتی ہیں۔ یہ دو وقتوں کے وصال کا وہ تیسرا وقت ہوتا ہے جب ہجر کے سائے آدمی کی قامت سے زیادہ دراز ہوتے ہیں۔ پھر ان شاموں کی راتیں بھی ہوتی ہیں شکستوں کی باراتیں۔ دریدگی و بریدگی کے اس موسم میں اوروں کی طرح رضی بھی نڈھال تھا۔ چاروں طرف راستے بند تھے اور ہر جانے والا سراب کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن زندگی کی معرفت کے انجانے وسیلے ہزار بندشوں پر بھی کوئی نہ کوئی راہ نکال ہی لیتے ہیں۔ اس موڑ پر رضی کا صحافیانہ تجربہ اُس کے کام آیا اور شاید اُسے بشارت ہوئی کہ "خبردار ان وسیلوں کو اصلی سوتے سے دور نہ رکھنا ورنہ اِن کا سرمدی جھرنا خشک ہو جائے گا"۔ ظاہر ہے ان سوتوں کی آئینہ کاریوں میں اگر زندگی اپنا رخ پے بہ پے نہ دیکھتی رہے تو یہ سوتے خود اپنے منبع کے لئے نفیٔ مطلق کا درجہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ رضی نے ذاتی اظہار سے یک قلم ہاتھ اٹھائے ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں منتقل ہونے والی بے سپر زندگی، ایک سائبان سے بھاگ کر دوسرے سائبان کے نیچے پناہ لینے والے آشفتہ سے آدمی سے دکھ سکھ کے کھنے مطالبے کرنے ہیں۔ ایسی ہوائیں آدمی کو ذرا رک رک کر سانس

---

[1] سقوطِ مشرقی پاکستان ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء

لینا چاہیئے۔ اور اپنے چراغوں کے زاویے درست کر لینے چاہئیں۔ سنتے ہیں کہ ہواؤں کی سفاک دستی گریبانوں کے علاوہ سینوں کے چاک بھی کشادہ کر دیتی ہے۔

اس زمین کے نقطے سے میرا اور رضی کا تعلق ایک زبان گزیدہ نسل سے ہے پہلی تقسیم پر ہماری نسل اپنی ماؤوں کی ہری بھری گود میں تھی۔ دوسری تقسیم کا وقت آیا تو ہم آمریت کی ویران آغوش میں تھے۔ پہلا مارشل لا رشباب پر تھا۔ اور ہم ابھی جوان ہو رہے تھے۔ دوسرا مارشل لا آیا تو ہم اپنی بہار کے درمیانی زینے پر تھے۔ لیکن ہمارا ملک خزاں کی بیساکھیوں پر تھا۔ اسکول کے کونپل دنوں سے یونیورسٹی کی برگ و بار ساعتوں تک کا سفر ٹڈے تابادلوں کے تعاقب میں ایک بے پروائی کا سفر تھا۔ تعلیم سے نہال ہو کر یونیورسٹی کیمپس سے باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ ابھی شاخ سے کچے اتار لئے گئے ہیں۔ کچھ دن اور پال میں رہنے کی ضرورت ہے۔ روزگار کے لئے بازار میں آئے تو بونس واؤچر اور پرمٹوں کی ریل پیل کے آگے اپنی سند ہیچ نظر آئی محمود سے ایاز تک جہاں سفارشوں اور رشوتوں نے زنجیر کو زلف کر رکھا ہو وہاں آدمی کی دستیں اڑتے ہوئے شعلے ہیں۔ بہتا ہوا پانی ہے۔ غرض ہماری زندگی کے تجربے میں جتنے دریچے کھلتے گئے اندھیرا اتنا ہی بڑھتا گیا۔ سر آنکھ رکھنے والے کی طرح رضی بھی اس اندھیرے سے روشنی میں آنا چاہتا تھا۔ اب اُس کی گرہ میں بصیرت اور دیانت کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ یہی اُس کی دو آنکھیں تھیں اور یہی اُس کا زادِ سفر بھی۔ بہ ظاہر اَن دیکھی اشیاء ہیں لیکن شرحِ صدر ہو تو عقدہ کھلے کہ یہ وہ شمعیں ہیں جن کی لَو سے کوہِ شب کا سینہ چیر کر آدمی اپنے لئے راہیں استوار کرتا ہے آدمی کے پاس اگر بصیرت اور دیانت کا پروانۂ راہداری ہو تو آدمی کبھی وقت کا زندانی نہیں ہوتا بلکہ وقت کی بیکرانی کا ثانی ہو جاتا ہے۔ بصیرت وہ طاقت جو ماضی، حال اور مستقبل کی زائچہ نویس ہے۔

دیانت وہ توانائی جو زمانی اور مکانی امانتوں میں خیانت سے آدمی کو باز رکھتی ہے۔
قائداعظم کی زندگی کے ۷۲ سال کا یہ لمحہ بہ لمحہ پیمانہ رضی کا وہ لبالب کوزہ ہے
جو قومی انتشار کے نئے شعور کو سعود کی سعادت آفریں سرمستی مہیا کرتا ہے۔ یہ ذمہ داری
تو کسی ادارہ کی ہونی چاہیئے تھی لیکن منصب طلب ہاتھ کبھی خونِ جگر کی حنا بندی
سے سرخرو ہونا نہیں چاہتے۔ کون سر پھرا ہوگا جو اپنے زخم کرید کر مرہم کشید
کرے گا۔

عمر کی اس فصل میں، منڈیروں پر چڑھتی ہوئی بیلوں کی فصل میں، آدمی
عموماً محبوب کی دلداریوں اور رقیب کی عیاریوں میں مبتلا رہتا ہے لیکن رضی تو
بڑے حوصلوں کا آدمی نکلا جوان شانوں پر بوڑھے سر والا رضی ــ پیرانِ جہاندیدہ
کی موجودگی میں یہ جواں سال سرتابی ہماری نسل کے لئے ایک وجہ سربلندی ہے
یہ کتاب دو نسلوں کے درمیان ایک اخلاقی اور تہذیبی رابطہ کا نعم البدل ہے۔
یہ کتاب نیون سائن اور کمپیوٹر سے کھنچے ہوئے دائروں کی تہذیب میں ایک
مرکز تعلق کی تلاش ہے۔ رضی کا یہ کارنامہ دراصل ہماری نسل کا اقرارنامہ ہے۔ وہ
اقرارنامہ جو تحریک پاکستان کے باب میں ہمارے لہو سے تحریر ہوا ہے۔

"مزید تفصیل"

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ صدیوں کے نشیب و فراز کے ساتھ جب مئی ۱۸۵۷ء کے نرغہ میں پہنچی تو اس وقت تک پورا ہندوستان ۱۰ ہزار میل دور سے آئے ہوئے مسیحی تاجروں کے حاشیہ اثر میں آچکا تھا۔ وسوسوں اور اندیشوں کے دائرے ہر طرف محیط تھے۔ امنگوں اور ہمتوں کی بے سروسامانی تھی۔ لفظوں کا کنگ عام ہو چکا تھا۔ آبادیاں ویران اور قبرستان آباد ہو رہے تھے۔ درۂ خیبر سے آنے والے جری پٹھانوں سے لیکر جیالے راجپوت تک سب کے سب بے دست و پا تھے۔ گویا اپنے اعمال کی سزا کے منتظر تھے۔ زمین سے دوستی رکھنے والا ہر شخص قابلِ دار اور بے اعتبار تھا۔ پادریوں کے تسلط سے نجات حاصل کرنے والے انگریز کو اپنے اقتدار کی استقامت کے لیۓ لہو کی ارزانی درکار تھی۔ مسلمانانِ برصغیر جو کبھی خسروانِ اقلیم ہفت کشور تھے اب حسرت و یاس کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ اور ادھر کرشن کنہیا کے پجاری مئی نزاکتوں کے پیشِ نظر تازہ خداؤں کے آگے سجدہ ریز ہو گئے تھے۔

ایسے پُر آشوب حالات میں مسلمانوں کو چاہِ گمنامی اور قعرِ مذلت سے نکالنے والے لوگ تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ٹیپو سلطان، سر سید احمد خان، شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا محمد علی جوہر، شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال، چودھری رحمت علی، اور قائداعظم محمد علی جناح یہ تاریخ ساز نام ہیں۔ ان لوگوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے اور اُن کے اندر ایک فعال روح بیدار کرنے

کیلئے اپنے روز و شب ایک کئے اور مسلمانوں کے لئے ایسا پائیدار نصب العین متعین کیا جو بعد ازاں دو قومی نظریہ کی صورت میں قبولیت عام کو پہنچا اس نظریہ کی جس قدر نیک نیتی سے وضاحت ہوتی گئی اُسی قدر مسلمانوں میں علیحدہ وطن کی اُمنگ پروان چڑھتی رہی۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور پھر عروج و زوال کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دو قومی نظریہ کی ابتدا اکبرِ اعظم کے عہد میں ہوئی۔ جب اکبر نے ہندوستان کی ہندو رعایا کو حکمران طبقے سے قریب لانے کے لئے دینِ اسلام میں ترمیم و تنسیخ کر کے ایک نئے مذہب دینِ الٰہی کی بنیاد رکھی۔ اُس وقت مجدد الف ثانیؒ نے اکبرِ اعظم کی اس ملحدانہ جرأت کو چیلنج کیا۔ اور مسلمانوں کی ملی حیثیت کو ببانگ دہل مشتہر کیا۔ آپ نے کہا کہ "اس برصغیر میں دو قومیں آباد ہیں جو اپنے نظریاتِ دینی اور ثقافتی روایات کی بنا پر ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ برصغیر میں ایک قومیت کی بات کی جائے۔"

مشہور سیاح ابوریحان البیرونی نے بھی اپنے سفرنامہ میں یہ بات بڑے واضح الفاظ میں کہی ہے کہ برصغیر میں ایسے دو گروہ آباد ہیں جنکا مذہب، سیاست اور ثقافت ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ لیکن بحیثیت ایک سیاح البیرونی کی اس نشان دہی کو مسافرانہ شاہد تو کہا جا سکتا ہے مگر اسے کسی تحریک یا نظریہ کی اساس قرار نہیں دیا جا سکتا جبکہ مجدد الف ثانیؒ کی تحریروں سے یہ بات کلی و جزوی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ دو مختلف گروہوں کا تذکرہ اُن کے ہاں ضمنی طور پر نہیں آیا ہے۔ وہ شعوری طور پر مسلمانوں کی انفرادیت اور علیحدہ قومیت پر نہ صرف ایمان رکھتے تھے بلکہ اسے ایک تحریک کی صورت میں بھی فروغ دے رہے تھے۔

مسلمانانِ برصغیر کی تاریخ میں قدم قدم پر منافقانہ ہندو ذہنیت اپنا کام کرتی نظر آتی ہے مسلمانوں کی حکومت کے باوجود ہندو کبھی شرپسندی اور مسلم دشمنی سے باز نہیں رہے اسلامی سلطنت کا وجود اُنکی آنکھوں میں کھٹکتا رہا اور وہ برصغیر میں ہندو راج کے لئے کوشاں رہے۔

سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور میں مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو منظم کرنے والا

شخص شیواجی مرہٹہ تھا۔ وہ ہندوؤں کو مسلم کشی پر آمادہ کر رہا تھا۔ اور اس کی مسلم دشمنی اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ اس نے راجہ جے سنگھ کو ایک خط تحریر کیا جس میں اپنے ارادوں کا اظہار اس طرح کیا۔ "میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے افسوس صد ہزار افسوس کہ یہ تلوار مجھے ایک اور مہم کے لئے میان سے نکالنی پڑی۔ اسے مسلمانوں کے سروں پر بجلی بن کر گرنا چاہیے تھا جن کا نہ کوئی مذہب نہ جن کو انصاف کرنا آتا ہے۔ میری بادلوں کی طرح گرجنے والی فوجیں مسلمانوں پر تلواروں کا وہ خونی مینہ برسائیں گی کہ دکن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سارے مسلمان اس سیلابِ خون میں بہہ جائیں گے اور ایک مسلمان کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ (الجمعیت دہلی، جون ۱۹۲۷ء)

شیواجی کے اس خط کی عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ وہ ہندوستان سے اسلام کو ختم کر کے اس خطہ کا عام مذہب ہندو دھرم کو بنانا چاہتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اثر و رسوخ کے ساتھ ہندوؤں نے دشمنی کے تمام راستے مسلمانوں کے گھروں کی طرف موڑ دیئے تھے۔ مسلمانوں کی سماجی و معاشی حق تلفی اور ان کا قتل عام ہندوؤں کے دھرم کا ایک نمایاں حصہ بن گیا تھا۔ وہ انگریز کی پشت پناہی پر اپنے تمام تیر و ترکش لیکر مسلمانوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے تھے۔ ایسے حالات میں وسائل سے محروم مسلمانوں کے لئے زندگی سوالیہ نشان سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

۱۸۸۵ء میں قیام کانگریس کے بعد سر سید احمد خان، نواب محسن الملک، سر سلیم اللہ خان، نواب وقار الملک اور دیگر رہنما یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ یہ تنظیم صرف مسلم دشمنی میں قائم کی گئی ہے۔ ہندو حکمران طبقے سے قربت اور انکی نظروں میں اہمیت حاصل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ سر سید احمد خان نے باقاعدہ اپنے خطبات میں مسلمانوں کو کانگریس سے دوری کا مشورہ دیا نتیجتاً ۱۹۰۶ء مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی تنظیم کا قیام عمل میں آیا ابتدا میں یہ تنظیم ہر چند کہ مسلمانوں کے لئے حقیقی معنیٰ میں کارآمد ثابت نہ ہو سکی تاہم گول

گول میز کانفرنسوں سے قبل یہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت کی حیثیت سے شناخت ہونے لگی تھی۔ محمد علی جناح جو ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کے رکن بن چکے تھے، کانگریس سے اپنے تعلق کی بنا پر ہندو مسلم مفاہمت کی کوشش کرتے رہے آخر کار نہرو رپورٹ کی اشاعت پر انکو بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک لندن میں مقیم رہے یہ چار سال کی مدت دراصل ایک ذہنی انقلاب کی مدت ہے جب وہ انتہائی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ہندو مسلم اتحاد ایک خام خیال ہے اور اب مسلمانانِ ہند کو ایک علیحدہ وطن کی اشد ضرورت ہے۔ ۱۹۳۶ء میں انہوں نے مسلم لیگ کو فعال بنانے کے لئے از سرِ نو جد و جہد شروع کی جسکو بڑے مختصر عرصہ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، ۱۹۴۰ء میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ پیش کیا گیا اور پھر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اس مطالبے نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی سوانح عمری مرتب کرنے کا خیال دراصل اس احتیاج کی پیداوار ہے جو اکثر و بیشتر قائداعظم کی جامع سوانح عمری مرتب کرنے کے سلسلے میں محققین اور تاریخ کے طالب علم کرتے رہتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ رفیقانِ قائداعظم اس جانب توجہ دیتے اور اپنے وسائل اور مشاہدات کو کام میں لاکر قائداعظم کی کوئی جامع اور مربوط سوانح رقم کرتے لیکن اپنے قدم نکالنے کی سعیٔ لاحاصل نے انہیں اتنی مہلت ہی نہ دی اور یہ سعادت بھی اس نسل کے حصے میں آئی جو تحریکِ پاکستان میں شامل تو نہیں تھی لیکن نظریۂ پاکستان کی صداقتوں پر مکمل یقین رکھتی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی حیات و جد و جہد پر ۱۹۳۸ء سے لیکر آج تک متعدد کتابیں تحریر ہو چکی ہیں۔ ان میں محمد علی جناح کی سوانح عمریاں بھی ہیں اور ایسی کتابیں بھی ہیں جن میں قائداعظم کی صرف سیاسی جد و جہد کا احاطہ کیا گیا ہے اور وہ بھی منتشر انداز میں۔ میں نے اس کتاب میں قائداعظم کی زندگی اور سیاسی جد و جہد کو سائنسی طریقہ کار (کرانالوجیکل آرڈر)

کے مطابق ترتیب دینے کی کوشش کی ہے۔ ہر چند کہ میں اپنی اس ذاتی کوشش میں کسی حد تک کامیاب رہا ہوں۔ لیکن پھر بھی رسائل کی قلت کے باعث میری نظر میں اس کی خامیاں بھی موجود ہیں۔ جن کو اپنی توضیحات سے کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا بظاہر انحصار میری انفرادی کوششوں پر ہے لیکن بباطن یہ کتاب میرے کرم فرماؤں کی حوصلہ افزائیوں کا نتیجہ ہے۔

والد محترم مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی کے انتقال کے بعد میں ذہنی طور پر کتاب کی تکمیل کے قابل نہیں تھا لیکن میرے دوستوں نصیر ترابی، عمر شریف، میاں عبدالرؤف بیر سوز، ممنون الرحمٰن خان اور سرفراز احمد خان نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں اس کتاب کو قائداعظم کے جشنِ صد سالہ پر پیش کر دوں۔ اس مرحلہ پر میں قائداعظم اکیڈمی کے ڈائریکٹر پروفیسر شریف المجاہد، جامعہ کراچی شعبہ صحافت کے استاد جناب متین الرحمٰن مرتضیٰ، جامعہ نعیمیہ کے استاد مولانا شاہ حسین گردیزی، گورنمنٹ کالج داؤد کے لیکچرار جناب اطہر حسین، روزنامہ "حریت" کے سب ایڈیٹر جناب محمد علی خان کا احسانمند ہوں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں مجھ سے تعاون کیا۔ اس کے علاوہ میں اُن تمام اصحاب کا بھی مشکور ہوں جنکی کتابوں اور مضامین سے میں نے حوالوں کے اندراج میں مدد لی ہے۔

کتاب کے آخری حصّہ کی تکمیل میں میرے پیشِ نظر پروگریس بمبئی کے ایڈیٹوریل ڈائریکٹر فضل احمد صوفی اور اپنے والد کے روزنامچے بھی رہے ہیں۔ میں اپنے ان محسنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوں۔

خواجہ رضی حیدر

یکم نومبر ۱۹۷۶ء
پیلی بھیت ہاؤس
۲ڈی-۱۶/۵ ناظم آباد۔ کراچی

maablib.org

خاندانی حالات

محمد علی جناح کے دادا پونجا بھائی کاٹھیاوار کی ریاست گونڈل کے قریب واقع ایک دیہات (پنیلی) کے رہنے والے تھے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں پنیلی کی آبادی تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی جن کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا۔ پونجا بھائی ابتداء سے ہی کاروبار کی جانب راغب تھے۔ انہوں نے اپنے مکان میں کھڈیاں (ہینڈلومز) لگا رکھی تھیں جن پر وہ کپڑا تیار کرتے تھے۔ اور ان کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ مگر بستی میں اکثریت کاشتکاروں کی تھی۔ اس لئے پونجا بھائی کو اُن کے منفرد کاروبار کی وجہ سے پنیلی کے کھاتے پیتے افراد میں شمار کیا جاتا تھا۔ پونجا بھائی کے تین لڑکے والجی بھائی، منجو بھائی، جناح بھائی اور ایک لڑکی مین بائی تھی۔ جناح بھائی سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔ اور وہ غالباً ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے گھر پر ہی معمولی تعلیم حاصل کی تھی اور بعد میں اپنے والد کے کاروبار میں شریک ہوگئے تھے۔ جناح بھائی فطری طور پر کاروباری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چنانچہ اپنے والد کے ساتھ چند دن پنیلی میں کاروبار کرنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کاروبار کے فروغ کے لئے ضروری ہے کہ ریاست گونڈل میں کاروبار شروع کیا جائے اور پھر وہ اپنے والد سے اجازت لے کر گونڈل میں کاروبار کے امکانات کا جائزہ لینے چلے گئے۔ اس وقت تک پونجا بھائی کے دو لڑکوں والجی بھائی، منجو بھائی اور لڑکی مین بائی کی شادی ہو چکی تھی صرف جناح بھائی غیر شادی شدہ تھے۔ چنانچہ پونجا بھائی نے جناح بھائی کی گونڈل سے کامیاب واپسی پر پنیلی سے تقریباً دس میل دور واقع ایک دیہات دھرفہ (Dhorafa) میں خوجہ خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی مٹھی بائی سے تقریباً ۱۸۷۴ء میں شادی کردی۔ [1]

---

[1] جی الانہ صـ۳ ـ قائد اعظم محمد علی جناح ـ مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ ۱۹۶۷ء

شادی کے بعد جناح بھائی کے خیالات میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور اُنکو کاروباری اعتبار سے گونڈل بھی چھوٹا نظر آنے لگا۔ اُس زمانے میں بمبئی اور کراچی تجارت کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ جناح بھائی نے اپنے والد کو اس بات پر تیار کرلیا کہ وہ کراچی میں بھی کاروبار کریں جناح بھائی کی تاجرانہ بصیرت اور کراچی میں کاروبار کا آغاز کرنے کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے پونجا بھائی نے اپنے بڑے لڑکے والجی اور جناح بھائی کو کراچی جانے کی اجازت دیدی جبکہ نتھو بھائی گونڈل میں موجود کاروبار کی نگرانی کے لئے گونڈل میں ہی رہ گئے۔ جہاں سے بعد میں وہ بمبئی چلے گئے۔ اب پونجا خاندان کپڑے کے علاوہ چمڑے۔ گوند۔ کھالوں اور کھجوروں کی بھی تجارت کرنے لگا تھا۔ پونجا بھائی کے دونوں لڑکے تقریباً ۱۸۶۴ء میں کراچی میں وارد ہوئے۔ اُس وقت کراچی کی آبادی ۵۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ دونوں بھائیوں نے اس سے قبل اتنا بڑا شہر نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے انھوں نے چند دن یہاں کے طور طریقوں اور کاروباری ماحول کو سمجھنے کے بعد بولٹن مارکیٹ کے قریب "والجی پونجا اینڈ کمپنی" کے نام سے کاروبار کا آغاز کیا جبکہ ان کی رہائش قریب ہی ایک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر نیونہم روڈ کھارادر کے ایک مکان کی بالائی منزل پر تھی۔ جو آج بھی کھارادر میں موجود ہے اور "وزیر مینشن" کے نام سے موسوم ہے[1]۔ کراچی کے ایک قدیم باشندے جناب محمد الیاس کھتری کے مطابق بحیرہ عرب کا جو کنارا کراچی کی آبادی سے ملتا ہے۔ اُسے سمندری پانی کی نسبت سے کھارادر کہتے ہیں جبکہ ملیر ندی اور لیاری ندی سے ملنے والے علاقے کو میٹھادر کہا جاتا ہے۔ اُس وقت کراچی کی آبادی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی، کھارادر، میٹھادر اور لیاری کے علاقے میں شہری آبادی تھی۔ صدر کے علاقے میں فوجی چھاؤنی تھی۔ اور کنٹونمنٹ ایریا پھیلا ہوا تھا۔ سولجر بازار اور گارڈن ایسٹ کے علاقے میں بھی آبادی تھی۔ اور زیادہ تر باری آبادی تھی[2]۔ جناح بھائی نے اس شہر میں اپنے کاروبار کو فروغ دینے

---

[1] فضل حق قریشی۔ ص۱۵ قائداعظم کے خاندانی حالات مضمون مطبوعہ ماہنامہ ماہِ نو شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء

[2] محمد الیاس کھتری۔ ص۲ انٹرویو مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۱۳ اگست ۱۹۷۶ء

کے سلسلے میں بڑی دوڑ دھوپ کی۔ وہ معمولی پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تاجر طبقے میں راہ ورسم کی وجہ سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنے لگے تھے۔ انگریز حکام اور تاجروں کے ساتھ کاروباری گفتگو میں انگریزی نے رابطے کی زبان کا کام انجام دیا۔ جسکی بنا پر اُن کے کاروبار میں روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ اسی عرصے میں جناح بھائی کی ملاقات گراہم شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی کے کراچی میں مقیم جنرل منیجر فیڈرک لنتھ کرافٹ سے ہوگئی۔ کرافٹ کو جناح بھائی کو گفتگو اور طور طریقے بڑے بھائے اور وہ جناح بھائی کا بڑا قریبی دوست بن گیا۔ بعد میں لنتھ کرافٹ نے جناح بھائی کی ہر قدم پر رہنمائی کی۔ اور ان کے کاروبار کو فروغ دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔[1] ہیکٹر بولائتھو نے اپنی کتاب "محمد علی جناح بانیٔ پاکستان" میں فیڈرک لنتھ کرافٹ کو صرافہ کا دلال ظاہر کیا ہے۔ جبکہ جی الانہ نے اپنی کتاب میں گراہم شپنگ کمپنی کا جنرل منیجر بتایا ہے۔ شپنگ کمپنی کا جنرل منیجر ہونا اس لحاظ سے بھی قرینِ قیاس ہے کہ جناح بھائی کی تجارت درآمد و برآمد پر مشتمل تھی اور صرافہ کی تجارت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لیے لنتھ کرافٹ سے جناح بھائی کی دوستی کا باعث گراہم شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی کی جنرل منیجری ہوگی۔

maablib.org

---

[1] ہیکٹر بولائتھو ص۱۵ - پاکستان کا بانی محمد علی جناح (ترجمہ زبیر صدیقی) مطبوعہ مرکزی مجلس ترقی اردو لاہور ۱۹۶۵ء

سنہ ۱۸۷۶ء

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے خاتمہ اور ملکہ وکٹوریہ کی زیرِ نگرانی حکومت کے قیام کے ۱۸ سال اور تقریباً دو ماہ بعد ۲۴ دسمبر سنہ ۱۸۷۶ء کی شب ۱۲ بجے جب کیلنڈر پر ۲۵ کا ہندسہ نمودار ہوا تو اس وقت کراچی کی گہر اور خنکی میں ڈوبی ہوئی رات دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ اور کرسمس کی خوشیاں اس کے در و بام سے چھلک رہی تھیں۔ صدر اور کینٹ ریلوے اسٹیشن کے اطراف فوجی چھاؤنیوں میں آباد گھر سے بے گھر انگریز سپاہی اور افسر بادۂ شبانہ کی سرمستیوں سے چور تھے۔ وکٹوریہ روڈ اور بریڈی اسٹریٹ پر واقع گرجاؤں میں جب یسوع مسیح کی ولادت باسعادت کا گھنٹہ بجا تو رنگینیوں کے تد سرور کی طرح بکھر گئے۔ موسیقی کی دھنیں سازوں کے اجسام سے رہائی پا کر بامِ عرش تک پہنچ گئیں۔[1] لیکن اس وقت کھارادر میں نیونہم روڈ پر واقع ایک عمارت کی بالائی منزل کے برآمدے میں جناح بھائی پونجا ایک عجیب بے چینی کے عالم میں ٹہل رہے تھے اور مٹھی بائی اندر کمرے میں دردِ زہ سے کراہ رہی تھیں۔ دور کہیں مؤذن نے فجر کی اذان دی اور پوری فضا اللہ اکبر کے اعتراف سے گونج گئی۔ کرسمس کی خوشیوں میں مست برطانوی عمال اُس وقت بدمستیوں کی آخری حدود کو پہنچ کر سو چکے تھے ایسے میں اذان کی آواز شہادتِ الٰہی کا روپ دھار گئی۔ مٹھی بائی کے کمرے سے ایک نومولود بچے کی سہمی ہوئی آواز برآمدے کا سکوت توڑتی ہوئی جناح بھائی کی سماعت کا ایک مستقل حصہ بن گئی۔ یہ آواز جناح بھائی کے نومولود صاحبزادے کی تھی جو بظاہر نہایت کمزور اور دبلا پتلا تھا۔ مٹھی بائی اور جناح بھائی کے باہم مشورے سے بچہ کا نام محمد علی رکھ دیا۔ یہ نام ہر چند جناح بھائی کے خاندانی ناموں سے قدرے مختلف تھا

---

[1] کراچی کے قدیم اینگلو انڈین باشندے تھامس بیبر سے انٹرویو (غیر مطبوعہ) سنہ ۱۹۶۲ء

لیکن جناح بھائی جن کی رسم وراہ کراچی میں مسلمانوں سے کسی قدر بڑھ گئی تھی بحیثیت مسلمان اپنے بچوں کے ناموں میں تھوڑی سی ندرت چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے رسولِ مقبول اور خلیفۂ رسول کے ناموں پر مشتمل اس نام کو پسند کیا۔ ہجری سال کے مطابق محمد علی جناح پیر کے دن ۸ ذی الحج ۱۲۹۳ھ کو پیدا ہوئے۔ محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش کے بارے میں بعد میں اختلاف رائے پیدا ہوگیا انہوں نے سندھ مدرسہ میں جب داخلہ لیا تو وہاں اُن کی تاریخ پیدائش ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۵ء درج کی گئی ہے لیکن محمد علی جناح نے اپنی تاریخ پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء ہی ظاہر کی ہے جسے بعد میں تمام محققین نے درست تسلیم کرلیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ ۲۵ دسمبر کو ہی اپنی سالگرہ منائی۔ تاریخ پیدائش کی طرح محمد علی جناح کے نام میں بھی اختلاف موجود ہے اور بعض افراد کا خیال ہے کہ محمد علی جناح کا نام پہلے محمد بھائی علی بھائی خوجانی رکھا گیا تھا۔ بمبئی نیوز پیپر کمپنی کے زیر اہتمام ۱۹۲۸ء میں بمبئی سے شائع ہونے والی مسلم ایر بک آف انڈیا اینڈ پاکستان میں محمد علی جناح کا اصل نام محمد بھائی علی بھائی خوجانی تحریر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ایس ایم جمیل نے مرتب کی ہے۔

محمد علی جناح کی صحت روزِ اول سے ہی بہت خراب تھی جس کی وجہ سے مٹھی بائی بڑی فکرمند رہتی تھیں۔ محمد علی جناح چونکہ پہلی اولاد تھے اس لئے سب کو ان کا ضرورت سے زیادہ ہی خیال رہتا تھا۔ مٹھی بائی کا خیال تھا کہ محمد علی کا عقیقہ ایک بزرگ حسن پیر کے مزار پر کیا جائے جو کہ آبائی گاؤں پنیلی سے دس میل دور گھنود کے مقام پر واقع تھا۔ جناح بھائی جن کی کاروباری مصروفیات میں اب پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔ اپنی بیوی کے اس مشورہ پر عمل کرنے میں ذرا تعمل سے کام لے رہے تھے لیکن جب مٹھی بائی کی جانب سے محمد علی کی صحت کے بارے میں تشویش میں اضافہ ہوگیا تو اُن سے مزید ٹال مٹول نہیں ہوسکی۔ اور انہوں نے حسن پیر کے مزار پر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ جناح بھائی اور مٹھی بائی اپنے لڑکے محمد علی کے ہمراہ ایک دخانی کشتی پر کراچی سے ویراول گئے جو کاٹھیاواڑ کی ایک بندرگاہ ہے۔ پھر وہاں سے ایک بیل گاڑی پر سوار ہوکر گھنود گئے جہاں حسن پیر کی درگاہ ہے۔ کشتی میں بحیرۂ عرب اور بیل گاڑی میں کچی سڑکوں پر سفر کے دوران نحیف

محمد علی کو اُن کی ماں مٹھی بائی اپنی باہنوں میں لئے رہیں۔ درگاہ پر پہنچنے کے بعد محمد علی کے سر کے بال اتارے گئے۔ اور صحت کے لئے دعا مانگی گئی۔ اس کے بعد دونوں محمد علی کو لے کر اپنے آبائی گاؤں پنیلی گئے۔ جہاں کچھ دن قیام کے بعد وہ واپس کراچی آ گئے۔[1]

۱۸۷۶ء کے اواخر میں تاج برطانیہ نے ہندوستان میں لارڈ نارتھ بروک کی جگہ لارڈ لٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر دیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب پورے ہندوستان پر شدید قنوطیت طاری تھی خصوصاً مسلمان اپنے حشمت و اقتدار سے محروم ہونے کے بعد بڑے کرب کی زندگی گذار رہے تھے۔ سیاسی سرگرمیوں کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا صرف ایک گورنر جنرل کی کونسل تھی جو انگریزی اقتدار کے قدم جمانے کے لئے وقتاً فوقتاً فیصلے صادر کرتی رہتی تھی۔ اسی سال ملکہ وکٹوریہ نے "ملکۂ ہند" کا خطاب اختیار کیا۔ اور یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دہلی میں شاہی دربار منعقد کیا۔ ۱۸۷۶ء میں مشہور مورخ اور ادر ممتاز قانون دان سید امیر علی نے کلکتہ میں سنٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جس کے وہ تقریباً ۲۵ سال سکریٹری رہے۔[2]

---

[1] جی الانہ ۔ ص ۶

[2] شوکت فہمی ص ۱۷۰ ۔ انگریز کا شرمناک دورِ حکومت مطبوعہ دین و دنیا پبلشنگ دہلی سنہ ۱۹۵۰ء

۱۸۷۶ء تا ۱۸۸۵ء

محمد علی جناح کی پیدائش کے ۱۴ دن بعد برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب کی داغ بیل ڈالی گئی۔ سر سید احمد خان جو جنگِ آزادی کو مصلحتاً بغاوتِ ہند کا نام دینے کے بعد کفر کے فتووں تک کے مستحق قرار دیئے جا چکے تھے۔ ابھی تک خدمتِ قومی کا چراغ لئے کھڑے تھے۔ سماجی، معاشی اور تعلیمی شعبہ میں مسلمانوں کا انحطاط ان کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ اور وہ مستقل اس فکر میں غلطاں تھے کہ مسلمانوں کو اس چاہ مصیبت سے نکالنے کی سبیل کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ۸ر جنوری ۱۸۷۷ء کو علیگڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد ڈالی جس کا سنگِ بنیاد وائسرائے لارڈ لٹن نے رکھا تھا۔ یہ سنگِ بنیاد بظاہر تو ایک کالج کی عمارت کا تھا لیکن دراصل یہ مسلمانوں کی بیداری کا سنگِ میل تھا اور بقول قحط الرجال کے مصنف مختار مسعود، "سنگِ بنیاد کے طور پر نصب ہونے والا پتھر یوں تو کالج کا سنگِ بنیاد تھا۔ لیکن جس روز یہ نصب ہوا گویا اس روز مینارِ پاکستان کی بنیادیں بھی بھری گئیں"[1]

۲ر نومبر ۱۸۷۷ء کو کراچی میں ایک اور نوید جانفزا نے جنم لیا اور مسلمانوں کی سیاسی بیداری میں مؤثر و مثبت کردار ادا کرنے والے سلطان محمد آغا خان کی ولادت ہوئی۔ پھر ٹھیک اس کے سات دن بعد سیالکوٹ میں ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو محمد اقبال نامی ایک لڑکے نے جنم لیا جو بعد میں شاعرِ مشرق اور نظریہ پاکستان کا خالق قرار پایا۔ ہجری سال کے مطابق علامہ اقبال جمعہ کے دن ۳ر ذی قعد ۱۲۹۴ھ کو پیدا ہوئے تھے اس طرح ۲۵ر دسمبر ۱۸۷۶ء کو لیڈرشپ ۸ر جنوری ۱۸۷۷ء کو پلیٹ فارم ۲ر نومبر ۱۸۷۷ء کو رسائل اور ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو نظریہ وجود میں آیا۔ اس اعتبار سے ہم بلاشک

---

[1] مختار مسعود ص ۲۶، آوازِ دوست، مطبوعہ فیروز سنز لاہور، ۱۹۷۳ء

سنہ ۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو مسلمانانِ برصغیر کے نشاۃِ ثانیہ کے آغاز کا دن قرار دے سکتے ہیں۔

۱۸۷۸ء بھی مسلمانانِ برصغیر کے لئے مسرت و شادمانی کا سال ثابت ہوا کیونکہ اس سال ریاست رامپور میں خلافت تحریک کے بانی مبانی مولانا محمد علی جوہر اور کانپور کے قریب قصبہ موہان میں حریتِ فکر اور آزادی اظہار کے نقیب نامدار فضل الحسن حسرت موہانی پیدا ہوئے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ کامریڈ اور ہمدرد کے مدیر مولانا محمد علی جوہر اور اردوئے معلّٰی کے مدیر کی جس سال ولادت ہوئی اسی سال برطانوی پارلیمنٹ نے دیسی زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات کی زبان بندی کے لئے ورنکولر پریس ایکٹ پاس کیا جس کی بعد میں گورنر جنرل کی کونسل نے منظوری دیدی۔

۱۸۷۹ء میں برطانوی حکومت نے ہندوستان پر افغانستان کے راستہ روس کے حملہ کا بہانہ بناکر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ افغانستان کی افواج جب اپنے دفاع میں ناکام ہو گئیں تو افغانستان کا بادشاہ امیر شیر علی بھاگ کر روس پہنچ گیا۔ جس کے بعد ہندوستان کے وائسرائے لٹن نے امیر شیر علی کی جگہ اس کے بیٹے یعقوب خان کو اپنی من مانی شرائط پر افغانستان کے تخت پر بٹھا دیا۔

۱۸۸۰ء میں برطانوی حکومت نے افغانستان میں نئی شورشوں کے پیشِ نظر لارڈ لٹن کی جگہ لارڈ رپن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا۔ مگر یعقوب خان کے بھائی ایوب خان نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور ایسا ہنگامہ کھڑا کیا کہ یعقوب خان بھاگ کر ہندوستان چلا آیا چنانچہ لارڈ رپن کی نگرانی میں ایک مرتبہ پھر انگریزوں کو افغانستان میں مداخلت کرنا پڑی۔ انہوں نے ایوب خان کو مختلف حربے استعمال کر کے شکست دیدی لیکن انہیں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ افغانستان پر وہ زیادہ دیر اپنا اثر و رسوخ برقرار نہیں رکھ سکتے چنانچہ انہوں نے یعقوب خان کے بھتیجے امیر عبدالرحمٰن کے سپرد افغانستان کی حکومت کر دی۔

۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۴ء تک ہندوستان کی سیاسی سرگرمیاں بڑی محدود رہیں۔ اس دوران ہندوستان کے وائسرائے لارڈ رپن رہے اور انہوں نے اپنی تمام تر توجہ اس بات پر صرف کی کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو استحکام بخشا جائے۔ ادھر سر سید احمد خان جو ۱۸۷۶ء

میں بنارس کے برطانوی کمشنر مسٹر شکسپیئر نے ایک موقع پر اس خیال کا اظہار کر چکے تھے کہ "اب برصغیر میں ہندو اور مسلمانوں کا بطور ایک قوم کے مشترک رہنا ناگزیر ہے اور ان دونوں طبقوں کے درمیان مستقبل میں یہ فصیل مزید کشادہ ہوتی جائے گی۔" محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج کی بنیاد رکھنے کے بعد برابر مسلمانوں کے درمیان جدید تعلیم کو عام کرنے اور اُن کو عظمت رفتہ سے ہمکنار کرانے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ انہوں نے کالج کے لئے اس دوران مسٹر تھیوڈر بیک، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ، پروفیسر رالے، مولانا شبلی نعمانی اور مسٹر آرچی بالڈ جیسے قابل فخر اساتذہ کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ ان اساتذہ کی نگرانی میں کالج دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ لیکن ابھی کالج کے مالی حالات بہتر نہیں تھے چنانچہ سرسید احمد خان نے کالج کے مالی حالات کو بہتر بنانے کیلئے ۱۸۸۴ء میں پنجاب کا دورہ کیا۔ لدھیانہ۔ جالندھر۔ امرتسر۔ لاہور۔ پٹیالہ ہر جگہ اُن کا مسلمانانِ ہند نے شاندار استقبال کیا۔ اور مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی کے لئے اُن کے اقدامات کو سراہا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید کی سوانح "حیاتِ جاوید" میں لکھا ہے کہ مسلمانانِ پنجاب جنہوں نے برطانوی اقتدار کی بدولت ایک نئی زندگی حاصل کی تھی۔ سرسید کی منادی پر اس طرح دوڑے جس طرح پیاسا پانی پر دوڑتا ہے۔ سرسید احمد خان کو اس دورہ میں کالج کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لئے مسلمانوں نے ہزاروں روپے کا چندہ دیا جو بہر حال اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ مسلمان جدید تعلیم کے حصول کو عیب تصور نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اگر اس سے محروم تھے تو صرف انگریز اور ہندوؤں کی متحدہ کوششوں کی بناء پر۔[1] اس سال لارڈ رپن کی جگہ لارڈ ڈفرن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ اس سال ترکی میں قسطنطنیہ کے مقام پر ترکی کا نجات دہندہ مصطفےٰ کمال پاشا پیدا ہوا۔[2]

۱۸۸۵ء میں ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کے درمیان سیاسی بیداری اور

۱؎ محمد اکرام ص۵۔ موجِ کوثر مطبوعہ مرکنٹائل پریس لاہور ۱۹۴۰ء

۲؎ عبدالحمید ص۲۹۔ مسلم سیپریٹزم ان انڈیا مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لاہور ۱۹۷۱ء

اور تعلیم اوسطاً عام ہو چکی تھی اور متعدد سیاسی انجمنیں بنگال۔ مہاراشٹر۔ اور ہندوستان کے دیگر حصوں میں قائم ہو چکی تھیں۔ ان انجمنوں کا چونکہ کوئی مشترکہ پروگرام نہیں تھا اور نہ ہی ان کی جدوجہد مربوط تھی اس لئے ہندوستان میں ایک وسیع انجمن کی بنیاد ڈالنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس مقصد کے لئے ۲۸ ردسمبر ۱۸۸۵ء کو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ۷۲ معززین کا بمبئی میں ایک اجلاس ایک انگریز ریٹائرڈ افسر ویلن روکٹیون ہیوم نے بلایا جس کی صدارت بمبئی کے گورنر لارڈ رے (Reay) نے کی۔ اس اجلاس کا بظاہر مقصد سماجی حالات پر بحث کرنا تھا۔ لیکن وسیع تر انجمن کے سلسلہ میں مسٹر ہیوم نے ایک منصوبہ پیش کیا جس کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا اور آل انڈیا نیشنل کانگریس کا وجود عمل میں آ گیا۔ مسٹر ہیوم نے اس منصوبہ کی تیاری کے سلسلے میں یورپ کا دورہ کر کے ممتاز سیاستدانوں سے مشورے حاصل کئے تھے تاکہ ایک مؤثر جماعت کا قیام عمل میں لایا جا سکے مسٹر ہیوم سے اس سلسلے میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ڈفرن نے بھی مکمل تعاون کیا۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے قیام کے سلسلے میں یہ اجلاس بمبئی کے گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج میں ہوا تھا۔[1] اسی سال سلطان محمد آغا خان کو اسمٰعیلیہ فرقہ کی امامت ملی۔ اُس وقت اُنکی عمر تقریباً آٹھ سال تھی۔[2]

maablib.org

---

[1] بی آر نندا۔ ص۲۵۔ دی نہروز مطبوعہ جارج ایلن اینڈ اَنون لمیٹڈ لندن ۱۹۶۲ء

[2] سر آغا خان۔ ص۳۔ دی میموریز آف آغا خان مطبوعہ کیسل اینڈ کمپنی لمیٹڈ لندن ۱۹۵۴ء

۱۸۸۶ء تا ۱۸۸۷ء

۱۸۸۶ء میں سرسید احمد خان نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی مسلمانوں میں عام بیداری پیدا کرنے میں یہ کانفرنس کئی لحاظ سے زیادہ مفید ثابت ہوئی اس کے مختلف اجلاسوں میں مولانا حالی، مولانا شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، نواب محسن الملک اور خواجہ غلام الثقلین قومی موضوعات پر نظمیں پڑھتے اور لیکچر دیتے۔ مسلم لیگ کے قیام (۱۹۰۶) تک اس کانفرنس کو سیاسی و نیم سیاسی امور میں مسلمانوں کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ دسمبر ۱۸۸۶ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا دوسرا سالانہ اجلاس دادا بھائی نوروجی کی صدارت میں کلکتہ میں ہوا۔ اس موقعہ پر کانگریس کے مندوبین کو وائسرائے لارڈ ڈفرن نے گورنمنٹ ہاؤس میں ایک عشائیہ دیا اور نومولود کانگریس کی کوششوں کو سراہا۔ اس سال کانگریس کا مستقل صدر ایک انگریز سر ولیم ویڈر برن منتخب ہوا۔

۱۸۸۶ء میں محمد علی جناح کی عمر دس برس ہو چکی تھی اور ان کے والد جناح پونجا اب پانچ بچوں کے باپ بن چکے تھے۔ محمد علی جناح سے دو سال چھوٹی بہن رحمت بائی، اُن سے دو سال چھوٹے بھائی احمد علی اُن سے چھوٹی بہن مریم بائی اور اُن سے دو سال چھوٹی بہن شیریں بائی تھیں جناح پونجا نے محمد علی جناح کی ابتدائی تعلیم گھر پر مکمل کروائی جو معمولی مذہبی، گجراتی اور انگریزی تعلیم پر مشتمل تھی۔ قرین قیاس ہے کہ محمد علی جناح کو ابتدائی تعلیم جناح پونجا نے خود دی ہوگی کیونکہ تجارتی ضروریات کے پیش نظر انہوں نے انگریزی پر بھی معمولی دسترس حاصل کرلی تھی۔ جی الانہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ محمد علی جناح کے لئے ان کے والد نے ایک مدرس کا گھر پر ہی انتظام کر دیا تھا۔ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے انگلش ڈیپارٹمنٹ کے جنرل رجسٹر کے مطابق محمد علی جناح نے اسکول میں ۴ جولائی ۱۸۸۷ء کو داخلہ لیا اور اُن کی حیثیت گیارھویں طالب علم کی تھی، اس

رجسٹر پر محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش درج نہیں ہے۔ اسی سال محمد علی جناح بمبئی گئے جہاں انہوں نے کچھ دنوں تک گوکل داس تیج پال اسکول میں تعلیم حاصل کی۔[۱] محمد علی جناح کی پڑھائی سے دلچسپی کے بارے میں ایک واقعہ بڑا عام ہے اس واقعہ کو محمد علی جناح کے کئی سوانح نگاروں نے تحریر کیا ہے: جناح کے چچازاد بھائی کانگ جی وال جی جنکی شادی کراچی کے ایک رئیس سوداگر کی لڑکی فاطمہ بائی سے ہوئی تھی۔ چونکہ اس زمانے میں پونجا کا خاندان ایک ہی مکان میں مقیم تھا اس لئے فاطمہ بائی رخصت ہو کر اس گھر میں آئیں جہاں محمد علی جناح پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت محمد علی جناح کی عمر تقریباً نو برس تھی۔ اور وہ اپنے گھر پر بھی مذہبی اور ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان خاتون کا بیان ہے کہ میری شادی کے وقت محمد علی کی عمر صرف نو سال تھی اور میں انکی تعلیم سے دلچسپی، ذہانت، لیاقت اور حسنِ اخلاق سے حد درجہ متاثر تھی۔[۲] محمد علی ایک اچھا لڑکا تھا، تیز لڑکا تھا، نیونہم روڈ کے مکان کی بالائی منزل پر ہم آٹھ افراد دو کمروں میں رہا کرتے تھے۔ رات کو جب بچے سو جاتے تو محمد علی دفتی کا ایک ٹکڑا لیمپ کے ساتھ کھڑا کر دیتے تاکہ روشنی سوئے ہوئے بچوں پر نہ پڑے اور پھر وہ رات گئے تک پڑھتے رہتے۔ ایک رات جب میں اُن کے پاس گئی اور کہا کہ بچے اتنا نہ پڑھا کر بیمار ہو جائے گا۔ تو جناح نے جواب دیا کہ اگر میں اب محنت نہیں کروں گا تو زندگی میں کوئی بڑا کام نہیں کر سکوں گا۔[۳]

اس واقعہ کو قائد اعظم کے ایک اور سوانح نگار اے اے صدیقی نے فاطمہ بائی کا نام ظاہر کئے بغیر افسانوی انداز میں تحریر کیا ہے جس کا متن تقریباً یہی ہے۔[۴] ۲۳ دسمبر ۱۸۸۷ء کو محمد علی جناح نے دوبارہ سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخلہ لیا۔ اس سال رجسٹر پر اُن کی تاریخ پیدائش ۲۰ اکتوبر ۱۸۷۵ء درج ہے۔ اُس وقت محمد علی جناح نے گجراتی کی چار جماعتیں

۱۔ جی الانا ص۱۰

۲۔ فضل حق قریشی ص۱۵

۳۔ بولائتھو ص۱۶

۴۔ اے اے صدیقی ص۲۔ برادر اسٹیٹس مین آف محمد علی جناح مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۴۹ء

پاس کی تھیں جیسا کہ رجسٹر میں درج سابقہ تعلیم سے ظاہر ہے اور ان کو سندھ مدرسۃ الاسلام میں فرسٹ اسٹینڈرڈ یعنی پانچویں جماعت میں داخلہ دیا گیا تھا۔[1]

اسی سال دسمبر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس بدرالدین طیب جی کی صدارت میں مدراس میں منعقد ہوا اور کانگریس کے مندوبین کے اعزاز میں گورنر مدراس نے ایک استقبالیہ دیا۔ کانگریس کے سالانہ اجلاسوں میں برطانیہ کا جھنڈا یونین جیک لہرا کر برطانیہ سے وفاداری کا اظہار کیا جاتا تھا۔[2]

۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا جس میں سرسید احمد خان نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت کی مخالفت کی اور بڑے واضح الفاظ میں کانگریس کی مجوزہ قراردادوں پر تنقید کی جن کی رو سے وہ ہندوستان میں حکومت کے نمائندہ اداروں کے قیام کا مطالبہ کر رہی تھی۔ سرسید احمد خان جو ۱۸۶۷ء میں شمالی مغربی صوبے میں اردو کے بجائے ہندی کو دوسری سرکاری زبان تسلیم کرانے کے سلسلے میں ہندوؤں کی منافقت دیکھ چکے تھے کانگریس کی موجودہ روش سے شدید دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے کانگریس کی تجویز کے بارے میں کہا کہ اگر برعظیم میں حکومت کے نمائندہ اداروں کے قیام کا مطالبہ تسلیم کرانے میں کانگریس کامیاب ہو گئی تو پسماندہ مسلم اقلیت کا کیا ہوگا۔ کانگریس کے اس لائحہ عمل کی مخالفت کے لئے انہوں نے علیحدہ جماعت پیٹریاٹک ایسوسی ایشن (انجمن محبانِ وطن) کی بنیاد ڈالی جس میں ہندو قوم کے قدامت پسند عناصر بھی شامل تھے۔[3]

---

[1] - جی الانہ صفحہ ۱۰
[2] - اے عزیز صفحہ ۳۲ ڈسکوری آف پاکستان مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۶ء۔
[3] - اشتیاق حسین قریشی صفحہ ۲۳۲ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، مطبوعہ کراچی یونیورسٹی کراچی ۱۹۶۷ء

۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۰ء

۱۸۸۸ء: محمد علی جناح سندھ مدرسۃ الاسلام میں زیر تعلیم تھے۔ سر سید احمد خان کو محمڈن کالج کے قیام کے سلسلہ میں بداندیش افراد کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ ان مخالفتوں کے باوجود کالج میں مسلم طلبا کی تعداد میں اضافہ کے لئے کوشاں تھے۔
مارچ ۱۸۸۸ء میں سر سید احمد خان نے میرٹھ کے مقام پر مسلمانوں کے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ایک طویل تقریر کی جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ کانگریس کے حامیوں نے اخبارات اور رسالوں کے ذریعے جو یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان عموماً کانگریس میں شریک ہیں۔ قطعی غلط ہے۔ معدودے چند نے شرکت کی ہے جو غلطی ہے۔[1]
۱۸۸۸ء میں لارڈ ڈفرن کی جگہ برطانیہ نے ہندوستان کا وائسرائے مارکوئیس آف لینڈ ڈون کو مقرر کر دیا۔ اسی سال کانگریس کا اجلاس الٰہ آباد میں ہوا جس کی صدارت ایک انگریز جارج یول نے کی[2]۔ اسی سال مکہ میں ابوالمحی الدین ابوالکلام آزاد پیدا ہوئے۔ جو بعد میں کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ علامہ عنایت اللہ خان مشرقی بھی ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔

۱۸۸۹ء: محمد علی جناح تھرڈ اسٹینڈرڈ یعنی ساتویں جماعت میں پڑھ رہے تھے۔[3] آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اس سال اجلاس بمبئی میں ایک انگریز سر ولیم ویڈر برن کی صدارت میں ہوا۔ جواہر لال نہرو بھی اسی سال پیدا ہوئے۔ اس دوران محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے کئی اجلاس منعقد ہوئے جس میں سر سید احمد خان کانگریس کی پالیسی اور مطالبات پر تنقید کرتے

---

[1] - شیخ محمد اکرم صفحہ ۵۵
[2] - مفتی شوکت فہمی صفحہ ۱۶۱ - انقلاب کی خونیں تاریخ مطبوعہ دین و دنیا پبلشنگ دہلی سنہ ۱۹۵۱ء
[3] - جی الانہ صفحہ ۱۰

رہے یہ زمانہ وہ ہے جب سرسید کو اس بات کا مکمل یقین ہو گیا تھا کہ مستقبل میں ہندو اور مسلم ایک قوم کی حیثیت سے برصغیر میں آزادی اور خود مختار حکومت کے لئے جدوجہد نہیں کر سکتے۔

سنہ ۱۸۹۰ء میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں میں سماجی و سیاسی شعور پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اور دونوں طبقوں کے رہنما انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح ہندوستان کے عوام کو اُن کا کھویا ہوا وقار حاصل ہو جائے۔ مسلمان رہنماؤں میں اس وقت سر سید احمد خان کے علاوہ بنگال میں سید امیر علی جنہوں نے سینٹرل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی تھی، مسلم قوانین کے سلسلے میں جدوجہد کر رہے تھے۔ اس سال کانگریس کا سالانہ اجلاس سر پی ایم مہتہ کی صدارت میں کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اسی سال خدائی خدمت گار تحریک کے بانی خان عبدالغفار خان پیدا ہوئے۔ جو بعد میں سرحدی گاندھی کہلائے۔

سنہ ۱۸۹۱ء تا سنہ ۱۸۹۵ء

سنہ ۱۸۹۱ء : محمد علی جناح فورتھ اسٹینڈرڈ میں زیر تعلیم تھے لیکن سندھ مدرسۃ الاسلام کے رجسٹر کے مطابق ۵ جنوری کو ان کا نام طویل غیر حاضری کی بناء پر رجسٹر سے خارج کر دیا گیا ۹ فروری سنہ ۱۸۹۱ء کو محمد علی جناح نے دوبارہ سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخلہ لیا اُن کی غیر حاضری کی وجہ بمبئی روانگی تھی جہاں انہوں نے کچھ دنوں تک انجمنِ اسلام اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے علاوہ محمد علی جناح کے مشاغل میں گھوڑ سواری اور کرکٹ کھیلنا بھی شامل تھا گھوڑ سواری کا شوق ان کو اپنے والد کو دیکھ کر ہوا جو کئی بگھیوں (گھوڑا گاڑیوں) کے مالک تھے اور بیشتر گھوڑے پر سفر کیا کرتے تھے۔

سنہ ۱۸۹۲ء میں جب محمد علی جناح دسویں جماعت یعنی پانچویں اسٹینڈرڈ میں زیر تعلیم تھے تو انہوں نے ۳۰ جنوری کو اسکول چھوڑ دیا۔ اسکول کے رجسٹر میں اس کی وجہ روانگی برائے شادی تحریر کی گئی ہے اس وقت محمد علی جناح کی عمر تقریباً ۱۶ سال تھی۔ شادی کے لئے وہ اپنے والدین کے ہمراہ راجکوٹ گئے۔ جہاں سے کچھ دور ایک قصبہ پن بانا کے تاجر گوکل کھیم جی کی لڑکی امی بائی سے اُنکی شادی کردی گئی۔ لڑکی کی عمر تقریباً ۱۴ سال تھی اور وہ خوجہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ محمد علی جناح نے شادی کے بعد کراچی واپسی پر چرچ مشن اسکول لارنس روڈ میں داخلہ لیا اور اسی سال انہوں نے اس اسکول سے بمبئی یونیورسٹی کا میٹرکولیشن سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ میٹرک کے امتحان میں کامیابی کے بعد جناح پونجا کے انگریز دوست فیڈرک لیتھ کرافٹ نے محمد علی جناح کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے اُن کو لندن بھیجنے کا مشورہ دیا۔ جس کو محمد علی اور جناح پونجا

دونوں نے پسند کیا، اور وہ اسی سال پانی کے جہاز سے انگلستان روانہ ہو گئے۔ قیاس ہے کہ لستہ کرافٹ نے جو گراہم شپنگ کا کراچی میں جنرل منیجر تھا محمد علی جناح کو گراہم شپنگ کمپنی کے ہی کسی جہاز سے انگلستان بھیجا ہو گا۔ ؎۱

اسی سال لندن پارلیمنٹ نے انڈین کونسلز ایکٹ منظور کیا جس کی رو سے کونسلوں میں توسیع کی گئی اور مجالس قانون ساز میں غیر سرکاری اراکین کی تعداد بڑھائی گئی۔ ۱۸۹۳ء میں محمد علی جناح نے لنکن ان میں بیرسٹری کے لئے داخلہ لیا۔ لندن محمد علی جناح کے لئے جس کی عمر ۱۷ سال تھی، بہرحال ایک اجنبی شہر تھا۔ چنانچہ وہاں کے ماحول، حالات اور طریقہ رہن سہن کو سمجھنے میں ہی ان کا ابتدائی زمانہ گذرا، اور جب وہ پورے طور پر تمام کوائف سے واقف ہو گئے تو انہوں نے اپنی خواہش کی تکمیل کی طرف توجہ دی اور لنکن ان میں بیرسٹری کے لئے داخلہ حاصل کیا ابھی وہ اپنی تعلیم کی جانب پورے طور پر توجہ بھی نہیں دے سکے تھے کہ ان کو کراچی سے ایک روح فرسا اطلاع ملی۔ اُن کی نوبیاہتا دلہن اُمی بائی جو محمد علی جناح کی لندن روانگی کے بعد اپنے عزیزوں کے پاس بمبئی چلی گئی تھیں بمبئی میں ہیضے کی وباء کے دوران ہلاک ہو گئیں۔ محمد علی جناح کے لئے یہ خبر بڑے رنج و تکلیف کا باعث تھی لیکن انہوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تعلیم جاری رکھی۔ اس زمانے میں لندن میں محمد علی جناح کی رہائش اور دیگر مصروفیتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں لیکن قیاس ہے کہ وہ لارڈ و نیڈرک لستہ کرافٹ کے کسی عزیز کے یہاں بحیثیت پے انگ گیسٹ مقیم ہوں گے۔ کیونکہ لستہ کرافٹ کے مشورے اور اصرار پر ہی جناح پونجا نے اُن کو لندن بھیجا تھا۔ اس لئے لستہ کرافٹ نے ضرور محمد علی جناح کی لندن میں رہائش کے سلسلے میں کوئی انتظام کیا ہو گا۔ اسی سال ۳۱ جولائی کو محمد علی جناح کی سب سے چھوٹی بہن فاطمہ جناح پیدا ہوئیں جو بعد میں آپ کی دستِ راست ثابت ہوئیں۔

ادھر ہندوستان میں سرسید احمد خان برابر اس بات کا مطالبہ کر رہے تھے کہ کانگریس اپنے طریقۂ کار میں لچک پیدا کرے اور ایک قومی جماعت کی حیثیت سے سامنے آئے۔ ۱۸۹۳ء

؎۱ - جی الانہ صفحہ ۱۶

میں انہوں نے الہ آباد کے ایک اخبار پائنیر میں ایک مضمون لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں کسی میدان میں بھی یک جہتی نہیں ہے نمائندہ حکومت مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی بلکہ یہ ملک کے امن اور خوشحالی کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی۔[۱]

اس سال کانگرس کا نواں سالانہ اجلاس دادا بھائی نوروجی کی صدارت میں لاہور میں منعقد ہوا جس میں انڈین کونسلرز ایکٹ کو سراہا گیا۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں اعظم گڑھ، بمبئی اور کاٹھیاواڑ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے جن کی بناء پر پورے ہندوستان میں کشیدگی پھیل گئی۔[۲]

سنہ ۱۸۹۴ء میں محمد علی جناح لندن میں بیرسٹری کے دوسرے سال کی تیاری کر رہے تھے اور اُنکی پوری کوشش یہ تھی کہ وہ کسی طرح بیرسٹری مکمل کر لیں۔ محمد علی جناح کے پرائیویٹ سکریٹری مطلوب الحسن سید نے جو محمد علی جناح کے اوّلین سوانح نگاروں میں شمار ہوتے ہیں ——— اپنی کتاب کی تیاری کے دوران ایک مرتبہ جب محمد علی جناح سے لنکن ان کے نصاب کے بارے میں سوال کیا تو محمد علی جناح نے ازراہِ تمسخر جواب دیا کہ وہاں کا نصاب اسی قدر مشکل تھا جتنا کہ کئی ایک عشائیوں میں بیک وقت شرکت کرنا۔[۳]

ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کے بعد جو تکدر پیدا ہوا تھا۔ وہ ابھی تک برقرار تھا۔ اور مسلمان اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اب اُن کا کام سیاسی انجمن کے قیام کے بغیر ناممکن ہو گیا تھا۔ چنانچہ سیاسی انجمن کے قیام پر غور و خوض شروع ہو گیا اور سرسید احمد خان کے دستِ راست سید مہدی علی، نواب محسن الملک نے ۱۸۹۴ء میں مسلم پولیٹیکل ایسوسی ایشن کے نام سے مسلمانوں کی سب سے پہلی سیاسی انجمن کی بنیاد ڈالی، انجمن میں سب سے پہلے ہندو مسلم سوال پر غور کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ مسلمان موجودہ حالات میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتے۔ نیز انجمن نے حکومت کے سامنے مسلمانوں کے جداگانہ مطالبات

۱۔ رئیس احمد جعفری صفحہ ۳۔ قائد اعظم اور ان کا عہد۔ مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور سنہ ۱۹۶۶ء (دوسرا ایڈیشن)
۲۔ حسن ریاض صفحہ ۲۔ پاکستان ناگزیر تھا۔ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی سنہ ۱۹۶۷ء
۳۔ مطلوب الحسن سید۔ صفحہ ۱۲

پیش کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا۔ لندن میں قیام کے دوران محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت اور تجربات میں گراں قدر اضافہ ہوا اور اُن کو ہندوستان کے محکوم عوام کے مسائل کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اُن کی سوچ و فکر کی بنیادیں استوار ہوئیں اور پہلی مرتبہ اُن کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ حاکم اور محکوم قوم کے عوام میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کا آغاز دراصل اُن کے لندن آنے کے کچھ عرصے کے بعد ہی ہوگیا تھا کیونکہ انہوں نے لندن میں مقیم ہندوستان کے معتبر پارسی رہنما اور مدبّر دادا بھائی نوروجی کو سینٹرل فنزبری سے برطانوی پارلیمنٹ کا نہ صرف رکن منتخب ہوتے دیکھا بلکہ اُن کی انتخابی سرگرمیوں میں بھی حتی المقدور حصّہ لیا۔ اس انتخابی مہم کے دوران لارڈ سالسبری نے ایک تقریب کے دوران دادا بھائی نوروجی کو حقارت سے "کالا آدمی" کہتے ہوئے انگریزوں کو مشورہ دیا کہ وہ دادا بھائی کو پارلیمنٹ میں منتخب نہ ہونے دیں لیکن لارڈ سالسبری کی یہ دھمکی دادا بھائی کے حق میں بڑی مثبت ثابت ہوئی اور وہ پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوگئے۔ ہندوستان میں برطانیہ کے پچاس سالہ تسلط میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک ہندوستانی پارلیمنٹ میں ایک برطانوی حلقے کے نمائندے کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ دادا بھائی کی اس کامیابی نے محمد علی جناح کی ہمت و جرأت میں اضافہ کیا اور انہوں نے شاید اسی دن طے کرلیا تھا کہ اب وہ ہندوستان کے عوام کی آزادی اور وقار کے لئے جدوجہد کریں گے۔[1]

اسی سال مولانا شبلی کو ایک ایسی درس گاہ قائم کرنے کا خیال آیا جو قدیم اور جدید تعلیم کا آمیزہ ہو۔ کیونکہ دیوبند میں قدیم طرز پر عربی دارالعلوم اور علی گڑھ میں سرسیّد کے تعلیمی نظریات کو دیکھ کر انہیں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی۔ کہ طلباء کو اسلامی عربی علوم کے ساتھ جدید تعلیم و مسائل سے بھی آراستہ کیا جائے۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنے اس خیال کو عملی شکل دینے کے لئے برصغیر کے عالم باعمل اور ولی صفت

---

[1] : بولائیتھو۔ صـ ۲۶

روحانی رہنما شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ۔ مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر۔ مولانا سید محمد علی مونگیری مولوی عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی اور مولوی خلیل الرحمٰن سہارنپوری سے تبادلۂ خیال کیا اور لکھنؤ کے مقام پر علماء کے ایک اجتماع میں ندوۃ العلماء کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی۔ اس اجتماع میں مولانا وصی احمد محدث سورتی اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی شریک تھے۔ لیکن بعد میں مولانا شبلی نعمانی کے مخصوص انداز فکر اور ندوہ کے اراکین میں غیر حنفی افراد کی شمولیت کی بنا پر شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی اور اُن کے دو خلیفہ مولانا وصی احمد محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری ندوۃ العلماء سے کنارہ کش ہو گئے۔[۱] اسی سال برطانوی حکومت نے مولانا شبلی نعمانی کو اُن کی علمی اور ادبی خدمات کے صلہ میں شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا۔

۱۸۹۴ء میں کانگریس کا دسواں سالانہ اجلاس مسٹر رے دیب کی صدارت میں بمبئی کے مقام پر ہوا۔ ادھر برطانوی حکومت نے مارکوئیس آف لینسڈون کی جگہ لارڈ کرزن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا۔

۱۸۹۵ء میں محمد علی جناح نے بیرسٹری کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ اور اب وہ لندن میں ۳۵ رسل روڈ کینگسٹن کے ایک مکان میں مقیم تھے۔ یہ مکان آج بھی موجود ہے اور اس پر قیام پاکستان کے بعد ایک تختی آویزاں کر دی گئی جس پر لکھا ہے کہ "قائداعظم محمد علی جناح ۱۸۷۶ء۔ ۱۹۴۸ء بانیٔ پاکستان نے ۱۸۹۵ء میں قیام کیا"۔ جی الانہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس سے قبل محمد علی جناح ایک ہوٹل میں مقیم تھے۔ اور بعد میں وہ اس مکان میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے آ گئے تھے۔ بیرسٹری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اُن کو لندن میں مزید دو سال میں قیام کرنا تھا۔ چنانچہ ان دو سالوں میں انہوں نے اپنے مطالعہ میں اضافہ کیا اور شیکسپیرین ڈرامیٹک کلب کی رکنیت اختیار کر کے ڈراموں میں حصہ لیا۔ ۱۹۴۶ء میں محمد علی جناح نے اس واقعہ کا ذکر نسیم احمد لندن میں کراچی کے انگریزی اخبار روزنامہ ڈان کے سابق نامہ نگار سے کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ انہوں نے ایک ڈرامہ میں رومیو

---

[۱] مولانا قاری احمد پیلی بھیتی صفحہ ۳۲۹۔ تاریخ ہندو پاک مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔ ۱۹۷۵ء

کا کردار بھی ادا کیا تھا۔ اب وہ برٹش میوزیم کے بھی رکن بن گئے تھے جس کا اعتراف کارڈ اب بھی موجود ہے ۔

اسی سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس پونا میں ہوا جس کی صدارت مسٹر سر سیندر ناتھ بینرجی نے کی۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ ابھی تو ہم سفر میں ہیں۔ منزلِ مقصود دور اور مسافت طویل ہے۔ سیاسی آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ اصلی دھرم تو مادرِ وطن کی خدمت میں اس پر جان کا قربان کر دینا ہے۔[1]

---

[1] :۔ رئیس احمد جعفری بحوالہ مضمون "تاریخ پاکستان کی جھلکیاں" مطبوعہ روزنامہ انجام کراچی۔ ۲ مئی سنہ ۱۹۶۶ء

۱۸۹۶ء

۱۸۹۶ء میں محمد علی جناح جب بیرسٹری کے بعد لندن میں دو سال قیام کی مدت مکمل کر کے کراچی واپس پہنچے تو اُن کو ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ بندرگاہ پر اُن کا استقبال کرنیوالوں میں تمام افرادِ خانہ موجود تھے لیکن مٹھی بائی نہ تھیں۔ اس سال مٹھی بائی زچگی کے دوران انتقال کر گئیں جبکہ نومولود لڑکا جسکا جناح پونجا نے بندے علی نام رکھا تھا دس ماہ بعد انتقال کر گیا۔ والدہ کی رحلت نے محمد علی جناح کی وطن واپسی کی تمام خوشیوں پر پانی پھیر دیا۔ اس عرصہ میں جناح پونجا کا کاروبار بھی دم توڑ چکا تھا۔ اور اُنکی گذر بسر تنگ ہو گئی تو محمد علی جناح نے افسردہ دل اور پژمردہ طبیعت کے ساتھ کراچی کی عدالت کا جائزہ لیا اور چند ہی روز میں یہ اندازہ کر لیا کہ ایک نووارد وکیل کے لئے اس شہر میں زیادہ مواقع موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بمبئی جانے کا فیصلہ کر لیا[۱]۔ محمد علی جناح کے اس فیصلے سے جہاں اُن کے افرادِ خانہ کو اختلاف تھا وہاں اُن کے چند دوست بھی اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اُن کے ایک تاجر دوست والجیند نے محمد علی جناح کو بمبئی جانے سے باز رکھنے کے لئے اپنے کاروبار میں شراکت کی پیشکش بھی کی لیکن محمد علی جناح کے فیصلے اٹل ہوتے تھے۔ انہوں نے اس پیشکش کو یہ کہکر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اگر بمبئی میں بھی وکالت نہ چلی تو میں واپس آکر اس پیشکش کو قبول کر لوں گا۔[۲]

محمد علی جناح ۱۸۹۶ء کے اواخر میں جب بمبئی پہنچے تو وہاں کے بھی حالات کچھ ایسے سازگار نہ تھے۔ عدالتوں پر انگریزوں اور پارسی وکلاء کا قبضہ تھا اور مسلمان وکلاء کے لئے بہت کم گنجائش موجود تھی۔ مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں کے غلبہ کی وجہ سے مقدمات کے سلسلے میں عدالتوں

---

[۱] ۔ فضل حق قریشی۔ صـ۱۵
[۲] ۔ بولائتھو۔ صـ۲۲

سے بہت کم رجوع کرتے تھے۔ اور کوشش اس بات کی کرتے تھے کہ تمام تنازعات آپس ہی میں طے ہو جائیں۔ لازمی بات ہے ایسی صورتحال میں ایک مسلمان وکیل کے لئے قدم جمانا ذرا مشکل کام تھا لیکن محمد علی جناح نے ہمت نہیں ہاری۔ اور بمبئی ہائیکورٹ میں اپنا نام رجسٹر کروالیا۔[1]

اسی سال کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں ایم آر سیانی کی صدارت میں منعقد ہوا ادھر سر سید احمد خان جنکی عمر اسی سال سے زائد ہو چکی تھی۔ برصغیر کے کچلے ہوئے اور مایوس مسلمانوں کو ترقی اور فلاح کی راہ دکھانے کے بعد اب علیگڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی تنظیم اور جدید خطوط پر اس تشکیل پر اپنا وقت صرف کر رہے تھے۔ انہوں نے اس سال آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بھی صدارت کی اور اس امر پر اصرار کیا کہ اردو کو کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[2]

---

[1] ۔ جی الانہ صفحہ ۱۶

[2] محمد اکرام صفحہ

سنہ ۱۸۹۷ء

بحیثیت وکیل جب محمد علی جناح بمبئی پہنچے تو ان کے سامان میں چند انگریزی وضع کے سلے ہوئے سوٹ اور کثیر تعداد میں قانون اور سیاست کی کتابیں شامل تھیں۔

روزنامہ انگریزی ڈان کے نامہ نگار مقیم لندن نے سنہ ۱۹۵۹ء میں لندن میں مقیم ایک پارسی تاجر مسٹر جہانگیر کمباٹا کا انٹرویو کیا جس سے محمد علی جناح کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بڑی نجی معلومات سامنے آئیں جہانگیر کمباٹا نے بتایا کہ محمد علی جناح جب ۱۸۹۶ء کے آخر میں بیرسٹری کی تکمیل کے بعد بمبئی آئے تو ان کی رہائش ریلوے کالونی کے قریب ایک پارسی کے ہوٹل "فٹنر جیرالڈ ہوٹل" کے ایک کمرے میں تھی۔ دراصل محمد علی جناح کے چچا جو بمبئی میں مقیم تھے۔ وہ اس ہوٹل میں اشیائے خوردونوش سپلائی کرتے تھے۔ اس بناء پر ہوٹل کے مالک سے ان کی خاصی اچھی ملاقات تھی۔ اسی لئے انہوں نے محمد علی جناح کی رہائش کا انتظام اس ہوٹل میں کیا تھا۔ محمد علی جناح کو دوپہر کا کھانا ایک ریلوے افسر کے گھر سے جاتا تھا۔ جو محمد علی جناح کے چچا کے دوستوں میں شامل تھا۔ محمد علی جناح کو کھانا پہنچانے کی ذمہ داری ریلوے افسر کی بیوی دین بائی گوارڈ نے جہانگیر کمباٹا کے سپرد کر رکھی تھی۔ جن کی اُس وقت عمر چودہ پندرہ برس کی تھی۔ اور وہ ریلوے کالونی میں ہی رہتے تھے۔ جہانگیر کمباٹا نے بتایا کہ جب وہ کھانا لے کر محمد علی جناح کے کمرہ پر پہنچتے تو ہمیشہ وہ محمد علی جناح کو مطالعہ میں مصروف پاتے۔ اُن کے سرہانے ایک میز پر لاتعداد کتابیں پڑی رہتی تھیں۔ جو وہ لندن سے اپنے ہمراہ لاتے تھے۔ محمد علی جناح کھانے میں اُبلے ہوئے چاول، گوشت، سلاد اور دال پسند کرتے تھے۔ [1]

یہ دور محمد علی جناح کے لئے بڑی کسمپرسی کا دور تھا۔ وہ روزانہ اپنے ہوٹل سے بمبئی پریذیڈنسی

---

[1] جہانگیر کمباٹا (انٹرویو نسیم احمد) مطبوعہ روزنامہ "ڈان" کراچی ۱۱ ستمبر ۱۹۵۹ء

پیدل نکلتے اور شام کو مایوس ہوٹل لوٹ جاتے لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور برابر جدوجہد میں لگے رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے چند با اثر پارسیوں سے رسم و راہ بڑھا لی تھی۔ مگر اس کے باوجود اُن کو کوئی مقدمہ نہیں مل سکا تھا۔ اسی دوران اُن کے ایک پارسی دوست نے محمد علی جناح کی صلاحیتوں اور اُن کے حالات کے پیش نظر محمد علی جناح کی ملاقات بمبئی کے قائمقام ایڈووکیٹ جنرل میکفرسن سے کرا دی۔ میکفرسن نے محمد علی جناح سے گفتگو کے دوران اُن کے ولولے اور امنگ کو پوری طرح محسوس کرنے کے بعد محمد علی جناح کو اپنے چیمبر میں مطالعہ کی اجازت دیدی۔ ایک انگریز کی جانب سے ایسی فراخدلانہ پیشکش کی اُس زمانے میں کسی ہندوستانی کو توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ ویسے بھی یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ہندوستانی کو انگریز وکیل نے اپنے چیمبر میں کتابوں سے استفادہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ بمبئی کی عدالتی زندگی میں یہ پیشکش ایک اچنبھے کا روپ دھار گئی۔ اور ایڈووکیٹ میکفرسن کے اس اقدام کو نئے نئے معنیٰ دیئے جانے لگے۔ خصوصاً مالابار ہل پر مقیم ہندو و پارسی رؤسا اور بائیکلہ کلب میں جس میں کسی ہندوستانی کو رکنیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ بڑی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں لیکن ایڈووکیٹ میکفرسن اس صورتحال سے ذرا متاثر نہیں ہوئے اور انہوں نے محمد علی جناح کو اپنی عنایات کا دروازہ اُسی طرح کھلا رہنے دیا۔[۱]

اسی سال کانگریس کا تیرھواں اجلاس امراوتی میں سنکرن نائر کی صدارت میں ہوا جس میں انہوں نے انگریزی زبان کی حمایت کی اور کہا کہ ہم کو انگریزوں کی تاریخ اور جدوجہد کے مطالعے کی روشنی میں اپنی راہیں ہموار کرنا چاہیں۔[۲] اسی سال مولانا الطاف حسین حالی نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے بارھویں اجلاس میں شرکت کی اور مسلمانوں کی زبوں حالی سے متعلق ایک نظم پڑھی۔ اس اجلاس میں سرسید اپنی بیماری کی بناء پر شریک نہیں ہوسکے تھے۔[۳]

۱؎ مطلوب سید۔ ص
۲؎ بی آر نندا۔ صفحہ ۴۲
۳؎ محمد اکرام۔ ص

۱۸۹۷ میں پورے عالم اسلام کو ایک عظیم صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سال میں اسلامک ازم کے بانی اور تحریکات اسلامی کے روح رواں سید جمال الدین افغانی ۹ مارچ کو قسطنطنیہ میں انتقال کر گئے۔ اُن کی ۵۹ سال کی عمر میں موت یقیناً ہندوستان، مصر، ایران، افغانستان، روس اور ترکی و یورپ کے مسلمانوں کے لئے بڑی جان فرسا تھی کیونکہ انہوں نے ان علاقوں کے مسلمانوں کے بنیادی اور اسلامی حقوق کے لئے بڑی جرأت اور فراخدلی سے جدوجہد کی تھی[1]۔ اس سال محمد علی جناح کے والد جناح پونجا بھی انتقال کر گئے۔ وہ محمد علی جناح کے بمبئی منتقل ہو جانے کے بعد خود بھی کراچی کی سکونت ترک کر کے اپنے بچوں کے ہمراہ بمبئی آ گئے تھے۔ جہاں وہ خوجہ محلّہ میں اپنے ایک عزیز کے یہاں مقیم تھے۔ اسی سال محمد علی جناح کی دوسال چھوٹی بہن رحمت بائی کی شادی کلکتہ کے ایک تاجر خلیل بھائی سے بمبئی میں ہوئی[2]۔

---

[1] نواب ذوالقدر جنگ بہادر صفحہ ۱۲۱ مقام جمال الدین افغانی مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۴۹ء
[2] جی الانہ۔ صفحہ

سنہ ۱۸۹۸ء

ایڈوکیٹ میکفرسن کی لائبریری جہاں قانون اور حالات حاضرہ پر نادر اور قیمتی کتابوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا، محمد علی جناح کے لیے سرچشمۂ علم بنی ہوئی تھی، وہ صبح کو اس لائبریری میں داخل ہوتے اور شام کو اپنے سینے میں علم کی شمعیں فروزاں کر کے گھر لوٹ جاتے۔ محمد علی جناح کو اس بات کا علم تھا کہ بیکاری اور تنگدستی کے یہ دن بڑے مختصر ہیں اس لئے وہ ان ایام کو پورے طور پر اپنے مصرف میں لانا چاہتے تھے۔ اس دوران انہوں نے بمبئی پریسیڈنسی میں متعدد مقدمات کی کارروائی بھی سنی اور خصوصاً ایڈوکیٹ جنرل میکفرسن کو اپنے موقف کی تائید میں دلائل لاتے دیکھا جس سے نہ صرف ان کے مشاہدہ میں اضافہ ہوا بلکہ عدالتی نفسیات کو بھی سمجھنے کا موقع ملا رہا۔[۱]

اسی سال ۲۴ مارچ کو سرسید احمد خان کثرت کار اور شدت افکار کے باعث علی گڑھ کے مقام پر اسی سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ مسلمانانِ برصغیر کے لئے یہ غم بہت شدید تھا کیونکہ سرسید احمد خان وہ واحد شخص تھے جنہوں نے ستم رسیدہ اور اغیار گزیدہ مسلمانانِ برصغیر کو سیاسی اور سماجی طور پر ممتاز مقام دلانے کے لیے شبانہ روز جدوجہد کی تھی۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں سرسید احمد خان نے اردو کے خلاف انگریز اور ہندوؤں کی مشترکہ سازشوں کے خلاف سخت باتیں کہیں۔ مارچ میں کانگریس اور ہندوؤں کی جانب سے یو۔پی کے گورنر مسٹر انٹونی میکڈانل کو ایک یادداشت پیش کی گئی جس میں کہا گیا

---

[۱] ۔ ہیکٹر بولائتھو ۔ صـــ

تھا کہ تمام سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے بجائے ہندی اور ناگری رسم الخط رائج کیا جائے۔ سر سید احمد خان کے یہ آخری ایام تھے لیکن اُن کو اردو زبان کس قدر عزیز تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال سے صرف نو دن قبل اردو زبان کے بارے میں ہندوؤں کی روش پر سخت تبصرہ کیا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شائع ہوا۔ سر سید احمد خان کی وفات سے پورے برصغیر میں کہرام مچ گیا۔ دسمبر ۱۸۹۸ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں سر سید احمد خان کے خواب کو پورا کر دکھانے کے سلسلہ میں نہایت پرجوش تقاریر ہوئیں اور ایم اے او کالج علی گڑھ کو یونیورسٹی بنانے کا عزم کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے اجلاس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ ۱۵ لاکھ روپے چندہ دیں۔ [1]

اس سال کانگریس کا اجلاس مدراس میں مسٹر اے ایم بوس کی صدارت میں منعقد ہوا۔ [2]

---

[1] ۔ پروفیسر احمد سعید ص۵۸ حصول پاکستان مطبوعہ ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور ۱۹۷۳ء

[2] شرکت نہیں۔

۱۸۹۹ء

۱۸۹۹ء میں بھی محمد علی جناح ایڈوکیٹ جنرل میکفرسن کے چیمبر میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے تھے۔ اس عرصے میں انہوں نے مالی طور پر کوئی ترقی نہیں کی تھی لیکن چیمبر کی کتابوں سے استفادہ کے بعد اُن میں بڑی دلیری اور خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی۔ [1]

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی مسلمانانِ برصغیر کی زندگی میں بڑی نمایاں تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔ سر سید احمد خاں کی وفات کے بعد نواب محسن الملک مسلمانوں کے متفقہ رہنما قرار پائے۔ ان کی سیاسی اور تعلیمی خدمات کو ہر شخص تحسین کی نظر سے دیکھتا تھا۔ سر سید احمد خاں کے آخری زمانے میں جب علی گڑھ کے حالات بہت بگڑ گئے تھے اور سید محمود کو علی گڑھ کا سکریٹری نامزد کرنے پر اکابرینِ قوم سر سید سے نالاں تھے نواب محسن الملک نے سر سید کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اور شروع ہی سے بحیثیت ٹرسٹی علی گڑھ کی خدمت کرتے تھے۔ سر سید کی وفات کے بعد جب اُنکو علی گڑھ کا سکریٹری منتخب کیا گیا تو اُس وقت علی گڑھ کی مالی حالت بھی بہت خراب تھی۔ کالج کے چندہ میں غبن کی واردات نے جہاں سر سید کو شدید صدمہ پہنچایا تھا وہاں مسلمانوں میں بڑی بے چینی پائی جاتی تھی۔ اور چندہ کی آمد کا سلسلہ تقریباً بالکل بند ہو گیا تھا۔ نواب محسن الملک نے فوری طور پر ایسے اقدامات کئے جس سے علی گڑھ کی مالی حالت بہتر ہونے لگی۔ اس سال ستمبر کے مہینے میں علی گڑھ کو ایک اور نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ ایم اے او کالج کے پہلے پرنسپل مسٹر تھیوڈور بیک اچانک علیل ہونے کے بعد شملہ میں انتقال کر گئے۔

---

[1] ۔ اے اے صدیقی صلا ۔

ہندوؤں کی جانب سے اردو کی مخالفت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ابھی تک جاری تھا۔ اور مختلف انجمنوں اور تنظیموں کی جانب سے اس سلسلہ میں یادداشت اور قراردادیں منظور کی جا رہی تھیں [۱]

اس سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں شری آر سی دت کی صدارت میں ہوا۔ [۲]

---

[۱] : محمد اکرم ص۔

[۲] : شوکت فہمی ص ۲۱۳

سنہ ۱۹۰۰ء

بیسویں صدی کا آغاز محمد علی جناح کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کے پیغام لیکر آیا۔ اسی سال بمبئی پریذیڈنسی کے ایک مجسٹریٹ پی ہوشنگ دستور تین ماہ کی عارضی رخصت پر گئے۔ ان کے عہدہ پر ایک عارضی مجسٹریٹ کا تقرر ہونا تھا۔ محمد علی جناح نے کافی غور و فکر کے بعد طے کیا کہ وہ اس پر تقرری کے سلسلے میں کوشش کریں گے چنانچہ انہوں نے جوڈیشیل ڈیپارٹمنٹ بمبئی کے ممبر انچارج سر چارلس اولیونٹ سے ملاقات کی اور اپنا تعارف کرایا۔ سر چارلس اولیونٹ قائمقام ایڈوکیٹ جنرل اور محمد علی جناح کے محسن مسٹر میکفرسن کے شناساؤں میں سے تھے۔ اور مسٹر میکفرسن بائیکلہ کلب میں ملاقاتوں کے دوران چارلس اولیونٹ سے محمد علی جناح کی ذہانت، فطانت اور قانون سے لگن کے بارے میں بہت کچھ بتا چکے تھے۔ چارلس اولیونٹ نے محمد علی جناح کو بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا اور مشورہ دیا کہ وہ میکفرسن سے ایک تعارفی خط لے آئیں۔ قائد اعظم کے مختلف سوانح نگاروں کے مطابق محمد علی جناح کو یہ بات بڑی عجیب سی لگی۔ وہ خاموشی سے چارلس اولیونٹ کے دفتر سے چلے آئے کیونکہ وہ سفارش اور کسی دباؤ کے سخت مخالف تھے۔ جیسا کہ اُن کی بعد کی زندگی کے بیشتر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ انہوں نے میکفرسن سے ملاقات کے بعد بھی اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی۔ مگر اس دوران میکفرسن کی ملاقات سر چارلس اولیونٹ سے ہو چکی تھی اور وہ تمام احوال سے واقف

تھے۔ محمد علی جناح کی خاموشی کو انہوں نے بھانپ لیا اور پوچھا تم نے اس بات کا مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ محمد علی جناح نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ میں پہلے ہی آپ کا ممنونِ احسان ہوں اور آپ کو مزید زحمت دینا میرا ضمیر گوارہ نہیں کرتا۔ مسٹر میکفرسن اس اصولی جواب اور احسان شناسی کے جذبات سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لیکر مسٹر ہوشنگ دستور کی خالی جگہ پر محمد علی جناح کا تقرر کرا دیا۔

محمد علی جناح نے تین ماہ کے دوران اس عہدہ پر بحیثیت مجسٹریٹ بڑی ذہانت اور یکسوئی سے خدمات انجام دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین ماہ کی مدت ختم ہونے پر جب ہوشنگ دستور واپس آئے تو ان کو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ مسٹر سینڈرسلاٹر کی جگہ مامور کر دیا گیا جو تین ماہ کی رخصت پر انگلستان چلے گئے تھے۔ اس طرح محمد علی جناح کو مجسٹریٹ کے عہدہ پر مزید تین ماہ کام کرنے کا موقع مل گیا۔ چھ ماہ کی اس ملازمت کے دوران تنگ دست محمد علی جناح نے جو کچھ کمایا اس کو بہتر انداز میں صرف کیا۔ وکالت کے دوران وہ بمبئی کے گول پیٹھا میں رہائش پذیر تھے لیکن جلد ہی وہ چرنی روڈ پر واقع ریلوے ہوٹل میں منتقل ہو گئے۔ پھر انہوں نے بمبئی کے معروف ہوٹل تاج محل کے قریب ہی ایک عمدہ فلیٹ کرایہ پر لے لیا۔ اس مدت میں انہوں نے سواری کے لئے ایک بگھی بھی خرید لی تھی جو اُن کے مالی طور پر مطمئن ہونے کی نشاندہی کرتی تھی [1]

ملازمت کی مدت نومبر ۱۹۰۰ء میں مکمل ہونے پر سر چارلس اولیونٹ نے محمد علی جناح کی قانونی ذکاوت اور بے باکی کے پیشِ نظر انکی بحیثیت مجسٹریٹ مستقل نوکری کی پیشکش کی اور کہا کہ اس طرح آپ کو ہر ماہ پندرہ سو روپے مل سکیں گے۔ لیکن محمد علی جناح کی طبیعت محکمہ جاتی پابندیوں کی عادی نہ تھی اور نہ ہی وہ ملازمت کو پسند کرتے تھے چنانچہ انہوں نے چارلس اولیونٹ کی پیشکش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا

[1] مطلوب سید ص

کہ اب وہ صرف روزانہ پندرہ سو روپے کمانے کے لئے وکالت کریں گے ۔[1]

نومبر ۱۹۰۰ء میں انہوں نے بمبئی کے وسط میں واقع وکٹوریہ عہد کی ایک لق ودق عمارت میں آفس حاصل کرلیا اور بڑی دھوم دھام سے وکالت شروع کردی محمد علی جناح نے اپنے آفس میں بہت عمدہ فرنیچر ڈالا تھا اور اُن کا آفس دیگر وکلاء کے مقابلے میں خاصا خوبصورت اور متاثر کن تھا ۔[2]

سرسید احمد خان کے زمانے میں سے علیگڑھ مسلمانوں کی قومی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا اور نواب محسن الملک پوری تندہی سے مسلمانوں کو سیاسی وسماجی طور پر خوشحالی کی راہ لگانے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے ۔ ۱۸ راپریل ۱۹۰۰ء کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ایک مرتبہ پھر ہندوؤں اور انگریزوں کی اندرونی خانہ گٹھ جوڑ سامنے آگئی ۔ سرکاری دفاتر اور عدالتوں میں اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے بجائے ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کے بارے میں جو تحریک ہندوؤں نے چلا رکھی تھی اُس کو صوبہ متحدہ (یوپی) کے گورنر سرانیٹونی میکڈانل نے ایک قرارداد کی شکل میں منظور کرلیا اور بعض سرکاری اغراض کے لئے ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کے استعمال کی اجازت دیدی ۔

سرانیٹونی میکڈانل کی یہ حرکت مسلمانانِ برصغیر کے لئے ناقابلِ برداشت تھی کیونکہ وہ اس کو ہندوستان کے مستقبل، ہندو مسلم اتحاد، مسلمانوں کی ثقافت اور علمی ورثہ کے لئے خطرناک سمجھتے تھے ۔ چنانچہ نواب محسن الملک نے مسلمانوں کے جذبات کے پیشِ نظر ۱۳ رمئی ۱۹۰۰ء کو علیگڑھ کے ٹاؤن ہال میں ایک عام جلسہ کیا اور اردو ڈیفنس کونسل قائم کرکے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے نمائندوں کا ایک وفد منتخب کرکے صوبہ متحدہ کی حکومت کو ایک یادداشت پیش کریں ۔ ان نمائندوں

---

[1] ۔ رئیس احمد جعفری صہ ۲۷

[2] ۔ جی الانہ صہ ۲۶

کا ۱۸/اگست کو لکھنؤ میں جلسہ ہوا جس میں نواب محسن الملک نے بڑی سخت تقریر کی جس پر صوبہ متحدہ کا گورنر شدید چراغ پا ہوا۔ وہ ۲۶/اگست کو علی گڑھ آیا اور اُس نے اردو ڈیفنس کونسل کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر یہ کارروائیاں ختم نہ ہوتیں تو علی گڑھ کالج کی امداد بند کردی جائے گی۔ نواب محسن الملک نے کالج کو حکومت کے قہر سے بچانے کے لئے آنریری سکریٹری کے عہدے سے استعفیٰ دیدیا جس پر سارے ہندوستان میں شور مچ گیا اور اُن سے استعفیٰ واپس لینے کی اپیل کی گئی۔ چنانچہ نواب محسن الملک نے اپنا استعفیٰ واپس لے لیا۔[1]

---

[1] حسن ریاض ص۴۷

۱۹۰۱ء

پریسیڈنسی کی ملازمت کے بعد محمد علی جناح اب ایک بڑا اعتماد وکیل اور لائق قانون دان کی حیثیت سے اپنے آفس میں بیٹھتے تھے۔ انہوں نے مجسٹریٹی کے عہدہ پر رہ کر بمبئی کے ذہین وکلاء کے اپنے مقدمات کے حق میں دلائل سنے تھے اور پھر ان سے نتیجہ اخذ کر کے قابل تعریف فیصلے صادر کئے تھے۔ اس لئے اب وہ مجسٹریٹ اور مؤکلوں کی نفسیات سمجھنے لگے تھے اور بلا خوف و خطر مجسٹریٹ کے سامنے اپنے موقف کی وکالت کرتے۔ محمد علی جناح ایک اصول پسند شخص تھے۔ اس لئے ان کو بے اصولی سے سخت نفرت تھی۔ وہ انسانی احساسات اور اخلاقی قدروں کا احترام کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی بعد کی زندگی میں بھی اپنے شدید مخالفین سے بھی زیادتی نہیں کی۔ اور ہر شخص کا مسکرا کر استقبال کیا۔ دوران وکالت ایک مرتبہ محمد علی جناح کو ایک انگریز بیرسٹر اسٹریجن کے چیمبر میں کسی کام سے جانا پڑا۔ انگریز چونکہ بحیثیت حکمران ہر ہندوستانی کو غلام سمجھتے تھے۔ اس لئے اسٹریجن نے محمد علی جناح سے شائستہ برتاؤ نہیں کیا۔ محمد علی جناح کو اس کا یہ رویہ اس قدر ناگوار گذرا کہ انہوں نے اس دن کے بعد کبھی بھی اسٹریجن سے بات چیت نہیں کی۔ حتیٰ کہ اگر وہ کبھی عدالت کے احاطہ میں ایک دوسرے کے سامنے پڑتے تو محمد علی جناح اجنبی بن جاتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ محمد علی جناح کو جسٹس مرزا کی عدالت میں ایک مقدمہ کے سلسلے میں پیش ہونا تھا۔ دوسری جانب سے سرچمن لال سیتل واد وکالت کر رہے تھے۔ محمد علی جناح نے

سلہ۔ جی الانہ صہ ۲۹

جب جرح سٹروع کی تو جسٹس مرزا نے ایک مرتبہ ان کو ٹوک دیا کہ آپ کا لہجہ بہت تلخ ہے اور آپ عدالتی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں" سر چمن لال نے اپنی کتاب "Recollections and Reflections" میں یہ واقعہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر جسٹس مرزا نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا مسٹر جناح کا لہجہ توہین آمیز نہیں ہے جس پر میں نے کہا کہ یہ فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے میرا نہیں کیونکہ میں جانتا تھا کہ مسٹر جناح کا مقصد توہین عدالت نہیں تھا[1] بعد میں محمد علی جناح نے اس واقعہ کو ایک مرتبہ دہراتے ہوئے کہا کہ اس دن کے بعد سے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں جسٹس مرزا کی عدالت میں پیش نہیں ہوں گا۔

اسی طرح ایک مرتبہ جرح کے دوران جب ایک سینئر مجسٹریٹ نے اُن کو ٹوکا اور کہا کہ مسٹر جناح آپ کسی تیسرے درجے کے مجسٹریٹ کے سامنے بحث نہیں کر رہے ہیں تو مسٹر جناح نے فوراً جواب دیا کہ آپ کے سامنے بھی کوئی تیسرے درجہ کا وکیل نہیں کھڑا ہے[2]

محمد علی جناح کی عدالتی زندگی کے بارے میں بیشتر واقعات ان کے سوانح نگاروں نے درج کئے ہیں لیکن بیشتر واقعات اپنے کوائف کی وجہ سے کمزور ہیں جنکی بنا پر اُس کو حتمی طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ہیکٹر بولائتھو نے "نوجوان جناح عدالت میں" کے عنوان سے باقاعدہ ایک باب میں اپنی کتاب میں شامل کیا ہے لیکن اس میں بھی انہوں نے ۱۹۵۰ء میں بمبئی میں موجود عمر رسیدہ وکلاء کو سند کے طور پر پیش کیا ہے اور تمام واقعات کا انداز افسانوی ہے۔

اردو اور ہندی کے تنازعہ نے پورے برصغیر کے مسلمانوں میں ایک بے چینی پیدا کر دی تھی۔ نواب محسن الملک پر تقریباً زبان ہندی کا دور تھا کیونکہ علی گڑھ کالج کے مفاد کے

---

[1] چمن لال سیتل واد ص۹۶

[2] ۱۰ اے اے صدیقی ص۱۱

پیش نظر انہوں نے کالج کی سکریٹری شپ سے استعفیٰ واپس لے لیا تھا اور خاموشی کے ساتھ علی گڑھ کالج کی ترقی و تعمیر میں معروف تھے۔ چنانچہ نواب وقارالملک نے محمڈن اورینٹل کالج علی گڑھ کو سیاست سے بچانے کے لئے ۱۹۰۱ء میں محمڈن پولیٹیکل آرگنائزیشن کی بنیاد ڈالی تاکہ اس پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی جائز شکایات حکومت تک پہنچائی جائیں۔[1]

اسی سال امرتسر میں پہلی کشمیر کانفرنس منعقد ہوئی جسکی صدارت کے لئے نواب ڈاکٹر سر سلیم اللہ خان امرتسر تشریف لائے۔ اس کانفرنس میں علامہ اقبال نے بھی شرکت کی تھی۔ وہ اس وقت قومی شاعری کی ابتدا کر چکے تھے۔ اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔[2]

اس سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں مسٹر ڈی ای واچا کی صدارت میں ہوا۔ اسی سال جنوری میں ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ تاج برطانیہ سے پرنس آف ویلز بحیثیت ایڈورڈ ہفتم سرفراز ہوئے۔ اسی سال لارڈ کرزن نے پنجاب کے شمالی سرحدی علاقہ کو پنجاب سے علیحدہ کر کے ایک صوبہ بنا دیا جو صوبہ سرحد کی حیثیت سے پاکستان میں شامل ہے۔[3]

---

[1] ۔ اشتیاق حسین قریشی صہ ۳۲۸   [2] خواجہ عبدالرشید

[3] ۔ شوکت نہی صہ

سنہ ۱۹۰۲ء

محمد علی جناح نے بمبئی کے عدالتی حلقوں میں کافی شہرت اختیار کر لی تھی
اُن کے اصول نکتہ نظر اور بے باک نظرت کی بناء پر اکثر وکیل اور مجسٹریٹ اُن سے شاکی
رہتے تھے لیکن انہوں نے کبھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور ہمیشہ دوسروں
کی دلجوئی کرتے رہے۔ محمد علی جناح کے اس رکھ رکھاؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب اُن کے
بارے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور ہر شخص اس بات پر متفق نظر آنے لگا کہ وہ
ایک دن بہت بڑے وکیل ثابت ہوں گے۔ محمد علی جناح کی ایک سب سے بڑی
خصوصیت یہ تھی کہ وہ معاوضہ کے لالچی نہیں تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے مقدمات کے
سلسلہ میں اپنا جو معاوضہ مقرر کر رکھا تھا وہ اُس سے نہ ایک پیسہ کم اور نہ ایک پیسہ
زیادہ لیتے تھے۔ لیکن جہاں انسانی ہمدردی کا سوال آتا وہ سراپا عنایت ہو جاتے۔
ایک مرتبہ ایک شخص نے مقدمہ کی کامیابی کے بعد محمد علی جناح کو کچھ رقم بطور انعام دینا
چاہی لیکن محمد علی جناح نے یہ کہہ کر یہ رقم لینے سے انکار کر دیا کہ میں اپنا معاوضہ لے چکا ہوں
اور اب مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہارے حصّے میں سے رقم وصول کروں۔ کردار کی
اس بلندی نے نووارد وکیل ہونے کے باوجود محمد علی جناح کو ایک بڑا وکیل بنا دیا
تھا۔ اور بمبئی پریسیڈنسی سے تعلق رکھنے اور وہاں پر آنے والے تمام افراد اُن سے
بہت محتاط ہو کر گفتگو کرتے تھے۔ ؎

جو کھم ارلوا نے اپنی کتاب "ہندوستان کے رہنما" میں محمد علی جناح کی عدالتی

؎ ۔ اے اے صدیقی صہ ۹

مصروفیات کا تذکرہ بڑے دلکش انداز میں کرتے ہوئے کئی ایسے واقعات درج کئے ہیں جو ان کے کردار کی بلندی اور ارادے کی استقامت کی نشاندہی کرتے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ محمد علی جناح بہت جلد ان ہی خصوصیات کی بنا پر زبان زدِ خاص وعام ہو گئے تھے۔[1]

نومبر ۱۹۰۲ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے اسماعیلی فرقہ کے روحانی پیشوا آغا خان کو وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت حاصل کرنے کی پیش کش کی اور آغا خان یورپ سے ہندوستان لوٹ آئے۔ آغا خان جو اس سے قبل ۱۸۹۶ء میں محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج دیکھنے علیگڑھ آچکے تھے۔ مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و بہبود میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے سر سید احمد خاں اور نواب محسن الملک سے ملاقات کے بعد کالج کی مالی امداد کا بھی وعدہ کیا تھا۔ جب ۱۹۰۲ء میں وہ ہندوستان واپس آئے تو سر سید احمد خان کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے نواب محسن الملک سے رابطہ قائم کیا اور قومی مفاد کے امور پر بات چیت کی۔[2]

---

[1] جو کھم ادلوا صہ ۴۹ ۔

[2] ۔ سر آغا خان صہ ۴۲

سنہ ۱۹۰۳ء

محمد علی جناح کی غیر معمولی معاملہ فہمی اور لیاقت کا شہرہ اب پورے بمبئی میں ہو چکا تھا اور کانگریس کے سیاسی رہنماؤں کی نگاہیں اُن کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ سر فیروز شاہ مہتا، گوکھلے اور جینز جی جیسے رہنما اُن کے حلقۂ احباب میں داخل ہو چکے تھے۔ اور اُن کو بمبئی کی عدالت کا لارڈ سائمن کہا جانے لگا تھا۔ بار ایسوسی ایشن میں وہ ایک ابھرتے ہوئے وکیل تھے۔ اور اُن کا ہر طرف مسکراہٹوں کے ساتھ استقبال کیا جاتا تھا۔ اسی سال محمد علی جناح کی اصول پسندی کی ایک نئی مثال قائم ہوئی۔ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے صدر جیمز میکڈانلڈ ایک مقدمے کی کارروائی سننے کے لئے ہائیکورٹ آئے اور وکیلوں کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے کچھ دیر بعد جب محمد علی جناح کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے تو ان کے بیٹھنے کے لئے کوئی کرسی خالی نہ تھی۔ آپ نے جیمز میکڈانلڈ سے وکلاء کی کرسی خالی کرنے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ محمد علی جناح نے عدالت کے منشی سے کہا کہ وہ کرسی خالی کروائے ورنہ میں ابھی جج سے شکایت کرتا ہوں۔ منشی جب میکڈانلڈ کے پاس گیا تو انہوں نے کرسی خالی کر دی۔ لیکن وہ محمد علی جناح کی حرکت سے قطعی ناراض نہ ہوئے بلکہ انہوں نے عدالت کے منشی سے محمد علی جناح کا نام دریافت کیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد محمد علی جناح کو ایک ہزار روپے کے معاوضے پر کارپوریشن کا مشیر مقرر کر دیا۔[1]

اسی سال سر چارلس اولیونٹ لندن میں دو سال قیام کے بعد جب بمبئی

---

[1] بولائیتھو صفحہ ۲۵

آئے تو ان کے اعزاز میں لندن کے اوریئنٹ کلب میں ایک ضیافت دی گئی۔ اس ضیافت میں محمد علی جناح بھی شریک تھے۔ انہوں نے محمد علی جناح کو دیکھا تو وہ قریب آئے اور محمد علی جناح سے دریافت کیا کہ اُن کی وکالت کیسی چل رہی ہے محمد علی جناح نے اُن کو بتایا کہ وہ اس وقت دو ہزار روپے ماہانہ پا رہے ہیں۔ اس پر چارلس اولیونٹ نے اُن کو مبارکباد دی اور کہا کہ آپ نے میری پیش کش مسترد کر کے بہت اچھا کیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ محمد علی جناح نے بعد میں اپنے پرائیویٹ سکریٹری جناب مطلوب الحسن سید سے بھی کیا جسے انہوں نے قائداعظم کی سیاسی سوانح عمری میں درج کیا ہے۔ ؎

مسلمان اپنی سیاسی جد وجہد میں ابھی تک کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کر سکے تھے صرف علی گڑھ، کلکتہ اور ڈھاکہ میں تھوڑی بہت سیاسی ہلچل نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، سید امیر علی اور نواب سر سلیم اللہ کی وجہ سے پائی جاتی تھی۔ اس سال آغا خان وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل میں شامل تھے۔ اس دوران انہوں نے نواب محسن الملک اور دیگر مسلم رہنماؤں سے ملاقات کی۔

اس سال ۲۶ جولائی کو محمڈن پولیٹیکل آرگنائزیشن کا ایک جلسہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان کی صدارت میں علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے جو ایک عالی دماغ مدبر تھے۔ خطبۂ صدارت میں کہا کہ مسلمانوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا ہے کہ ہر سیاسی تحریک میں حصہ لینے سے حکومت ناراض ہو جاتی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ایسے پرامن جلسے کرنا جیسا کہ یہ جلسہ ہے حکومت کی بدخواہی نہیں بلکہ خیر خواہی ہے۔ نواب محسن الملک بھی اس کانفرنس میں شریک تھے لیکن انہوں نے کوئی تقریر نہیں کی۔ اسی سال دسمبر میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس سری لال موہن گھوش کی صدارت میں مدراس میں ہوا انہوں

؎۔ مطلوب الحسن سید ص ۱۱

نے خطبۂ صدارت میں کہا کہ حکومت خالص دکھاوے کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ جبکہ ملک میں غربت ہے اور ملک الموت بآواز بلند پکار رہا ہے مگر حکومت تماشائی بنی ہوئی ہے۔ عوام کی اکثریت غریب ہے لیکن ٹیکس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کا بوجھ ناقابل برداشت ہوتا جارہا ہے۔ لوگ بھوکے مر رہے ہیں اور حکومت فضول روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ اگر ملک میں بدامنی خانہ جنگی اور راجہ و سرداروں کی لڑائی نہیں تو کیا ہوا۔ لوگ جنگ میں ہلاک نہیں ہو رہے تو کیا ہوا۔ قحط اور بھوک سے لاکھوں افراد ہلاک ہو رہے ہیں۔

ایک طرف ہندوؤں کی جماعت کانگریس کا یہ حال تھا اور دوسری طرف مسلمان ابھی تک اجتماعی طور پر یہ فیصلہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ اُن کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے یا نہیں۔ اس زمانے میں کانگریس کے اجلاس میں ہزاروں افراد شریک ہوتے تھے اور محمڈن پولیٹیکل آرگنائزیشن کو سامعین میسر نہیں تھے۔ [1]

اسی سال مولانا حسرت موہانی نے علی گڑھ سے بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد علی گڑھ ہی سے بلند پایہ ادبی و سیاسی رسالہ اردوئے معلیٰ جاری کیا۔ [2]

۱۔ رئیس احمد جعفری ص ۱۲۔ مضمون مطبوعہ روزنامہ انجام ۷ مئی سنہ ۱۹۶۶ء

۲۔ مولانا سید سلیمان ندوی ص ۱۹۔ مضمون مطبوعہ اردو ڈائجسٹ جون سنہ ۱۹۶۴ء

maablib.org

سنہ ۱۹۰۴ء

سنہ ۱۹۰۴ء :- اب محمد علی جناح کا شمار بمبئی پریسیڈنسی کے نامی گرامی وکلاء میں ہونے لگا۔ تھا اور وہ مالی طور پر کافی خوشحال تھے۔ اور یہ خوشحالی ہمیشہ اُن کا مقدر بن گئی۔ بعد کی زندگی میں اُن کے رہن سہن اور جائیدادوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ محمد علی جناح نے بحیثیت وکیل بے پناہ کامیابی حاصل کی اور اس قدر سرمایہ کمایا کہ ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں اُن کا ذاتی مکان موجود تھا۔ وہ ہمہ گیر صلاحیتوں کے مالک تھے۔ مقدمات فوجداری ہوں یا دیوانی، ابتدائی عدالت ہو یا ہائی کورٹ، ہر جگہ اُن کی قابلیت اور ذہانت ایک جیسی تھی، وہ نہایت کامیابی سے ہر مقدمہ کی پیروی کرتے دوران بحث اُن کی آواز کا اتار چڑھاؤ اور جملوں کی ساخت سے اُن پر ایک کامیاب اداکار کا گمان گزرتا۔ وہ معمولی معمولی استدلال سے مجسٹریٹ کو مقدمات کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ محمد علی جناح کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بلا وجہ مقدمات اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے تھے۔ پہلے وہ مقدمے کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ لیتے اور جب اُن کو یقین ہو جاتا کہ وہ ایک جائز شکایت یا درخواست کی وکالت کر رہے ہیں تب ہی مؤکل سے مقدمہ لڑنے کا وعدہ کرتے تھے۔ [1]

اس سال آل انڈیا کانگریس کا سالانہ اجلاس سر ہنری کاٹن کی صدارت میں بمبئی میں ہوا۔ جس میں فیروز شاہ مہتا، سریندر ناتھ بینرجی، ایڈلجی ڈنشا واچا اور کرشنا گوپال گوکھلے نے ہندوستان کی آزادی اور مقامی مسائل پر تقاریر کیں لیکن محمد علی جناح جن کی رسائی اور شناسائی

---

[1] قریشی محمد حنیف ایڈووکیٹ۔ قائداعظم بحیثیت وکیل۔ مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۷۶ء

[2] بی آر نندا۔ صفحہ ۵۲

اب کانگریس کے رہنماؤں کے ساتھ بہت بڑھ گئی تھی، ابھی تک عملی سیاست سے علیحدہ تھے۔ لیکن قومی مسائل کا ایک نکتہ رس سیاستدان کی طرح جائزہ لے رہے تھے وہ پابندی کے ساتھ تمام اخبارات پڑھتے اور ان سے نتائج اخذ کرتے رہتے تھے۔ انہی دنوں انہوں نے کرشنا گوپال گوکھلے۔ سریندر ناتھ بنرجی اور سی آر داس کو اپنا سیاسی گرو منتخب کیا کیونکہ گوکھلے اعتدال پسندی۔ بنرجی شعلہ بیانی اور سی آر داس معاملہ فہمی کی بنا پر کانگریس میں بڑی نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔[1]

اس زمانہ میں جب محسن الملک اور وقار الملک جیسے مسلم رہنما کانگریس کی مخالفت میں بہت دور جا نکلے تھے۔ مولانا حسرت موہانی نے پہلی مرتبہ کانگریس کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں بحیثیت مندوب کے شرکت کی۔ مولانا حسرت موہانی کی کانگریس میں شرکت بڑی اہمیت اور تعجب کی حامل تھی، کیونکہ انہوں نے علی گڑھ کے ایم اے او کالج سے بی اے کیا تھا۔ اور کوئی شخص بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ سرسید کے مدرسۂ فکر سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد کانگریس میں شرکت اختیار کرے گا۔[2]

ادھر آغا خان وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل میں خدمات انجام دینے کے علاوہ کانگریس میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی کے بارے میں ہندو رہنماؤں سے بات چیت کر رہے تھے۔ لیکن متعصب ہندوؤں کو کانگریس میں مسلمانوں کی نمائندگی کسی طرح پسند نہ تھی۔ اور خصوصاً ایسے مسلمانوں کی نمائندگی جن کا تعلق سرسید کے مکتبۂ فکر سے ہو۔ دراصل ہندو دیگر اقلیتوں کی طرح مسلمانوں کو بھی انفرادی حیثیت میں ابھرنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ اس طرح مسلمان بھی اُن کے سیاسی فوائد میں حصہ دار ثابت ہو جاتے۔ آغا خان نے اپنی یادداشت[3] میں کانگریس کی اس پالیسی پر بڑے واضح طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہندوؤں کے اسی رویہ نے بالآخر مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ ایک علیحدہ سیاسی جماعت کا قیام عمل میں لائیں اسی سال آغا خان وائسرائے کی کونسل میں اپنی مدت پوری ہونے کے بعد یورپ واپس چلے گئے۔[4]

---

[1] اے ایس رؤف ص ۲۵ [2] مولانا سید سلیمان ندوی ص ۲ بحوالہ مضمون حسرت موہانی، اردو ڈائجسٹ لاہور جون ۱۹۷۰ء

[3] سر آغا خان ص ۷۵

سنہ ۱۹۰۵ء

سنہ ۱۹۰۵ء:۔ اس سال سب سے ہنگامہ خیز واقعہ تقسیم بنگال کا رونما ہوا۔ جس نے حکومت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں بلکہ سارا ملک آتش فشاں پہاڑ میں تبدیل ہو گیا۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی تھی کہ بنگال کے کچھ ستم رسیدہ مسلمانوں کو ہندو زمینداروں، جاگیرداروں اور مہاجنوں کے تسلط سے نجات مل گئی تھی۔ یہ صوبہ صدیوں سے اسلامی حکومت کے زیر اثر اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ یہاں کی صنعت اور تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی مسلمان، امراء، رؤسا، زمینداروں اور صنعت کاروں کو بنگال میں مرکزی حیثیت حاصل تھی مگر نواب سراج الدولہ کی شکست کے ساتھ ہی بنگال کے مسلمانوں کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ گیا تھا رفتہ رفتہ انگریزوں نے میر جعفر اور اس کے جانشینوں کو برائے نام حکومت سے بھی محروم کر کے بنگال کا انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد بنگالی ہندوؤں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت انگریزوں کا قرب حاصل کیا۔ ان کی وفاداری کو اپنا نصب العین بنایا ان کی زبان نہایت ذوق و شوق سے پڑھی، ان کی خوشنودی حاصل کی اور سرکاری مناصب پر فائز ہو گئے حتیٰ کہ بنگال پر انگریزوں کی آڑ میں ہندو حکومت کرنے لگے۔ اور مسلمان ہر شعبے میں پسماندگی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ بے روزگاری اور افلاس نے ان کی کمر توڑ دی اور وسیع پیمانے پر نقل مکانی پر مجبور کر دیئے گئے۔ ان پر سیاسی مقدمات چلائے گئے۔ ہندو زمینداروں نے انہیں بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ ساہوکاروں اور مہاجنوں نے ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا اور یوں معلوم ہونے لگا کہ جیسے اس صوبے

سے مسلمانوں کی عزت و ناموس اور عظمت کا جنازہ اٹھ رہا ہے کہ اس زمانے میں لارڈ کرزن ہندوستان کا وائسرائے ہو کر آیا۔ یہ عجیب دل و دماغ اور خصوصیات کا شخص تھا سخت قسم کا انگریز ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب و تمدن سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ آثار قدیمہ کا محکمہ اسی کے ذہن و فکر کی اختراع ہے۔ اس محکمے کے ذریعے ہندوستان کی قدیم تاریخی یادگاریں محفوظ ہو گئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لارڈ کرزن ہندوستان پر حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کے مسائل سے بھی ہمدردی رکھتا تھا۔ اس کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان کی تمام اقوام کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اسے بنگال کے مسلمانوں کی حالت زار کا علم ہوا تو اس نے بنگال کے بعض مسلمان اکابر کے مشورے سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو اس صوبے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اس طرح مشرقی بنگال میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ہندوؤں کی بالادستی ختم ہونے لگی اور اس امر کے امکانات پیدا ہو گئے کہ مشرقی بنگال کے ستم رسیدہ اور تباہ حال مسلمان اپنے اقتصادی، تعلیمی اور سماجی حالات کو بہتر بنا لیں گے۔[1]

اس صورت حال سے بنگال کے ہندوؤں کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ تھا۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے معاملے میں مخلص ہوتے تو انہیں اس تقسیم پر لارڈ کرزن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا۔ مگر یہ تو جب ہوتا جب بنگال کے ہندو اپنے مسلمان ہموطنوں کے بہی خواہ ہوتے انہوں نے اس تقسیم کے خلاف سخت غم و غصہ کا اظہار کیا اور سارے ملک میں ایک طوفان برپا ہو گیا انجمنیں قائم کی گئیں جس میں بنگالی ہندوؤں کو بم بنانے کی تربیت دی جانے لگی انگریز افسروں پر قاتلانہ حملے کئے گئے۔ ان پر بم پھینکے گئے۔ سارے بنگال میں جلسے اور جلوسوں سے بدنظمی اور افراتفری پیدا کرنے کی منظم کوشش کی گئی۔ یہ تحریک صرف بنگال تک محدود نہ رہی بلکہ پنجاب اور دکن تک پھیل گئی۔ اور سارے ہندوستان میں تقسیم بنگال کے خلاف تشدد آمیز مظاہرے شروع ہو گئے۔ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ کانگریس نے اس تحریک کی قیادت کی اور گوکھلے جیسے رہنما بھی جن کی غیر فرقہ واریت کے آج تک چرچے ہیں اس تقسیم

---

[1] پیام شاہجہانپوری صـ۱۵۳

کے خلاف اپنا غصہ ضبط نہ کر سکے۔ اور اسی سال ۱۹۰۵ء میں انکی زیر صدارت کلکتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں اس تقسیم کے خلاف قرارداد مذمت پیش کی گئی اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ تقسیم کا فیصلہ واپس لیا جائے سودیشی تحریک اور برطانوی مال کے بائیکاٹ کا نعرہ اسی دور کی پیداوار ہے۔ کانگریس کی سرپرستی میں بنگالی ہندوؤں نے اعلان کیا کہ جب تک حکومت بنگال کی تقسیم کا فیصلہ واپس نہیں لے گی اس وقت تک ہندوستانی انگلستان کے کارخانوں کا تیار کردہ سامان استعمال نہیں کریں گے۔ اور صرف ہندوستان کی بنی ہوئی اشیاء پر اکتفا کریں گے۔ چنانچہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ملک میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے صنعتی مراکز قائم ہونے لگے۔ کشمیر میں تو ہندوؤں نے چندہ کر کے تمام بدیسی شکر خرید کر اُس کو آگ لگا دی[1]۔ اس تحریک سے حکومت بہت گھبرائی کیونکہ اس کی کامیابی کی صورت میں انگریزوں کی تجارت کا سخت نقصان پہنچنے کا احتمال تھا مگر لارڈ کرزن نہایت مضبوط وائسرائے تھا۔ اس لئے اس نے اس مخالفت کی قطعاً پرواہ نہ کی اور اسے سختی سے دبانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ بنگالی ہندوؤں کے برعکس بنگالی مسلمان اس تقسیم سے نہایت خوش تھے۔ نواب سر سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ، آنریبل سید نواب علی چودھری اور بنگال کے سرکردہ مسلمانوں نے لارڈ کرزن کے اس فیصلے کو خوش آمدید کہا۔ وہ اس تحریک سے بالکل الگ رہے جو بنگالی ہندوؤں نے تقسیم کے خلاف جاری کی تھی یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ بنگال کی تقسیم اس صوبے کے مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو بنگال کے مسلمان بھی اس کی مخالفت کرتے۔ برطانوی حکومت نے تقسیم بنگال پر بڑھتے ہوئے ردعمل کو روکنے کے لئے ہندوستان کے موجودہ وائسرائے لارڈ کرزن کو ان کے عہدے سے ہٹا کر اُن کی جگہ لارڈ منٹو کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر دیا[2]

اسی سال مصر میں جمال الدین افغانی کے جانشین اور اپنے عہد کے جید عالم مفتی محمد عبدہٗ

---

[1] ۔ بی آر نندا۔ صہ ۸۱

[2] ۔ شوکت فہمی۔ صہ ۱۷۱

انتقال کر گئے ۔

محمد علی جناح کی سوانح عمریوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۰۵ تک محمد علی جناح عملی طور پر سیاست سے دور تھے ۔جیسا کہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں کہ محمد علی جناح کے دوستوں اور ہم نشینوں میں ایک بڑی تعداد سیاسی رہنماؤں کی شامل تھی۔ اور وہ سیاسی معاملات پر بہت کھل کر اظہار خیال بھی کیا کرتے تھے ۔لیکن کسی حوالے سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس وقت تک محمد علی جناح نے کسی سیاسی تحریک یا کسی سیاسی جماعت کی سرگرمیوں میں کھلے بندوں حصہ لیا ہو ۔

۳ ر فروری کو برصغیر میں اتحاد بین المسلمین اور تحریک آزادی کے زبردست علمبردار نواب بہادر یار جنگ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے ۔

سنہ ۱۹۰۶ء

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی زندگی میں سنہ ۱۹۰۶ء کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ وہی سال ہے جب مسلمانوں کے اجتماعی اور انفرادی حقوق کے تحفظ کے لئے سرسید احمد خاں کے رفقاء نے مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی تنظیم مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ جس سال مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ اُس سال مستقبل میں مسلم لیگ کا بارگراں اپنے شانوں پر اٹھانے والا قائد محمد علی جناح کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کی عملی سیاست میں داخل ہو رہا تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس اور ہندوؤں کی جانب سے تقسیم بنگال کے سلسلہ میں جو احتجاج کیا جا رہا تھا اُس نے مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح باور کرا دی تھی۔ کہ ہندو دراصل مسلمانوں کو اپنا محتاج اور غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ اور وہ کسی صورت میں بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کی سہولت یا انفرادیت حاصل ہو چنانچہ اس صورتحال کے پیشِ نظر مسلم رہنماؤں نے مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے ایک علیحدہ جماعت کی تشکیل پر غور و خوض شروع کر دیا۔ لارڈ منٹو نے وائسرائے کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ہندوستان میں ایک آزادانہ ماحول پیدا کرنے کی جانب توجہ دی اور اس سلسلے میں ہندوستان کے لئے برطانیہ کے سکریٹری آف اسٹیٹ جان مارلے کے اشتراک سے اصلاحات نافذ کرنے کے سلسلے میں کوششیں شروع کر دیں۔ ہندوستان میں سیاسی بیداری بڑھ رہی تھی۔ حکومت پر آزادانہ نکتہ چینی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ حکومت نے سنہ ۱۸۹۲ء میں ہندوستانیوں کا دل بہلانے کے لئے کونسلوں

کا جو کھلم کھلا اعلان کیا گیا تھا اُس پر کئی سال سے برابر نکتہ چینی ہو رہی تھی خصوصاً مسلمان اس ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ کہ وہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے کسی منظم تحریک کا آغاز کریں۔ ادھر جولائی ۱۹۰۶ء میں جان مارلے نے برطانوی دارالعوام میں اعلان کیا کہ گورنر جنرل عنقریب ایک کمیٹی مقرر کرنے والے ہیں جو لیجسلیٹو کونسل میں نمائندوں کی توسیع کے سلسلے میں غور کرنے کے بعد مستقبل قریب میں اپنی سفارشات کا اعلان کر دے گی[1]۔ اس اعلان سے مسلمانوں میں مزید ہلچل مچ گئی اور یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اگر اس مرحلہ پر مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت موجود نہ ہوئی تو مسلمان کونسل میں نمائندگی سے ہی محروم رہ جائیں گے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے تمام علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلم رہنماؤں کا ایک اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا گیا۔ اور نواب محسن الملک کی تجویز پر مسلمانوں نے اپنا نکتہ نظر حکومت کو پیش کرنے کے سلسلے میں ایک وفد ترتیب دیا جس میں ۳۵ مسلم رہنما شامل تھے۔ وفد نے یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو سر سلطان محمد آغا خان کی قیادت میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو سے شملہ میں ملاقات کی۔ سر سلطان محمد آغا خان نے اس موقع پر وائسرائے کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو صرف ایک اقلیت تصور نہ کیا جائے بلکہ اُن کو قوم کے اندر قوم سمجھا جائے جس کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تحفظ دستور کے ذریعے ہو۔ عرصہ دراز سے ہمیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک ملکی سیاسیات کے جسم میں ہمارا وجود ایک کھٹکتی ہوئی پھانس کا سا ہے۔ رائے دہندگان کی اکثریت وائسرائے کی کونسل میں مسلمانوں کے حقیقی نمائندوں کے بجائے موقع پرستوں کی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ نے ہماری جداگانہ حیثیت کے مطابق ہمارے صحیح مقام کو نظر انداز کر دیا ہے[2]۔ اس وفد نے جس اہم ترین اصول کا مطالبہ کیا تھا اور جسے بعد میں منظور کر کے منٹو مارلے اصلاحات میں شامل کیا گیا وہ جداگانہ قومی حق رائے دہی اور

[1] ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ص ۱۶۱۔ شارٹ ہسٹری آف پاکستان والیم فور مطبوعہ جامعہ کراچی ۱۹۶۷ء

[2] سر سلطان محمد آغا خان ص ۹۳

جداگانہ فہرست رائے دہندگان کا مطالبہ

وفد کے کامیاب مذاکرات کے نتیجے میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی خلیج اور وسیع ہو گئی۔ لیکن یہ اصول بھی طے ہو گیا کہ مسلمان قوم کے اندر ایک قوم ہیں۔ اس کے برخلاف تقسیم بنگال کے فیصلے پر ہندوؤں میں بے چینی نے زور پکڑ لیا اور ہندو بنگالیوں نے مسلمانوں پر تشدد شروع کر دیا۔ اس صورتحال سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان بنگال بھی میدان میں آ گئے۔ ہندو بنگالی جس شدت کے ساتھ تقسیم بنگال کی منسوخی کا مطالبہ کر رہے تھے مسلمان بنگالیوں نے اسی شدت کے ساتھ اس تقسیم کو قائم رکھنے کا مطالبہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مقامات پر نہایت خونریز ہندو مسلم فسادات ہوئے۔[۱] تقسیم بنگال سے پیدا شدہ صورتحال پر شملہ وفد میں شامل مسلم اکابرین نے لارڈ منٹو سے ملاقات کے بعد تفصیل طور پر گفتگو کی اور آخر کار طے پایا کہ محمڈن ایجوکیشن کانفرنس کے آئندہ اجلاس میں جو ڈھاکہ میں منعقد ہوگا، مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی جماعت تشکیل دی جائے گی۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو یہ اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت نواب وقار الملک کر رہے تھے نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ نے اس جلسے میں سیاسی جماعت کی تشکیل سے متعلق اپنی تفصیلی اسکیم پیش کی جس میں سیاسی جماعت کا نام آل انڈیا مسلم لیگ تجویز کیا گیا تھا۔ اور اس کے مقاصد میں کہا گیا تھا کہ لیگ مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق و فوائد کی نگہداشت اور ان کی ضروریات و خواہشوں کو مودبانہ طریقہ پر حکومت کے سامنے پیش کرے گی۔ اس اسکیم کو تمام مسلم اکابرین نے تسلیم کر لیا۔ نواب وقار الملک نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ جس دن آل انڈیا نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی، اُسی دن سے مسلمانوں کی ایک علیحدہ مؤثر سیاسی جماعت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی تھی اور سر سید احمد خان بھی یہی چاہتے

۱۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صفحہ ۔ برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ۔

۲۔ پیام شاہجہانپوری صفحہ ۱۵۳ ۔ تاریخ نظریہ پاکستان مطبوعہ کتب خانہ انجمن حمایت الاسلام ۔ لاہور ۱۹۷۰ء

تھے کہ مسلمان کانگریس سے علیحدہ رہ کر اپنے حقوق کی نگہداشت کریں۔ اس اجلاس میں عام مسلمانوں کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں سے شرکت کرنے والے رہنماؤں میں سر سلطان محمد آغا خان، نواب محسن الملک، سید نواب علی چودھری، مولانا محمد علی جوہر، راجہ صاحب محمود آباد، مولانا ظفر علی خاں، حکیم اجمل خان، مولانا سلیمان پھلواری، مولانا نثار احمد کانپوری، جناب عزیز مرزا، جسٹس شاہ دین، مظہر الحق، صاحبزادہ آفتاب احمد خان اور سید وزیر حسن شامل تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا دفتر علی گڑھ میں قائم ہوا۔ لہ مسلم لیگ کے قیام سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے اور اب وہ برصغیر کی سیاست میں کھل کر حصہ لیں گے۔

ادھر دادا بھائی نوروجی کی لندن سے بمبئی واپسی پر زمانہ طالب علمی کی شفقت اور محبت کی پھر تجدید ہوئی۔ اور بیرسٹر محمد علی جناح دادا بھائی نوروجی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے نوروجی چونکہ کانگریسی تھے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے اس لئے محمد علی جناح کو ابتدا ہی سے دادا بھائی نوروجی کی شخصیت میں بڑا حسن نظر آنے لگا تھا۔ ہر چند کہ وہ ابھی ایوان سیاست میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن اُن کو ہر وہ شخص محبوب نظر آنے لگتا تھا جو آزادیٔ وطن کے لئے جدوجہد کر رہا ہو۔

دادا بھائی نوروجی نے جو محمد علی جناح کی قائدانہ صلاحیتوں اور فہم و فراست کے لندن ہی سے قائل تھے۔ محمد علی جناح کو اپنا سکریٹری منتخب کر لیا۔ اور پھر محمد علی جناح کی عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ دسمبر ۱۹۰۶ میں پہلی مرتبہ انہوں نے کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں دادا بھائی نوروجی کے سکریٹری کی حیثیت سے شرکت کی۔ کہ اس اجلاس میں قائداعظم نے تقریر بھی کی تھی لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اُس وقت پورے ہندوستان میں ہندو پریس غالب تھا اور محمد علی جناح

لہ۔ پروفیسر احمد سعید صد ۱۰۱

کہ۔ مولانا حسن ریاض صد ۶۵۔ پاکستان ناگزیر تھا۔ مطبوعہ جامعہ کراچی سنہ ۱۹۷۰ء

چونکہ مسلمان تھے۔ اس لیے کانگریس کے پلیٹ فارم سے کسی مسلمان کا نام آنا ہندوؤں کی متعصبانہ ذہنیت کے منافی تھا۔ ایسی کئی ایک مثالیں اس زمانے کی مطبوعات سے سامنے آئی ہیں۔ مثلاً مسٹر C.Y. Chintamani چیف ایڈیٹر "لیڈر" الہ آباد کی ۱۹۳۷ میں شائع ہونے والی دو سو صفحات پر مشتمل کتاب "Indian Politics Since the mutiny" میں محمد علی جناح کا تذکرہ صفحہ ۱۵۰ پر صرف پانچ سطروں میں کیا گیا ہے اور ۱۹۳۷ تک کی سیاسی جدوجہد میں محمد علی جناح کو کسی حیثیت میں بھی ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔[1] جبکہ جواہر لال نہرو، سی آر داس، بابو راجندر پرشاد اور گاندھی کے علاوہ سروجنی نائیڈو کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور ان کو ہندوستان کا سیاسی رہنما ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں سے نہ صرف عناد رکھتے تھے بلکہ وہ اُن کو کسی قسم کی پبلسٹی دینے سے بھی گریز کرتے تھے۔ اس وقت کانگریس کے ۵۶۷ اراکین میں سے صرف ۱۷ مسلمان اراکین تھے۔[2]

---

[1] - سی وائی چنتامنی صفحہ ۱۵۰ - انڈین پولیٹکس سنس دی میوٹنی مطبوعہ الہ آباد۔ سنہ ۱۹۳۷ء

[2] - ہیکٹر بولائتھو۔ صفحہ ۱۷

۱۹۰۷ء

محمد علی جناح اس سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ۲۳ ویں سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے سورت گئے۔ کلکتہ کے اجلاس کانگریس میں رہنماؤں کے درمیان سودیشی تحریک پر اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اور کانگریس دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی تھی ایک کی قیادت بی جی تلک کر رہے تھے۔ اور دوسرے کی قیادت گوپال کرشنا گوکھلے کے ہاتھ میں تھی۔ گوکھلے کا گروپ اعتدال پسند تھا۔ اور اس میں راش بہاری گھوش، موتی لال نہرو، ڈی ای واچا، سریندر ناتھ بینرجی اور محمد علی جناح جیسے رہنما شامل تھے[1] سورت کے اجلاس کی صدارت پر بھی اختلاف رائے ہوا لیکن گوکھلے کا گروپ حاوی آ گیا۔ اور اس اجلاس کی صدارت راش بہاری گھوش نے کی۔ ان حالات میں کوچہ سیاست کے ایک نوارد کے لئے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا بڑا دقت طلب کام تھا۔ لیکن محمد علی جناح نے اس موقع پر فہم و فراست کا ثبوت دیتے ہوئے گوکھلے کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ محمد علی جناح کو روز اوّل سے ہی اس بات کا پوری طرح احساس تھا کہ بحیثیت مسلمان ان کو اعتدال پسند افراد کے ساتھ ہی رہ کر کام کرنے کا زیادہ مواقع مل سکتے ہیں۔ اس سے قبل بی جی تلک کی اسلام اور مسلمان دشمنی کی کئی مثالیں سامنے آ چکی تھیں اور وہ اس بات کے حق میں نہیں تھے کہ مسلمانوں کو کسی صورت میں بھی سیاسی حقوق دیئے جائیں۔ محمد علی جناح نے ایک اعتدال پسند ہندو رہنما کے بارے میں ایک موقع پر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں

۱۔ محمد عمر خالد ماخوذ از مقدمہ کتاب۔ ریکارڈ اسپیچز آف قائداعظم۔ مجموعہ اکیڈمی کراچی سنہ ۱۹۷۳ء

نے سیاست کا پہلا سبق سر سریندر ناتھ بینرجی کے قدموں میں بیٹھ کر پڑھا۔ میں نے ان کے ساتھ ایک پیروکار کی طرح زندگی بسر کی ہے اور میں انہیں اپنا رہنما تسلیم کرتا ہوں۔ ہندوستان میں بے شمار لوگ ہیں جو میری طرح اُن کا احترام کرتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مردِ عظیم سے جو سبق حاصل کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم متحد ہو کر ہی نجات حاصل کر سکتے ہیں۔[۱]

۱۹۰۸ء میں بھی جناح کو بحیثیت وکیل اپنی پوری صلاحیتیں دکھانے کا ایک موقع ملا۔ ہوا یوں کہ بمبئی کے چند شہریوں نے ایک درخواست پریسیڈنسی میں داخل کی جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ میونسپل بورڈ کے انتخابات میں بمبئی میں مقیم چند برطانوی باشندوں نے سر فیروز شاہ مہتا کو ہرانے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کئے ہیں۔ جناح ان دنوں سر فیروز شاہ مہتا کے دفتر میں کام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان شہریوں نے اپنی وکالت کے لئے جناح کو منتخب کیا۔ اتفاق سے یہ مقدمہ جناح ہار گئے۔ کیونکہ سرکار اپنے خلاف کسی طرح کا فیصلہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ مگر جناح نے اس مقدمہ میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں اور بڑی قابلیت کے ساتھ درخواست میں لگائے گئے الزامات کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ سر فیروز شاہ مہتا خود ایک ممتاز بیرسٹر تھے لیکن انہوں نے مقدمہ ہار جانے پر کسی قسم کے تاسف کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ محمد علی جناح نے بڑی محنت اور دیانت سے کیس کو پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس مقدمہ سے محمد علی جناح کا وقار بلند ہوا اور پہلی مرتبہ اُن کا نام مقامی اخبارات میں شائع ہوا۔[۲] محمد علی جناح نے بڑی تیزی سے کانگریسی حلقوں میں مقبولیت حاصل کی۔ تلک۔ دادا بھائی نوروجی۔ گوکھلے۔ سر فیروز شاہ مہتا وغیرہ کی صحبتوں میں وہ کم عمر ضرور تھے مگر

۱۔ جی الانہ۔ صفحہ ۶۳۔
۲۔ ہیکٹر بولائتھو۔ صفحہ ۳۹۔

ذہین اور پر اعتماد، کانگریس کے رہنماؤں میں محمد علی جناح کو گوکھلے کی روش سب سے زیادہ پسند تھی کیونکہ ان کے مزاج میں اعتدال، معقولیت اور رواداری تھی۔ لے

اس سال برصغیر کے مسلمانوں کو ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ سرسید کے جانشین اور مسلمانوں کے متفقہ الیہ رہنما نواب مہدی علی خاں اٹاوی محسن الملک اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ دسمبر ۱۹۰۷ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس کراچی میں منعقد ہونا تھا۔ لیکن ۱۶ اکتوبر کو شملہ میں نواب محسن الملک کی رحلت سے تمام پروگرام متاثر ہو گیا۔ مسلم لیگ کے قیام کے فوراً بعد اس عظیم شخصیت کی جدائی نہ صرف مسلم لیگ کے رہنماؤں بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بڑی جانگسل تھی۔ اس موقع پر نواب وقار الملک نے کمان سنبھال لی۔ اور اعلان کیا کہ موت و زیست اللہ کے ہاتھ ہے اس لئے تمام کام پروگرام کے مطابق ہوں گے۔ کراچی میں ایجوکیشنل کانفرنس کے انعقاد کے فوراً بعد ہی مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس شروع ہو گا۔ نواب وقار الملک کے اعلان سے اُن ہندوؤں کی خواہشات اور خوش فہمیوں پر اوس پڑ گئی۔ جو یہ سمجھ رہے تھے کہ اب مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

۲۹ دسمبر کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا تاریخی اجلاس شروع ہوا۔ بمبئی کے مشہور اور مخیر بزرگ رہنما سر آدم جی پیر بھائی صدارت کر رہے تھے۔ اجلاس میں عوام و خواص کے علاوہ اخباری نمائندوں کی بھی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔

اس اجلاس کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس منعقدہ ۱۹۰۶ء میں قواعد و قوانین کا مسودہ تیار کرنے کے لئے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی اُسکی رپورٹ پر غور و خوض کرنے کے بعد مسودہ کو متعدد ترامیم کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ سے یہ اتفاق ہے کہ مسلم لیگ کے ابتدائی دو اجلاس جن شہروں میں منعقد ہوئے وہی برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان کے صوبائی دارالحکومت قرار پائے یعنی کراچی اور ڈھاکہ۔

لہ ۔ حسن ریاض صلا   سے پیام شاہجہانپوری ص ۱۵۰

سنہ ۱۹۰۸ء

سنہ ۱۹۰۸ء میں محمد علی جناح نے کانگریس کے دستور و آئین کی اصلاح و تبدیلی میں نمایاں حصہ لیا اور جب دسمبر میں کانگریس کا ۲۳ واں ملتوی شدہ اجلاس مدراس میں راش بہاری گھوش کی صدارت میں منعقد ہوا تو اس کی کارروائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ زمانہ قائداعظم کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے انہوں نے کانگریس کے اجلاس کے دوران جب لارڈ مارلے کے مراسلے پر بحث ہوئی تو بڑی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی آئینی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی کا سکہ بٹھا دیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب حکومت ہند نے وائسرائے کی ایگزیکیوٹو کونسل میں ایک ہندوستانی کے انتخاب کی اجازت دی لیکن انتخاب کے سلسلہ میں یہ شرط رکھی کہ وہی شخص اس عہدہ پر فائز کیا جائے گا جو اپنی آئینی قانونی اور دستوری قابلیت کے اعتبار سے امتیازی مقام رکھتا ہو۔ یہ موقع اُن افراد کے لئے بڑی خوشی اور مسرت کا تھا جو ہندوستان کے انتظامی معاملات میں مقامی باشندوں کی نمائندگی چاہتے تھے۔ اس انتخاب کے لئے اُس وقت ہندوستان میں موزوں ترین شخصیت بنگال کے مشہور وکیل اور سیاستدان ایس پی سنہا کی تھی جنکو وائسرائے بخوشی قبول کر سکتا تھا۔ اُس وقت بنگال میں مسٹر سنہا کی وکالت بڑے عروج پر تھی اور وہ لاکھوں روپے کما رہے تھے۔ اُن کے لئے ایک ایسے سرکاری عہدے پر بندھی ٹکی تنخواہ میں کام کرنا بڑا دشوار تھا چنانچہ جب یہ تجویز اُن تک پہنچی تو انہوں نے اسے قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔ کانگریسی رہنما جو اس صورتحال سے کسی قدر دل برداشتہ تھے۔ انہوں نے مسٹر ایس پی سنہا کو راضی کرنے کے لئے مسٹر گوکھلے اور جناح کو منتخب کر کے کلکتہ روانہ کیا تاکہ وہ ایس پی سنہا سے گفتگو کر سکیں۔ گوکھلے کو یہ خطرہ تھا کہ اگر ایس پی سنہا اس بات پر رضامند نہیں ہوئے تو حکومت کسی قابل آدمی کی غیر موجودگی کا جواز پیش کر کے پیشکش واپس لے لے گی چنانچہ وہ چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ کسی ہندوستانی کا اس عہدے پر تقرر ہو جائے۔ تاکہ بعد میں یہ ایک روایت بن جائے۔ مسٹر گوکھلے نے اس سلسلے میں ایس پی سنہا کی بڑی خوشامد کی لیکن وہ کسی صورت اپنی وکالت ترک کر کے یہ عہدہ قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ صورتحال محمد علی جناح کو شاق گذری چنانچہ ایک دن انہوں نے تجربہ کار سنہا کو آڑے ہاتھوں لے لیا اور کہا کہ کیا آپ ہم کو بے وقوف سمجھتے ہیں جو ہم اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ کیا گوکھلے بے وقوف آدمی ہے جو سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کی صرف پچھتر روپے ماہوار پر خدمت کر رہا ہے۔ کیا ہم بمبئی سے غیر حاضر رہ کر اپنی پریکٹس کا نقصان نہیں کر رہے ہیں۔ کیا تمام رہنما اس وقت ذاتی اغراض کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ کیا آپ ایک مختصری مدت کے لئے قومی مفادات کی خاطر اپنی پریکٹس کو ترک نہیں کر سکتے۔ محمد علی جناح کی اس یورش کا ایس پی سنہا کی ضد تاب نہ لا سکی اور انہوں نے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں وہ مختصر مدت کیلئے کام کرنے کو تیار ہیں[۱]۔

ایس پی سنہا کی رضامندی کا تمام تر سہرا محمد علی جناح کے سر تھا۔ ورنہ گوکھلے تو اس سلسلے میں ہمت ہار بیٹھے تھے۔ شاید یہی وہ موقع ہے جب محمد علی جناح کے لئے گوکھلے کے دل میں محبت اور شفقت کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ اور وہ ہر معاملے میں محمد علی جناح کی رائے کو صائب تصور کرتے ہوئے اسکی تائید کرتے تھے۔ اسی عرصے میں محمد علی جناح دادا بھائی نوروجی کی بحیثیت سکریٹری بھی خدمات انجام دیتے رہے[۲]۔

---

[۱] مطلوب سید صفحہ ۲۳۔ [۲] رئیس احمد جعفری صفحہ ۴۱

اپنے پروگرام کا جزو بنا چکی ہے اور وہ حکومت کے سامنے معقول مطالبات پیش کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں [۱]

اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی کوششوں سے نئی اصلاحات کے تحت مسلمانوں کے جداگانہ رائے دہندگی کو حق تسلیم کر لیا گیا اور برطانوی حکومت کی جانب سے انڈر سکریٹری نے اس حق کو تسلیم کرنے کا دارالعوام میں اعلان کر دیا [۲]

مسلم لیگ کو عوام سے روشناس کرانے اور اسے زیادہ سے زیادہ عوامی بنانے کے لئے آغاز کار ہی میں ایک جامع پروگرام تیار کر لیا گیا تھا جس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ لیگ کے جلسے ہر صوبے کے بڑے بڑے شہروں میں منعقد کئے جایا کریں۔ تاکہ یہ ملک گیر حیثیت حاصل کرے اور ہر صوبے کے لوگوں کو اس کے جلسوں میں شریک ہونے اور اس کی سرگرمیوں سے براہ راست آگاہ ہونے کا موقع مل سکے۔ چنانچہ اس کا دوسرا سالانہ اجلاس مردم خیز صوبہ پنجاب کے مشہور شہر امرتسر میں زیر صدارت سید علی امام دسمبر ۱۹۰۸ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہندو اکثریت کے ہاتھوں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ملازمتوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق حصہ دیا جائے۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ کانگریس نے تقسیم بنگال کے خلاف جو ریزولیشن پاس کیا ہے حکومت اس سے متاثر نہ ہو۔ اور بنگال کو بدستور دو حصوں میں منقسم رکھے۔ تیسرا مطالبہ یہ کیا گیا کہ پریوی کونسل میں مسلمانوں کو بھی نمائندگی دی جائے اور ایک ہندو اور ایک مسلمان ممبر مقرر کیا جائے چوتھا مطالبہ یہ تھا کہ لوکل بورڈوں میں مذہبی بنیادوں پر نمائندگی کا جو اصول تسلیم کیا گیا ہے اس میں مزید توسیع کی جائے [۳]

مارچ سنہ ۱۹۰۸ء میں صوبہ بہار میں صوبائی مسلم لیگ کی شاخ قائم ہوئی سید علی امام اور مظہر الحق کو بالترتیب صدر اور سکریٹری منتخب کیا گیا۔

۱۔ طفیل احمد منگلوری صفحہ ۲۳۲: مسلمانوں کا روشن مستقبل مطبوعہ دہلی ہندوستان سنہ ۱۹۴۵ء
۲۔ شریف الدین پیرزادہ صفحہ ۱۰۲: پاکستان منزل بہ منزل مطبوعہ ملڈا شاعت گھر کراچی سنہ ۱۹۶۳ء
۳۔ طفیل احمد منگلوری صفحہ ۲۳۵

اجلاس کراچی کے ڈھائی ماہ بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس علی گڑھ میں خان بہادر محمد مزمل اللہ خان کی کوٹھی پر منعقد ہوا۔ پنجاب کی ممتاز علمی و سیاسی شخصیت (جسٹس بر شاہ دین ہمایوں مرحوم) نے اس اجلاس کی صدارت کی نواب وقار الملک نے اجلاس کراچی کی رپورٹ پیش کی۔ نئے ممبروں کا انتخاب ہوا۔ اور نواب وقار الملک کی خدمات کے متعلق ایک ریزولیشن پاس کیا گیا جس میں نواب صاحب کی ان کوششوں کو سراہا گیا جو انہوں نے قیام مسلم لیگ کے سلسلے میں سرانجام دیں لیکن اس اجلاس کی اصل غرض و غایت کچھ اور تھی۔ قیام مسلم لیگ کے بعد صوبہ پنجاب کے دو مسلم لیگی رہنماؤں سر شفیع اور سر میاں فضل حسین کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اور دونوں نے دو مسلم لیگیں قائم کر لی تھیں۔ ایک جدید تنظیم کے لئے اس قسم کا اختلاف نہایت نقصان دہ تھا اس لئے علی گڑھ میں نواب وقار الملک اور ان کے بعض رفقاء کی کوششوں سے سر فضل حسین اور سر شفیع کے اختلافات دور کرائے گئے اور پنجاب کی دونوں مسلم لیگوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا۔ اس اجلاس کا ایک اور قابل ذکر واقعہ نواب وقار الملک کا استعفیٰ ہے نواب صاحب علی گڑھ مسلم کالج کے آنریری سکریٹری تھے۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے بھی سکریٹری۔ اس لئے انہوں نے بیک وقت دو عہدوں کی ذمہ داریاں مسلسل نبھانے سے معذوری کا اظہار کیا۔ اور سکریٹری مسلم لیگ کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ سید وزیر حسن مسلم لیگ کے نئے سکریٹری اور حاجی محمد موسیٰ جوائنٹ سکریٹری مقرر کئے گئے۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس میں لیگ کے اندرونی معاملات اور تنظیمی امور کے علاوہ ملکی معاملات سے تعلق رکھنے والا ایک مسئلہ بھی زیر بحث آیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا جائے۔ مسلم لیگ کی ایک سالہ مختصر سی زندگی کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی اس جماعت نے حکومت اور برادرانِ وطن دونوں پر ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ اہل ملک کی فلاح و بہبود اور ان کے سیاسی حقوق کے تحفظ کو

۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو لندن کے کیکسٹن ہال میں مسلمانوں کے ایک اجتماع نے جس کی صدارت ممتاز مورخ و سیاسی رہنما سید امیر علی کر رہے تھے، مسلم لیگ کی لندن شاخ قائم کی اور اس کے اغراض و مقاصد مرتب کیے۔

اس سال دہلی میں اردو کے معروف شاعر اور شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے استاد مرزا داغ دہلوی انتقال کر گئے۔

مصر میں انگریزوں کی پالیسی کے خلاف اردوئے معلّٰی میں ایک مضمون تحریر کرنے کے سلسلے میں مولانا حسرت موہانی پر ۲۳ر جون ۱۹۰۸ء کو بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا اور ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کو دو سال قید سخت اور ۵۰۰ روپے جرمانہ کی سزا کا حکم سنایا گیا۔[1]

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی، ص ۱۶۱ - قید فرنگ، مطبوعہ مکتبہ نیا راہی، کراچی، ۱۹۵۸ء

سنہ ۱۹۰۹ء

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جداگانہ انتخاب کا جو مطالبہ کیا گیا تھا وہ اصولی طور پر بہت مؤثر ثابت ہوا۔ کانگریس نے زور و شور سے اس مطالبہ کی مخالفت شروع کر دی کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو نمائندگی کا حق مل رہا تھا۔ ادھر مسلم لیگ کی لندن شاخ کے سربراہ سید امیر علی نے جنوری ۱۹۰۹ء میں اخبار ٹائمز آف لندن میں ایک مضمون لکھا جس میں اس بات کو ثابت کیا کہ مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی کیلئے جداگانہ انتخاب کا فیصلہ بہت ضروری ہے۔ ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء کو لندن شاخ کے ایک وفد نے سید امیر علی کی قیادت میں وزیر ہند جان مارلے سے ملاقات کی اور ایک یادداشت کے ذریعہ جداگانہ انتخاب کے بارے میں مسلمانوں کے موقف سے آگاہ کیا۔ یادداشت میں ان خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی تھی جو مخلوط انتخاب کے نتیجے میں پیش آ سکتے ہیں۔[1] چنانچہ مارلے کی اصلاحات کے اعلان کا جیسے جیسے وقت قریب آتا گیا لندن شاخ کی سرگرمیوں میں مستعدی پیدا ہوتی گئی حتیٰ کہ جب سنہ ۱۹۰۹ء کے وسط میں منٹو مارلے اصلاحات کا اعلان کیا گیا تو اس میں اس تجویز کو تسلیم کر لیا گیا تھا کہ مسلمان اپنے نمائندوں کا انتخاب آپ کریں گے۔ گویا اس طرح پہلی مرتبہ سرکاری طور پر یہ بات تسلیم کی گئی کہ برصغیر میں دو قومیں آباد ہیں اور انہیں اپنے مستقبل کا انفرادی طور پر فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔[2]

ان اصلاحات کے نفاذ کے بعد محمد علی جناح کو حکومت کے معاملات میں دخل اندازی کا پہلا موقع ملا۔ وائسرائے کی انتظامی کونسل کے بجائے ایک زیادہ وسیع ادارہ وجود میں آیا جس کا نام

---

[1] ۔ شاہد حسین رزاقی ص ۱۳۵، سید امیر علی مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۰ء

[2] ۔ ریاض الاسلام اور جی ایم ڈی سوفی ص ۱۲۵ تاریخ ہند و پاکستان مطبوعہ ملٹو بریڈلے، کمپنی نیو یارک سنہ ۱۹۵۲ء

امپیریل لیجسلیٹو کونسل (شاہی مقننہ) رکھا گیا۔ اس کونسل میں ساٹھ نشستیں رکھی گئیں جن میں ۲۵ نامزد اراکین کے لئے اور ۲۵ منتخب اراکین کے لئے کونسل میں مسلمانوں کی نمائندگی کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ اس طرح پہلی مرتبہ ہندوستان کے منتخب عوامی نمائندوں کو یہ آزادی حاصل ہوئی کہ وہ اپنے ملک کی حکومت پر تنقید اور اس کی بہتری اور ترقی کے لئے تجاویز پیش کر سکیں۔[1]

دسمبر ۱۹۰۹ء میں بمبئی پریسیڈنسی سے سپریم امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے لئے مسلمانوں کی ایک نشست پر محمد علی جناح بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اس انتخاب کی روئیداد کچھ یوں تھی: کونسل میں بمبئی سے مسلمانوں کی ایک نشست کیلئے دو امیدوار کھڑے ہوئے۔ یہ دونوں امیدوار یہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے انتخابات کا فیصلہ یک طرفہ ہو جائے۔ اس سے صورتحال اور پیچیدہ ہو گئی اور چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد طے کیا گیا کہ کونسل کی نشست کیلئے ایک تیسرا شخص کھڑا کیا جائے جو مسلمانوں کی کونسل میں احسن طریق پر نمائندگی کا اہل ہو۔ قرعۂ فال محمد علی جناح کے نام آیا اور دونوں حریف اس نام پر متفق ہو گئے۔[2]

اسی سال لندن میں مسلمانانِ ہند کے غمخوار اور اُن کی سیاسی برتری کیلئے جدوجہد کرنے والے عظیم رہنما اور مفکر سید امیر علی ۲۳ نومبر کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

محمد علی جناح اس سال کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں اپنی عدالتی اور انتخابی مصروفیات کی بنا پر شرکت نہیں کر سکے۔ یہ اجلاس پنڈت مدن موہن مالویہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔

---

[1] ہیکٹر بولائتھو۔ ص۵

[2] مطلوب سید۔ ص۲۷

سنہ ۱۹۱۰ء

امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا افتتاحی اجلاس ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو کلکتہ میں منعقد ہوا جس میں تمام اراکین نے حلف اٹھایا۔ اس کونسل میں محمد علی جناح کے ابتدائی محسن مسٹر میکفرسن بھی بحیثیت سکریٹری برائے امور قانون شریک تھے۔ کونسل کے پرشکوہ اجلاس میں محمد علی جناح کی حیثیت ایک سہمے ہوئے نیدی کی نہیں تھی بلکہ اب وہ ایک طرار، کن اور متاثر کن مقرر تھے۔[1] جنوبی افریقہ کے ہندوستانی عوام کے بارے میں کونسل کے دوسرے اجلاس میں ایک بل پر مباحثہ کے دوران ڈوائسرائے لارڈ منٹو سے ٹکرا بیٹھے۔ حکومت کے لئے بل پر تقریر کرتے ہوئے نہایت سخت الفاظ استعمال کئے اس پر لارڈ منٹو نے مداخلت کی اور کہا کہ وہ شقاوت کے بدلے کوئی اور لفظ استعمال کریں۔ محمد علی جناح نے برجستہ جواب دیا کہ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کروں لیکن میں ایوان کے آداب اور وقار سے بہتر طور پر واقف ہوں۔[2]

اس سال دسمبر میں محمد علی جناح آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ۲۶ ویں سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے الہ آباد گئے۔ اس اجلاس کی صدارت سر ولیم ویڈربرن کر رہے تھے۔ محمد علی جناح نے الہ آباد قیام کے دوران موتی لال نہرو سے مختلف امور پر تبادلۂ خیال کیا جو کانگریس کے مندوبین کی میزبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس اجلاس میں سر ولیم ویڈربرن نے ہندوستانی کے عوام کے درمیان کشیدگی کے پیش نظر ہندو مسلم اتحاد کی کانفرنس کی تجویز پیش کی جس کی چند انتہاپسندوں نے شدت سے مخالفت کرتے ہوئے فوری طور پر ایک

---

[1] ہیکٹر بولائتھو۔ صــ ۶۷

[2] مطلوب سید صــ ۲۹۔

تنظیم آل انڈیا ہندو مہا سبھا بنائی جس کا مقصد اس اتحاد کانفرنس کے فیصلوں کو غیر موثر بنانا تھا۔ [1]

اس سال ۶ مئی ۱۹۱۰ء کو شاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال ہو گیا اور شاہ جارج پنجم برطانوی تاجدار قرار پائے۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے اواخر میں لارڈ منٹو کی جگہ لارڈ ہارڈنگ کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا تیسرا اجلاس سنہ ۱۹۱۰ء کے آغاز پر دہلی میں منعقد ہوا۔ سر آغا خان نے صدارت کی اس اجلاس میں بھی مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ہر شعبہ میں مسلمانوں کو ان کے تناسب آبادی کے مطابق ملازمتیں دی جائیں۔ اس اجلاس میں ایک بار پھر ٹرانسوال میں اہل ہند کی امداد کے لئے قرارداد پاس کی گئی۔ اس اجلاس کا قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ میجر حسن بلگرامی کے بجائے مولوی عزیز مرزا کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سکریٹری منتخب کیا گیا اسی سال یعنی سنہ ۱۹۱۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا مرکزی دفتر جو اب تک علی گڑھ میں تھا۔ وہاں سے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا۔

اسی سال یعنی سنہ ۱۹۱۰ء کے آخر میں مسلم لیگ کا پانچواں اجلاس منعقد ہوا اب کی بار اجلاس کے لئے مرکزی صوبہ کے مرکزی شہر ناگپور کو منتخب کیا گیا۔ لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر نبی اللہ بیگ نے اجلاس کی صدارت کی اس اجلاس میں مسلم لیگ نے انگریزی حکومت کی نیاز مندانہ پالیسی کو خیرباد کہہ کر کچھ ایسے اقدامات کئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مسلم لیگ بدلتے ہوئے حالات پر پوری طرح نگاہ رکھتی ہے۔ وہ مسلمانوں کے حقوق کے لئے پوری جرأت سے میدان میں آگئی تھی چنانچہ مسلم لیگ کا یہ پہلا اجلاس تھا جس میں صدر جلسہ کی طرف سے حکومت کی جنگی پالیسی پر سخت نکتہ چینی کی گئی۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سرحدی فوج کی تعداد میں کمی کی جائے۔ اور جنگی اخراجات میں بھی کمی کی جائے۔ تاکہ یہ روپیہ اہل ملک کی فلاح و بہبود پر صرف کیا جا سکے۔ اس اجلاس میں صدر جلسہ سید نبی اللہ نے سول سروس کے انگریز افسروں پر الزام لگایا کہ یہ لوگ ملک کی سیاسی فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ اور

[1] بی آر نندا۔ صفحہ ۱۱۲

ہندوستان کے مختلف فرقوں میں منافرت پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی اجلاس میں ہندو مسلم اتحاد کے متعلق بھی ایک قرارداد منظور کی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ ہندو مسلم رہنما ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اختلافات دور کرنے کی کوشش کریں۔ [1]

---

[1] ۔ پیام شاہجہاں پوری ص ۱۵۹

سنہ ۱۹۱۱ء

آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس میں ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں پیش کردہ تجاویز نے محمد علی جناح کو بڑا حوصلہ فراہم کیا کیونکہ بحیثیت مسلمان وہ مسلمانوں کی کمزور سیاسی حیثیت اور اُن کی حق تلفیوں کو پوری طرح نہ صرف محسوس کرتے تھے بلکہ وہ ان پر اظہار تاسف بھی کرتے رہتے تھے۔ شاید یہی وہ جذبہ تھے جس نے ان کو روز اوّل سے کانگریس کے اُس گروپ سے وابستہ کر رکھا تھا۔ جو اعتدال پسند تھا اور ہندوستان کے ان دو بڑے مذہبی گروہوں کے درمیان کسی قسم کی شدید کشیدگی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ سپریم امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں منتخب ہونے کے بعد محمد علی جناح کی مصروفیتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بحیثیت رکن اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے درمیان وراثت اور وقف کے سلسلے میں بڑی بے چینی پائی جاتی تھی۔ کیونکہ انگریزی قوانین اور مسلم قوانین میں زمین آسمان کا فرق تھا اور مسلمان چاہتے تھے کہ اُن کی وراثت کا مسئلہ اسلامی قوانین کے مطابق ہو نہ کہ انگریزی قوانین کی رو سے چنانچہ اس سلسلے میں ہندوستان کے علماء کے علاوہ مسلم رہنما بھی جدوجہد کر رہے تھے۔ وراثت کے مسئلہ میں علماء کئی فتوے بھی دے چکے تھے جن میں مسلمانوں کو انگریزی قوانین کی گمراہیوں سے آگاہ کیا گیا تھا۔ محمد علی جناح نے بحیثیت رکن کونسل میں پہلا بل اسی مسئلہ پر پیش کیا۔

۱۷ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو جب کونسل کا اجلاس شروع ہوا تو محمد علی جناح نے مسلم اوقاف اور وقف الاولاد کو قانونی حیثیت دینے کے بارے میں بل کا مسودہ کونسل میں پیش کیا۔ اس

بل کو پیش کرنے سے قبل انہوں نے ایک مدلل تقریر کی جس میں انہوں نے بل کو پیش کرنے
کے پس منظر کی وضاحت کی اور ابوالفتح محمد اسحٰق بنام رسامیہ دھر چودھری کے مقدمے کے سلسلے میں جو
۱۸۹۴ء میں پریوی کونسل میں پیش ہوا تھا. کونسل کے فیصلہ سے پیدا شدہ صورتحال کا تذکرہ
کیا اور کہا کہ اس فیصلے کے بعد مسلمانوں میں وقف کی موجودہ صورتحال کے بارے میں بڑا اشتعال
پایا جاتا ہے. انہوں نے کونسل کے سامنے اس مسئلہ پر حکومت اور اپنے درمیان ہونے
والی خط وکتابت کا بھی حوالہ دیا اور کہا کہ حکومت کے اس یقین دہانی پر کہ مسلمانوں کی جانب
سے احتجاجی تجاویز کے بعد یہ مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے میں نے بڑے پیمانے پر مسلم رہنماؤں سے
تبادلہ خیال کیا ہے. اس سلسلے میں مسلم لیگ نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کی ترجمانی
کرتی ہے اپنے حالیہ اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں وقف کا قانون بنانے کا مطالبہ
کیا گیا ہے مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں پر مشتمل ایک جماعت جس کا نام ندوۃ العلماء ہے
اس نے بھی اس سلسلے میں ایک یادداشت حکومت کو ارسال کی ہے. مجھے یہ علم نہیں
کہ وہ یادداشت حکومت کو موصول ہوئی ہے یا نہیں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ اس قرارداد
پر انہوں نے پورے ملک سے ہزاروں مسلمانوں سے دستخط حاصل کئے ہیں. اور مجھے یقین
ہے کہ یہ یادداشت حکومت کو بھیجی گئی ہے. اس یادداشت کی ایک کاپی مجھے بھی عظیم عالم
مولوی شبلی نے ارسال کی ہے. جن کا مسلمانوں کے طبقہ پر کافی اثر ورسوخ ہے اور
ان کی رائے کو مسلمانوں میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے. اس یادداشت میں اوقاف کے
بارے میں مسلمانوں کے جذبات درج کئے گئے ہیں جو میں کونسل کے سامنے پڑھ کر سناتا
ہوں. گذشتہ چند سالوں سے مسلمانوں کے درمیان اوقاف کے مسئلے پر شدید بے چینی پائی
جاتی ہے اور وہ اس بے چینی کا مختلف صورتوں میں اظہار بھی کر چکے ہیں. مسلم لیگ اور محمڈن
کانفرنس کے جلسوں کے علاوہ مذہبی اور سماجی نوعیت کی مختلف تنظیمیں اس سلسلہ میں اپنے
اجلاسوں میں قراردادیں منظور کر چکی ہیں. جن میں حکومت ہند کی توجہ اس جانب مبذول

کرائی گئی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں قانون بنائے۔ کلکتہ کے ایک ممتاز وکیل خان بہادر مولوی محمد یوسف بھی کچھ عرصے قبل حکومت ہند کو ایک پمفلٹ ارسال کر چکے ہیں۔ عزت مآب سید امیر علی بھی اس موضوع پر واضح طور پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور سکریٹری آف اسٹیٹ کی انڈیا کونسل کے رکن سید حسین بلگرامی نے بھی اس موضوع پر لارڈ مارلے سے گفتگو کی ہے تاکہ اس ضمن میں کوئی واضح کارروائی کی جا سکے۔"

محمد علی جناح نے اپنی تقریر کے دوران پریوی کونسل کے فیصلے پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں مداخلت بے جا ہے اور اس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ انہوں نے بل کی وضاحت کرتے ہوئے متعدد حوالے پیش کیے جن سے بل میں پیشکردہ موقف کی تائید ہوتی تھی۔ محمد علی جناح نے اپنی طویل ترین تقریر کے دوران حکومت اور کونسل پر زور دیا کہ وہ اُن کے پیش کردہ بل پر سنجیدگی سے غور کر کے اس سلسلے میں قانون بنائیں
قائداعظم کی یہ تقریر ۴۰۸۹ الفاظ پر مشتمل تھی [1]

گذشتہ چند سالوں کے دوران محکوم ہندوستان کے عوام میں بڑا اعتماد بحال ہو گیا تھا اور وہ ملک کی ترقی اور آزادی کی جدوجہد کو تیز کرنے کے لئے یہ ضرور سمجھنے لگے تھے کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان موجود باہمی افتراق کو دور کر دیا جائے۔ اس مقصد کے تحت ۱۹۱۱ء میں ایک اتحاد کانفرنس الہ آباد میں منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں تقریباً ایک سو ہندو مسلم رہنماؤں نے شرکت کی۔ شرکاء میں قابل ذکر ہندو رہنما یہ تھے۔ سریندر ناتھ بینرجی، گوپال کرشنا گوکھلے، سر سندر لال، پنڈت موتی لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالویہ، سر تیج بہادر سپرو، لارڈ سنہا، مہاراج دربھنگہ۔ قابل ذکر مسلمان رہنماؤں میں سر سلطان محمد آغا خان، نواب وقار الملک، سر ابراہیم رحمت اللہ، محمد علی جناح، حسن امام، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، شفیع احمد بار ایٹ لاء اور مولوی رفیع الدین احمد۔

اس اتحاد کانفرنس میں ایک کمیٹی بنائی گئی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ ہندو اور مسلمانوں

---

[1] رفیق افضل صفحہ ۱۱۱ اسپیچز اینڈ اسٹیٹمنٹس آف قائداعظم جامعہ پنجاب لاہور ۱۹۶۶ء

میں اتحاد کرائے۔ مقدمہ بازیوں کو کم کرے اور ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے بائیکاٹ سے روکے اردو اور ہندی کے جھگڑے کو ختم کرے میونسپل کمیٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا خیال رکھے سود کی شرح کم کرائے۔ رہن رکھی ہوئی جائیدادوں کی جبریہ فروخت کو بند کرے۔ آریہ سماج کو اشتعال انگیزی سے روکے گائے اور باجے کے جھگڑوں کو روکے اور باہمی اخوت کی فضا پیدا کرے۔ یہ اتحاد کانفرنس نہایت ہی بلند مقاصد لیکر میدان میں آئی تھی۔ لیکن وہ فرقہ پرست لیڈر جو کسی قیمت پر بھی اتحاد کے لئے رضامند نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی اشتعال انگیزی سے چند ماہ کے اندر اندر اتحاد کی ساری کوششوں کو ختم کر دیا۔ [۱]

اتحاد کانفرنس کے چند ماہ بعد دہلی میں شاہ جارج پنجم کی تاجپوشی کا تاریخی دربار ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہوا۔ اس دربار میں شاہ جارج پنجم اور ملکہ میری نے خود شرکت کی بادشاہ کے دربار کے موقع پر اعلان کیا کہ آئندہ کلکتہ کے بجائے دہلی ہندوستان کا دارالسلطنت ہوگا۔ بادشاہ نے اسی دربار میں تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کیا۔ اور دونوں حصوں کو متحد کر کے بنگال ہندوؤں کی اجارہ داری پھر سے قائم کر دی۔ اس اعلان سے نہ صرف بنگال بلکہ پورے ہندوستان کے ہندوؤں کے گھروں میں خوشی کے چراغ جلائے گئے مگر مسلمانوں کے گھروں میں بنگال سے پشاور اور ہمالیہ کی ترائی سے راس کماری تک صف ماتم بچھ گئی۔ مسلمانوں نے اپنے جذبات کا اظہار احتجاجی جلسوں کی شکل میں شروع کر دیا اور اس اعلان کو مسلمانوں کے ساتھ ظلم قرار دیا۔

اس سال دسمبر کے آخر میں کانگریس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں مسٹر بی این ڈار کی صدارت میں ہوا جس میں تقسیم بنگال کے فیصلہ کی منسوخی پر کانگریس نے شاہ جارج پنجم کا شکریہ ادا کیا اور ہندوؤں کی جانب سے تعاون کا یقین دلایا۔ اس سال مسلم لیگ کا اجلاس منعقد نہیں ہو سکا۔ البتہ صوبائی شاخوں کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔

---

[۱] سید محفوظ علی بدایونی صفحہ ۱۱۰ ۔علی برادران مطبوعہ محمد علی جوہر اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء

محمد علی جوہر جو سرکاری ملازمت سے ۱۹۰۶ء میں مستعفی ہونے کے بعد سیاست میں لگ گئے تھے۔ اب ایک سیاسی وقائع نگار کی حیثیت سے ابھر رہے تھے۔ انہوں نے علی گڑھ میں قیام کے دوران کئی مضامین لکھے جن میں امور حکومت پر بحث کی گئی تھی۔ ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کو انہوں نے کلکتہ سے اپنا انگریزی اخبار کامریڈ جاری کیا جو بہت جلد ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مقبول ہوگیا۔ ؎۱

؎۱ ۔ سید محفوظ علی بدایونی ص ۱۱ ۔ علی برادران مطبوعہ محمد علی جوہر اکیڈمی لاہور سنہ ۱۹۶۳ء

سنہ ۱۹۱۲ء

محمد علی جناح نے اس سال امپیریل کونسل کے مباحثوں میں بڑی کثرت سے حصہ لیا اور مارچ میں بابو بھوپندر ناتھ باسو کی جانب سے پیش کردہ پولیس کے نظم و نسق سے متعلق ایک ترمیمی بل پر تقریر کی۔ ان کی یہ مختصر مگر جامع تقریر ہر لحاظ سے ان کے تدبر، خلوص اور فہم و فراست کی آئینہ دار تھی! انہوں نے واضح الفاظ میں کہا کہ اس بل پر بحث کرتے ہوئے وہ کسی اختلافی بکھیڑے میں الجھنا نہیں چاہتے اس بل کو نسلی، قومی اور ذاتی کردار سے ہٹ کر ایک انسانی اور عوامی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ پولیس کے نظم و نسق میں موجود خامیوں کی مسٹر باسو نے بل میں جو طویل فہرست پیش کی ہے وہ اپنی جگہ درست ہے کیونکہ میرے سامنے اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جناح نے اس موقع پر کونسل کے سامنے اقبالِ جرم کے قانون سے متعلق بمبئی اور مدراس کے ہائی کورٹ میں زیرِ بحث دو مقدمات کا حوالہ بھی دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ اس سلسلے میں ایک کمیشن کے ذریعے تحقیقات کرائی جائے۔[1]

۱۹ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء کو مسٹر گوکھلے نے کونسل میں ابتدائی تعلیم کی سہولتوں میں اضافے سے متعلق ایک بل پیش کیا جو سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا جس پر اپریل میں بحث شروع ہوئی۔ محمد علی جناح نے بل کی کھل کر حمایت کی اور ان اعتراضات کا بڑا مدلل جواب دیا جو مخالفین نے اٹھائے تھے اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ کونسل کے چند اراکین بل پر بے مقصد تنقید کی ہے جبکہ یہ بل پورے ملک کے عوام کی بنیادی ضرورت سے متعلق ہے اور اس کا تعلق نہ اکثریت سے ہے نہ اقلیت سے کیونکہ تعلیم حاصل کرنا ہر ملک کے ہر شہری کا بنیادی حق ہے انہوں نے کہا

[1] مطلوب سید۔ ص ۲۹

کہ مجھے یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ میرے ملک کی عظیم اکثریت نے جس میں ہندو اور مسلمان شامل ہیں۔ انہوں نے اس بل کی حمایت کی ہے۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر کے دوران بل پیش کرنے پر مسٹر گوکھلے کو مبارکباد دی اور کہا کہ وہ تعلیم کو عام کرنے کے سلسلے میں جن خطوط پر کام کر رہے ہیں وہ لائق تحسین ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ ہندوستان کو ایسے مزید سپوت میسر آئیں۔ انہوں نے سر ہارکورٹ بٹلر کی تقریر پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں اس بات سے قطعیٰ انکار نہیں کروں گا کہ ڈیڑھ سو سالہ دورِ حکمرانی میں گذشتہ چند سالوں کے دوران حکومت نے تعلیم کو عام کرنے کے سلسلے میں بڑی قابل قدر کوششیں کیں ہیں اور اس ضمن میں دہلی دربار میں شاہ کی جانب سے ابتدائی تعلیم کے لئے ۵۰ لاکھ روپے کی منظوری بھی قابلِ تحسین ہے لیکن ہم حکومت کے اس سلسلے میں طریقہ کار اور ذرائع سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہم اس بات پر متفق نہیں کہ تعلیمی شعبہ میں کارکردگی کی رفتار بہت سست ہے اور اس کو تیز تر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر قسم کی تفریق کو ختم کر دیا جائے۔ محمد علی جناح نے کونسل کے ایک رکن نواب عبدالمجید کا تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے الزام لگایا ہے کہ اس بل کی حمایت ہمارے درمیان موجود سوشلسٹ عناصر کر رہے ہیں اور وہ ہڑتال چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس بل میں کسی قسم کا سیاسی خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ تعلیم حاصل کر کے عوام مظاہرین بن جائیں گے۔ محمد علی جناح نے کہا کہ میں حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ تعلیم کے حصول کا قطعی یہ مقصد نہیں کہ سرکشی پر کمر باندھی جائے لیکن حکومت پر بامقصد تنقید کرنا ملک کے ہر فرد کا بنیادی حق ہے محمد علی جناح نے کہا کہ ہر مہذب حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کی تعلیم کا مناسب انتظام کرے اور اگر اس فرض کو پورا کرنے کے لئے اُسے کچھ لوگوں کو ناخوش کرنا پڑے یا کوئی خطرہ بھی مول لینا پڑے تو اُسے جرأت اور استقلال سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔[1] قائداعظم محمد علی جناح اور گوپال کرشن گوکھلے کا نعرہ عام ابتدائی تعلیم تھا۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ ملک کے کروڑوں ان پڑھ عوام کے بچوں کے لئے ابتدائی تعلیم لازمی ہو اور ان کے

---

[1] رفیق افضل ص ۱۲-۱۹

نے مدرسے کافی تعداد میں قائم کئے جائیں جن کا خرچ حکومت اٹھائے اور انتظام بھی حکومت کرے۔ وہ اس سلسلے میں ملک کے چند مخیر حضرات کی مدد کے طالب تھے بلکہ عام ابتدائی تعلیم کے لئے معقول سرکاری امداد کے خواہاں تھے جناح نے گوکھلے کے پیش کردہ بل پر تفصیل کے ساتھ بحث کی۔ اور مخالفوں کے ہر اعتراض کا جواب سنجیدہ کار وکیل کی سی مہارت سے دیا۔[1] محمد علی جناح کی یہ تقریر ۲۹۲۷ الفاظ پر مشتمل تھی۔ تقسیم بنگال کی منسوخی کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بمقام کلکتہ منعقدہ ۴ مارچ ۱۹۱۲ء میں اس فیصلے کی شدید مذمت کی گئی۔ نواب سلیم اللہ خاں نے جو اس جلسے کی صدارت کر رہے تھے۔ اپنی تقریر میں کہا کہ ہمارے بدخواہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تقسیم بنگال سے لازمی طور پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے پامال شدہ حقوق نمایاں حیثیت اختیار کر لیں گے۔ بحیثیت اجارہ دار تقسیم کے خلاف ہمارے مخالفوں کا ہنگامہ ایک فطری امر تھا۔ اس ہنگامے میں انہوں نے متشددانہ رویہ اختیار کیا۔ اخبارات میں باغیانہ مضامین تحریر کئے۔ برطانوی مال کے بائیکاٹ کا حربہ استعمال کیا گیا۔ اور برطانوی اقتدار کو یہ بات باور کرا دی گئی کہ یہ تقسیم غیر منصفانہ ہے جبکہ یہ حقیقت پسندانہ فیصلہ تھا۔ اور اس سے ہمارے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ملی تھی۔

تقسیم بنگال کی منسوخی پر نواب وقار الملک نے بھی شدید احتجاج کیا اور علی گڑھ کے مسلم گزٹ میں ایک طویل مضمون اس مسئلہ پر سپرد قلم کیا جس سے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی ہوتی تھی۔

اسی سال مولانا شبلی نعمانی نے مسلم گزٹ کے نام سے لکھنؤ سے شائع ہونے والے ایک اخبار میں سیاسی نوعیت کے مضامین تحریر کئے ان میں سب سے اہم مضمون مسلمانوں کی سیاسی کروٹ تھا جو اس قدر مدلل اور پرجوش تھا کہ بقول علامہ سید سلیمان ندوی اس نے مسلمانوں کی سیاست کا رخ شملہ سے قبلہ کی طرف پھیر دیا۔[2]

---

[1] ہیکٹر بولائتھو ص ۵۰۔

[2] سید صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۲۴ اقتباس از مضمون مولانا شبلی نعمانی رسالہ نقوش لاہور شخصیات نمبر طبع دوم ۱۹۵۲ء

۱۹۱۲ء کے وسط میں محمد علی جناح نے کلکتہ میں مسلم رہناؤں کی ایک کانفرنس میں شرکت کی جس میں تقسیم بنگال کی (۱۹۰۶ - ۱۹۱۱) منسوخی پر برہمی کا اظہار کیا گیا۔ اسی سال دسمبر میں آپ بانکی پور میں مسلم لیگ کی کونسل کے اجلاس میں مسلم رہناؤں کی دعوت پر شریک ہوئے۔ اس اجلاس کی صدارت سر سلطان محمد آغا خان کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کے کسی اجلاس میں محمد علی جناح کی یہ پہلی شرکت تھی۔ [1]

اجلاس میں سلف گورنمنٹ کے قیام کے بارے میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ اور مسلم لیگ کے نصب العین میں ترمیم پر بحث ہوئی۔ بحث کے دوران جب نواب وقار الملک نے کہا کہ ابھی خود مختاری کے مطالبہ کا وقت نہیں آیا ہے تو محمد علی جناح نے اس مطالبہ پر حمایت کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے ابھی اس مطالبہ کا وقت نہیں آیا ہے اور ہم یہ کبھی نہیں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کل صبح ہی خود مختاری مل جائے اس ترمیم کی صورت تو ایک آئیڈیل کی ہے جو قوم کے سامنے رہنا چاہیئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک صدی میں یہ خود مختاری حاصل ہو جائے۔ [2]

محمد علی جناح نے لیگ کے آئین میں مجوزہ تبدیلیوں کی حمایت کی کیونکہ اسی طرح سے کانگریس اور لیگ کے مقاصد میں ہم آہنگی پیدا ہو سکتی تھی۔ لیگ کے اس اجلاس میں شرکت کے باوجود محمد علی جناح کی معروفیات کانگریسی حلقوں اور امپیریل لیجسلیٹو کونسل تک محدود رہیں۔ [3]

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سال ۱۳ جولائی کو اخبار الہلال کلکتہ سے جاری کیا اسی سال مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کے لئے اپنے اخبار زمیندار لاہور کو ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۲ء سے روزنامہ کر دیا۔

اس سال کانگریس کا اجلاس بھی بانکی پور پٹنہ میں مسٹر آر این مدھولکر کی صدارت میں ہوا۔ جس میں محمد علی جناح نے شرکت کی۔

---

[1] ہیکٹر بولائتھو۔ صفحہ ۵۲

[2] زیڈ اے سلیری اقتباس از مضمون قائداعظم کا مشن مطبوعہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء روزنامہ جنگ کراچی

[3] ہیکٹر بولائتھو صفحہ ۶۹

۱۹۱۳ء

امپریل لیجسلیٹو کونسل کی تین سالہ رکنیت کے دوران محمد علی جناح نے جس سوجھ بوجھ اور ذہانت کا ثبوت دیا اس سے ہندوستان کا وائسرائے خاصا متاثر ہوا تھا ۱۹۱۳ء کے اوائل میں جب کونسل کے دوبارہ انتخابات شروع ہوئے تو وائسرائے نے محمد علی جناح کی سابقہ کارکردگی کے پیش نظر انکو دوبارہ کونسل کا رکن نامزد کردیا۔ وائسرائے کا یہ انتخاب اکثر لوگوں کو ناگوار بھی گزرا۔ لیکن اب محمد علی جناح کی حیثیت ایک ہردلعزیز رہنما کی تھی چنانچہ ان کے خلاف کسی قسم کی بدگوئی اظہار حسد کے مترادف تھی۔ اس لئے معترضین نے زبانیں بند رکھیں۔ بہار میں جب کونسل کا سیشن شروع ہوا۔ تو محمد علی جناح نے کئی اہم مباحثوں میں حصہ لیا۔ مارچ میں اقرار جرم سے متعلق ایک بل پر بحث کی۔ اور پھر مسلم اوقاف اور وقف الاولاد کے بل کی سلیکٹ کمیٹی سے واپسی پر شاندار تقریر کی۔ اور ایسی قابلیت سے اسے منظور کرایا کہ سب نے اس کی تعریف کی۔ کسی غیر سرکاری رکن کی جانب سے کونسل میں یہ پہلا مسودۂ قانون تھا جو منظور کیا گیا۔ یہ محمد علی جناح کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ بلکہ برصغیر کے مسلمانوں پر ایک احسانِ عظیم تھا۔ اس لئے ہر طرف سے محمد علی جناح کو مبارکباد موصول ہونے لگی۔[1]

دسمبر ۱۹۱۲ء میں مولانا شبلی نعمانی اپنی ضعیفی اور اپنی مشہور زمانہ کتاب سیرت النبی کی تکمیل کے سلسلے میں لکھنؤ سے بمبئی آگئے تھے۔ اور ان دنوں بمبئی میں ہی مقیم تھے مسلم اوقاف اور وقف الاولاد کے مسئلہ پر آپ نے ہی سب سے پہلے تحریک شروع کی تھی اور

[1] حسن ریاض ص ۶۹

اس سلسلہ میں ایک یادداشت حکومت کو ارسال کی تھی، جس پر ہندوستان کے تمام علماء کے دستخط موجود تھے۔ اس یادداشت کی ایک کاپی مولانا شبلی نعمانی نے بحیثیت کونسل کے ایک مسلمان رکن محمد علی جناح کو بھی جو ارسال کی تھی۔ جس کا محمد علی جناح نے کونسل میں بل کو پیش کرتے ہوئے اپنی تقریر میں بھی حوالہ دیا تھا۔ قرین قیاس ہے کہ بل کی منظوری پر مولانا شبلی نعمانی اور محمد علی جناح کی جو کونسل کے افتتاح پر بمبئی آ گئے تھے ضرور ملاقات ہوئی ہوگی کیونکہ یہ ایک مشترکہ مشن تھا جو دونوں کے لئے مسرت اور خوشی کا باعث ثابت ہوا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی نے بمبئی میں قیام کے دوران ہی ۱۹۱۳ء جولائی میں ندوۃ العلماء کی معتمدی سے استعفیٰ دیا تھا۔

کونسل کی رکنیت کے دوران مسائل کا تجزیہ کرنے کی بے پناہ صلاحیتوں اور قانون کے ادراک کے بارے میں محمد علی جناح کے معاصروں نے ہمیشہ انکی تعریف کی۔ انہوں نے قانون فوجداری کے ترمیمی بل پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میرے خیال کے کسی فرد کی جانب سے ایسی کوئی کوشش جس سے حکومت کے اختیار پر حرف آتا ہو۔ یا امن وامان کی بحالی متاثر ہوتی ہو قابل مذمت اور سزا کی موجب ہے۔ جو شخص اس قسم کی خواہش رکھتا ہے وہ میرے ملک اور میرے ملک کے عوام کا بدترین دشمن ہے۔

محمد علی جناح کا خیال تھا کہ ہندوستان کی سلامتی اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ حکمران اور محکوم طبقے کے درمیان دوستانہ تعلقات ہوں۔ تاکہ ایک خوشگوار فضا بحال ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ ہندوستان اپنی آزادی کے حق سے دست بردار ہو جائے۔ وہ افہام وتفہیم کے ذریعے باہمی میل جول اور اخوت کو فروغ دینا چاہتے تھے۔[1]

۱۹۱۳ء میں جہاں ہندوستان میں سیاسی بیداری تیزی سے پیدا ہو رہی تھی وہاں بعض ایسے عالمی نوعیت کے واقعات بھی رونما ہو چکے تھے جنہوں نے خصوصاً برصغیر

---

[1] مطلوب سید۔ صفحہ ۳۲۔

کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر دوڑادی تھی ۔ بلقان کی ریاستوں نے سلطنت عثمانیہ کے اثر ورسوخ سے نکلنے کے لئے کوششیں شروع کردی تھیں ۔ اوران کی پشت پناہی برطانیہ اور روس کر رہا تھا ۔ اس سے برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات بہت مشتعل تھے ۔ اور نتیجتاً ہندوستان سے ایک طبی مشن ڈاکٹر انصاری کی قیادت میں ۱۹۱۲ کے اواخر میں ترکی روانہ ہوچکا تھا ۔ ادھر کانگریس کا اثر ورسوخ بڑھ رہا تھا ۔ جس کے پیش نظر مسلمان قائدین اس فکر میں غلطاں تھے کہ مسلمانوں کی بھی ایک مؤثر تنظیم ہونا چاہیئے جو ہندوؤں کی کارروائیوں کا مؤثر جواب دے سکے ۔ اُن کی اس مقصد کے لئے بڑی خواہش یہ تھی کہ مسلم لیگ کو منظم کیا جائے ۔ اور اس میں ایسے افراد کو شامل کیا جائے جو اس وقت انفرادی طور پر ہندوستان کی خود مختاری اور عوام کے حقوق کے لئے کام کر رہے ہیں ۔ کانگریس میں محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر زور دے رہے تھے چنانچہ مسٹر گوکھلے نے جو ہندو رہنماؤں میں سب سے زیادہ سمجھدار تھے بڑے شاندار الفاظ میں اعتراف کیا اور کہا کہ محمد علی جناح دو اقوام کے مابین درمیانی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اور ان کو بجا طور پر اتحاد کا پیغامبر کہا جاتا ہے ۔

۱۹۱۳ء کے شروع میں محمد علی جناح اور گوپال کرشنا گوکھلے نے چھٹیاں گذارنے کی غرض سے انگلستان جانے کا پروگرام بنایا ۔ اور اپریل میں بحری جہاز کے ذریعے دونوں رہنما انگلستان روانہ ہوگئے ۔ محمد علی جناح کے اس سفر سے متعلق کوئی تفصیلات نہیں ملتی ہیں اور نہ ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ ان رہنماؤں نے کہاں قیام کیا ۔ اس زمانے میں لندن میں مقیم ہندوستانی رہنماؤں کے روزنامچوں اور خطوط میں بھی محمد علی جناح کے بارے میں کوئی تفصیل موجود نہیں ہے ۔ لیکن بعض اہم واقعات کا تذکرہ جزوی طور پر کتابوں میں موجود ہے ۔ بظاہر تو یہ رہنما آرام کی غرض سے انگلستان گئے تھے لیکن زلف سیاست کے اسیر اور خوشحالی ملت کے خواہاں دونوں رہنماؤں کو یہاں بھی سکون وچین نصیب نہ ہوا ۔

محمد علی جناح نے لندن میں قیام کے دوران دو اہم کام انجام دیتے ایک تو انہوں نے لندن میں انڈین ایسوسی ایشن کی از سرِ نو تنظیم میں ایسوسی ایشن کی ایگزیکٹو کمیٹی سے تعاون کرکے اسے فعال تنظیم بنایا۔ دوسرے لندن سے واپسی سے قبل مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرلی۔ جسے وہ کئی بار مسترد کر چکے تھے۔ ؎۱

۱۸۹۲ء میں جب پہلی مرتبہ محمد علی جناح انگلستان آئے تھے۔ اُس وقت یہاں پر ہندوستانی طلبہ کی اتنی اکثریت نہیں تھی جتنی کہ اب ہوگئی تھی۔ یہاں پر مغربی تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ان ہندوستانی نوجوانوں میں بڑی سوجھ بوجھ اور سیاسی شعور پیدا ہوگیا تھا۔ اور وہ اپنی تعلیم کے ساتھ ہندوستان کی سیاسی صورتحال میں بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ محمد علی جناح نے ان نوجوانوں کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انڈین ایسوسی ایشن کی از سرِ نو تنظیم پر توجہ دی جو ۱۹۱۲ء میں قائم ہو چکی تھی۔ انہوں نے ۲۸ جون کو لندن کے کیکسٹن ہال میں کئی سو ہندوستانی طلبہ سے خطاب کیا اور کہا کہ :

"ہندوستانی طلبہ کی باہمی اجنبیت اور معاشرت کی سب سے بڑی وجہ ذات پات کی لعنت ہے۔ انجمن کے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستانی طلباء میں علیحدگی کے جذبے کو ختم کرے جس کی وجہ سے وہ انگریزی تعلیم سے مکمل فیض حاصل نہیں کر پا رہے ہیں۔ طلبہ کو چاہیئے کہ وہ اس تہذیب و تمدن کا مطالعہ کریں جس کی تشکیل برطانوی قوم نے صدیوں کی محنت اور جدوجہد کے بعد کی ہے۔ آپ ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ لے کر وطن واپس لوٹیں۔ طلبہ کے لئے سب سے اہم چیز تعلیم ہے۔ اور اس بعد سیاست۔ ناپختہ نوجوانوں کو سیاست سے الگ رہ کر ہی زندگی گذارنی چاہیئے۔ اور سیاست میں سخت کلامی اور مجنونانہ تصورات سے علیحدہ رہنا چاہیئے۔ ؎۲

؎۱ مطلوب سید صفحہ ۳۲۔

؎۲ ۔ اے اے رؤف صفحہ ۱۲

مولانا محمد علی جوہر نے ۲۳ر فروری سنہ ۱۹۱۳ء کو دہلی سے اخبار ہمدرد جاری کیا۔ ادھر مچھلی بازار کانپور میں ایک سڑک کی تعمیر کے سلسلے میں ۲۷ جولائی کو ایک مسجد کا کچھ حصہ شہید کر دیا گیا۔ حکومت کی اس حرکت سے پورے ہندوستان میں اشتعال پھیل گیا۔ مسلم اخبارات نے اس کارروائی پر شدید احتجاج کیا۔ اور اضطراب و بے چینی نے اس قدر زور پکڑا کہ ۳ر اگست کو مسجد میں مسلمان جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور انہوں نے مسجد کے منہدم شدہ حصے کی دوبارہ تعمیر شروع کر دی اس کارروائی کو روکنے کے لئے مقامی حکام نے پولیس طلب کرلی جس نے مجمع پر گولی چلا دی۔ اور یہ کارروائی ۱۵ منٹ تک جاری رہی اور تقریباً چھ سو راؤنڈ کارتوس استعمال کئے گئے۔ سرکاری اطلاع کے مطابق فائرنگ سے ۱۶ مسلمان شہید اور تیس سے زائد افراد زخمی ہو گئے۔ اس واقعے کی پورے ہندوستان میں بڑی شدت سے مذمت کی۔ اور جلسے و جلوس منعقد ہونا شروع ہو گئے۔ اسی اثنا میں مولانا محمد علی جوہر اور سر وزیر حسن سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ ایک وفد کی شکل میں لندن پہنچے تاکہ برطانوی تاجدار سے اس سلسلے میں اپیل کی جائے اور عوام کو اپنے موقف سے آگاہ کیا جائے۔[1]

مولانا شبلی نعمانی جو بمبئی میں مقیم تھے۔ اس واقعے سے سخت افسردہ خاطر ہوئے اور انہوں نے سانحہ کانپور پر کئی نظمیں تحریر کیں۔ جو مولانا محمد علی جوہر کے ہمدرد اخبار میں شائع ہوئیں۔ ۸ر جولائی سنہ ۱۹۱۳ء کو ہمدرد میں اُن کی جو نظم شائع ہوئی اس کا یہ شعر بہت مشہور ہوا۔

؎ پوچھا جو میں نے کون ہو تم آئی یہ صدا　　ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں۔

پھر جب گرفتار شدہ مسلمان رہا ہوئے اور ان کا کانپور میں زبردست استقبال کیا گیا تو آپ نے ایک اور نظم کہی جس میں اس سعادت سے اپنی محرومی کا تذکرہ کیا۔

؎ شہیدانِ وفا کے خون سے آتی ہیں آوازیں
کہ شبلی بمبئی میں رہ کے محروم سعادت ہے

لندن میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن نے محمد علی جناح سے رابطہ قائم کیا اور

---

[1] ۔ سر رضا علی ص ۳۰۸

محمد علی جناح نے اُن کی تحریک و ترغیب سے مسلم لیگ کی باقاعدہ رکنیت قبول کرلی۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ ہندوستان کے مشترکہ امور میں مسلم لیگ کی رکنیت مانع نہیں آئے گی۔[1]

اکتوبر کے شروع میں محمد علی جناح اور گوپال کرشن گوکھلے وطن واپس آگئے یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگر محمد علی جناح کانگریس کے مجموعی موقف سے مطمئن ہوتے تو وہ مسلم لیگ کی رکنیت قبول نہ کرتے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ کانگریس صرف ہندو عوام کی نمائندگی کی طرف مائل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کسی ایسی تنظیم سے بھی رابطہ رکھا جائے جو مسلمانوں کے موقف کی نمائندگی کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرتے وقت لندن میں ان کے رفیق اور ساتھی گوپال کرشنا گوکھلے نے بھی کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ محمد علی جناح کے ساتھ ہندوستان واپس آئے۔ اور بعد میں اُن کے ساتھ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شرکت کے لئے کراچی گئے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۱۳ء کو کراچی میں ہونے والے کانگریس کے اجلاس میں بھوپندر ناتھ باسو نے ایک قرارداد پیش کی جس میں مسلم لیگ کی سلف گورنمنٹ کے قیام سے متعلق قرارداد کا خیر مقدم کیا گیا اور کہا کہ اگر ماضی میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں تو اُن کو فراموش کرکے ہندو اور مسلمانوں کو یگانگت کی فضا بحال کرنا چاہیئے۔ یہ محمد علی جناح کی بہت بڑی کامیابی تھی جو ابتدا ہی سے وسیع تر ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں تھے۔ اس جلسے سے محمد علی جناح نے بھی خطاب کیا اور سکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل برائے انڈیا کی تشکیل اور کارگردگی پر تنقید کی۔[2] اجلاس کی صدارت نواب سید احمد کررہے تھے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۱۳ء کو مسلم لیگ کا ساتواں اجلاس بمقام آگرہ منعقد ہوا۔ سر ابراہیم رحمت اللہ اجلاس کی صدارت کررہے تھے۔ محمد علی جناح نے اس اجلاس میں تقریر کی۔ مسلم لیگ کی سرکاری روئیداد میں درج ہے کہ محمد علی جناح نے تجویز پیش کی کہ سکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل میں

---

[1] حسن ریاض صفحہ ٦٨

[2] ہیکٹر بولائتھو۔ صفحہ ٩٠

یہ تبدیلیاں کی جائیں۔ سکریٹری کی تنخواہ انگریزی تخمینے کے مطابق ہو۔ کونسل کے نصف اراکین انتخاب کے ذریعے مقرر کئے جائیں۔ نامزد اراکین میں سے نصف غیر سرکاری ہوں بقیہ نصف نامزد اراکین ایسے ہوں جو کم از کم دس سال تک ہندوستان میں ملازم رہ چکے ہوں اختیارات کے اعتبار سے کونسل مشاورتی نہ ہو بلکہ انتظامی ہو اور عہدہ کی میعاد ۵ سال سے زائد نہ ہو۔

کانگریس کے کراچی اجلاس کے بعد محمد علی جناح کے پورے ہندوستان پر دھاک بیٹھ گئی مسلم لیگ کے باضابطہ رکن کی حیثیت سے مسلم لیگ کا یہ پہلا اجلاس تھا جس میں محمد علی جناح نے شرکت کی۔[1] اسی سال سر سلطان محمد آغا خان نے مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور نواب محمد علی خان مہاراجہ محمود آباد کو مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا۔

---

[1] رئیس احمد جعفری صفحہ ۳۸ خطبات قائد اعظم۔

سنہ ۱۹۱۴ء

سنہ ۱۹۱۴ء کا سال قائداعظم کی زندگی میں نئے افق لیکر طلوع ہوا۔ کراچی میں کانگریس اور آگرہ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں اُنکی پیش کردہ تجاویز اور کونسل آف انڈیا کی اصلاح کے سلسلہ میں انکی تقاریر کا جس طرح خیر مقدم کیا گیا اُس نے محمد علی جناح کی ہمت اور حوصلوں کو نئی جہت عطا کی اور وہ ہندو مسلم اختلافات کو دور کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اسی دوران کانگریس نے کراچی اجلاس کے فیصلوں کے پیش نظر ایک وفد مرتب کیا جس کی قیادت محمد علی جناح کے سپرد کی گئی۔ اس وفد کے ذمہ یہ کام سپرد کیا گیا کہ یہ انگلستان جاکر کونسل آف انڈیا کے سلسلے میں کانگریس کا موقف برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے اس دوران محمد علی جناح کی مسلم لیگی رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں جاری رہیں۔ کانپور کی مسجد کی شہادت کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہوا تھا۔ اور مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن انگلستان کا دورہ کر کے ناکام وطن واپس پہنچ چکے تھے۔ محمد علی جناح چونکہ اصولی بنیادوں پر کام کر رہے تھے اس لئے انہوں نے ہمیشہ ایسے معاملات میں مداخلت سے گریز کیا جن کی نوعیت یکطرفہ ہو۔ وہ وسیع تر اتحاد کے داعی تھے۔ ہر چند کہ اس راہ میں دونوں جانب سے انتہا پسند افراد اُن کے مشن میں حائل تھے۔ مگر انہوں نے اپنی جدوجہد برابر جاری رکھی۔

مئی ۱۹۱۴ میں محمد علی جناح کانگریس کے وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان پہنچے۔ کونسل آف انڈیا سے متعلق بل پر برطانوی پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا میں ۲۵ مئی سے بحث شروع ہونے والی تھی جناح نے ہندوستان سے روانگی سے قبل ہی بل سے متعلق

تجاویز تیار کرلیں تھیں جنکو انہوں نے کانگریس کے اجلاس منعقدہ کراچی میں منظور بھی کرا لیا تھا۔

پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا کے اجلاس سے قبل سرولیم ویڈربرن نے ہندوستانی وفد کے اعزاز میں لندن کے ویسٹ منسٹر پیلس ہوٹل میں استقبالیہ دیا جہاں محمد علی جناح نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اراکین کے سامنے کانگریس کی تجاویز کی وضاحت کی۔ [1]

لندن پہنچنے کے بعد محمد علی جناح نے لندن ٹائمز کے نامہ نگار کو ایک انٹرویو دیا جس میں انہوں نے وفد کی آمد کے اغراض ومقاصد بیان کرتے ہوئے بڑے واضح الفاظ میں یہ بات کہی کہ کونسل آف انڈیا سے متعلق ایوان بالا میں پہلی خواندگی کے لئے پیش ہونے والے بل کے مندرجات نہایت مایوس کن ہیں اور اگر یہ بل منظور ہوگیا تو ہندوستان کے عوام کو شدید مایوسی ہوگی کیونکہ وہ بہتر اصلاحات اور خوشحال مستقبل کے خواہاں ہیں جبکہ کونسل آف انڈیا کی نوعیت مشاورتی ہے انتظامی نہیں۔ [2]

محمد علی جناح نے اپنے انٹرویو میں یہ بھی کہا کہ برٹش ایمپائر کا ہندوستان وہ تنہا ملک ہے جو حکومت کے نظام میں نمائندگی سے محروم ہے اور دنیا میں ہندوستان وہ واحد مہذب ملک ہے جہاں نمائندہ اور ذمہ دار حکومت کا وجود نہیں ہے۔ اس زمانہ میں برطانیہ شدید سیاسی خلفشار کا شکار تھا۔ ایک طرف آئرلینڈ سے بڑی ہولناک خبریں آرہی تھیں اور دوسری طرف پہلی جنگِ عظیم سر پر منڈلا رہی تھی۔ ایسے وقت میں ہندوستان کے کسی سیاسی مسئلہ کی حیثیت ثانوی ہوکر رہ گئی۔ ایوانِ بالا میں پہلی خواندگی کے لئے بل پیش ہوا محمد علی جناح نے بل کی خامیوں کی نشاندہی کی۔ اس کے بعد دوسری خواندگی کے لئے بل سامنے آیا۔ لیکن ایوانِ بالا نے اس بل کو مسترد کردیا۔ اور لارڈ ایمپٹل نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بل پر مباحثہ کیلئے یہ وقت مناسب نہیں۔ اس لئے اس پر کسی مناسب وقت میں بحث کی جائے گی۔

---

[1] ۔ ہیکٹر بولائتھو صـ۹۳۔

[2] مطلوب سید صـ۴۳

ایوانِ بالا کی کارروائی کے بعد کانگریس کا وفد بے نیل و مرام وطن واپس لوٹ آیا ہرچند کہ وفد کو اپنے مشن میں بظاہر کوئی کامیابی نہیں ہوئی لیکن محمد علی جناح کو برطانیہ کے ایوانِ بالا میں تقریر کا موقع ہاتھ آیا اور انہوں نے انگریزی اقتدار کی کھل کر خامیاں بیان کیں۔ اس کے علاوہ لندن ٹائمز میں انٹرویو شائع ہونے کی بنا پر برطانیہ کے عوام تک ہندوستان کے آئینی مسائل پہنچے۔ تو محمد علی جناح کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ مسز سروجنی نائیڈو جو ان دنوں لندن میں مقیم تھیں جب اُن کو معلوم ہوا کہ گاندھی جی ۶ اگست ۱۹۱۴ء کو لندن پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے اپنے مکان واقع ہیلس چیمبرز ویسٹ منسٹر میں گاندھی جی کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا۔ جس میں متعدد ہندو مسلم رہنماؤں کے علاوہ محمد علی جناح نے بھی شرکت کی۔[۱]

وطن واپسی کے بعد محمد علی جناح ایک مرتبہ پھر ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ جولائی ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔ اور لڑائی چاروں طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ محمد علی جناح نے محسوس کیا کہ آزادی حاصل کرنے کا یہ بہترین موقع ہے چنانچہ انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگی رہنماؤں سے مذاکرات شروع کئے۔ برطانیہ اس بحران کے دور میں ہندوستان کے عوام کی جانب سے تعاون اور حمایت کا خواہشمند تھا۔ اور محمد علی جناح کو اندازہ تھا کہ اس وقت اگر حکومت کے سامنے مطالبات رکھے جائیں تو حکومت کو مجبوراً یہ مطالبات تسلیم کرنا پڑیں گے۔[۲] مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی مسلمانوں کی خارجی سیاست میں بری طرح الجھ گئے تھے۔ اور کوئی رہنما میدانِ عمل میں ایسا موجود نہیں تھا جو مسلمانوں کو وحدت فکر عطا کر سکے یا اُن کو ایک ایسے نکتے پر جمع کر سکے جہاں سے وہ اپنے مستقبل کے لئے کوئی راہ متعین کر سکیں۔

دسمبر ۱۹۱۴ء میں کانگریس کا ایک اجلاس بھوپندرا ناتھ باسو کی صدارت میں مدراس میں منعقد ہوا جس میں پہلی مرتبہ کانگریس کے اراکین نے محمد علی جناح کی خدمات کو اپنی تقاریر میں

---

[۱] ۔ رابرٹ پائن ص ۲۷۶

[۲] ۔ رئیس احمد جعفری ص ۴۲

خراجِ تحسین پیش کیا۔ اس اجلاس میں اراکین نے مطالبہ کیا کہ موجودہ بحران میں ہندوستان کے لوگوں نے حکومت کے ساتھ جس گہری وفاداری کا ثبوت دیا ہے اُس کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت ہندوستان کو سلطنتِ برطانیہ کی رکنیت میں شامل کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرے اور ہندوستان کو وہ تمام حقوق و اختیارات تفویض کرے جو سلطنت کے دوسرے ارکان کو حاصل نہیں۔ اس سال ۱۸ر نومبر کو مسلمانانِ ہند کے مخلص رہنما مولانا شبلی نعمانی انتقال کر گئے جس سے پورا برصغیر ماتم کدہ بن گیا۔ ابھی یہ شور بر ماتم دھیما نہ پڑا تھا کہ سرسید احمد خان کے رفیق خلیل اللہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے اور علیحدہ قومیت کا احساس دلانے والے عظیم شاعر و ادیب مولانا الطاف حسین حالی ۳۱ر دسمبر کو اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ ان لگاتار سانحوں نے قومی جذبہ رکھنے والے مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دیں۔ ادھر ترکی نے پہلی جنگِ عظیم کے اعلان کے بعد جنگ میں جرمنی کی حمایت کا اعلان کیا جس کی بناء پر مسلمانانِ ہند کی حیثیت برطانوی حکمرانوں کی نظر میں مزید مشکوک ہو گئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں اس صورتحال سے کسی قدر مطمئن تھے۔ چنانچہ انہوں نے ترکی کی حمایت میں زمیندار اور ہمدرد میں مستقل مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا ـــــ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت ہند نے مولانا ظفر علی خاں کو نظر بند کر دیا اور زمیندار سے ضمانت طلب کر لی۔ اسی سال نومبر میں مولانا محمد علی جوہر نے کامریڈ میں ایک زوردار مقالہ میں جو (CHOICE OF THE TURKS) کے زیر عنوان لندن میں شائع ہونے والے ایک مقالے کے جواب میں تھا ترکوں کو اپنے اس فیصلے میں حق بجانب ٹھہرایا۔ یہ شرارہ غضب کا تھا انگریز حکام اب کیسے اور کب تک درگذر سے کام لیتے۔ کامریڈ فوراً بند اور محمد علی جوہر نظر بند کر دیے گئے۔ [۱]

---

[۱] - مولانا عبدالماجد دریاآبادی ص۱۰۱ - محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق حصہ اول مطبع معارف پریس اعظم گڑھ سنہ ۱۹۵۴ء

سنہ ۱۹۱۵ء

سنہ ۱۹۱۵ء میں محمد علی جناح کے خواب شرمندۂ تعبیر ہو رہے تھے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان یگانگت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور محمد علی جناح برابر اس کوشش میں مصروف تھے کہ اختلافات کی خلیج کو بالکل پاٹ کر ایک ایسا متحدہ پلیٹ فارم تیار کیا جائے جو ہندوستان کی متحدہ آواز ہو۔ ۱۳ فروری سنہ ۱۹۱۵ء کو محمد علی جناح نے مسلم اسٹوڈنٹس یونین بمبئی کی افتتاحی تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی تقریر کرتے ہوئے طلبا کو نصیحت کی کہ وہ اپنے اندر نظم اور خود اعتمادی پیدا کریں تاکہ وہ مسلمانوں اور ملک کے دوسرے فرقوں کے مابین خیر سگالی اور اتحاد کا جذبہ پیدا کرنے میں نمایاں خدمات انجام دے سکیں۔ اور باہمی اشتراک کے لئے راستہ ہموار کر سکیں۔ اس تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی دعوت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ محمد علی جناح کو نوجوانوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہو چکی تھی اور ان کی خدمات کو سماجی حلقوں میں بھی تحسین کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا۔ [1]

بقول گوکھلے محمد علی جناح برابر درمیانے آدمی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ اس عرصے میں انہوں نے مسلم لیگ اور کانگریس کو خاصا قریب کر دیا۔ اور جس کی بنا پر یہ بات بھی طے ہو رہی تھی کہ ہندوستان کے معاملات کو طے کرنے میں مسلمان بھی ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں کانگریس اور حکومت مسلم لیگ کی صورت میں تسلیم کر رہی تھی۔ محمد علی جناح کی ان کوششوں کا اعتراف مسلم لیگی رہنما سر رضا علی نے اپنی کتاب اعمال نامہ میں اس طرح کیا ہے کہ "کانپور مچھلی بازار کے معاملے میں ہندوؤں نے بے اعتنائی برتی جس کا اثر یہ ہوا کہ

[1] مطلوب سید صفحہ ۲۴

مسلمان کانگریس سے ربط ضبط قائم کرنے کو قوم کے حق میں ضرر رساں سمجھنے لگے تھے۔
مگر اس آڑے وقت میں مسٹر جناح نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ کو پورے طور پر کام میں لاکر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے یہ طے کروا دیا کہ لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۱۵ء کے آخر میں بمبئی میں ہوگا۔ ؎۱

۲۰ فروری ۱۹۱۵ء کو محمد علی جناح کو ایک عظیم صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ محمد علی جناح کے دوست اور عزیز ترین ساتھی شری گوپال کرشنا گوکھلے تقریباً ۴۹ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ محمد علی جناح جس مشن کو لیکر آگے بڑھ رہے تھے۔ اُس کے پیش نظر گوکھلے کا انتقال ایک بڑا سانحہ تھا جس پر محمد علی جناح نے شدید دکھ اور رنج کا اظہار کیا کیونکہ محمد علی جناح اور گوکھلے کا اندازِ فکر یکساں تھا اور انہیں ایک دوسرے کے خلوص اور نیک نیتی پر پورا پورا اعتماد تھا۔ گوکھلے نے ایک موقع پر جناح کے لئے کہا تھا کہ ہندو مسلم تحریک کی قیادت کے لئے محمد علی جناح سب سے زیادہ اہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محمد علی جناح نے ایک موقع پر کہا کہ "میں مسلمانوں کا گوکھلے بننا چاہتا ہوں"۔ ؎۲

محمد علی جناح ہمیشہ سے ہندو مسلم اتحاد کے داعی نقیب اور علمبردار تھے لیکن کانگریس سے قریبی تعلق رکھنے کے باوجود انہوں نے کبھی اُس دور میں بھی مسلم قوم کی انفرادیت اور جداگانہ حیثیت کے مطالبہ سے دست برداری اختیار نہیں کی کیونکہ اُس وقت تک انھیں ہندوؤں سے مایوسی ہوئی تھی اور نہ کانگریس کی ذہنیت بے نقاب ہوئی تھی۔
اس زمانے میں محمد علی جناح کی تمام سرگرمیاں اس امر پر مرکوز تھیں کہ ہندو مسلم اتحاد عمل میں آئے ہندوستان کا جو دستور بنے وہ اکثریت کا بنایا ہوا ہو۔ اُس میں مسلمان بھی برابر کے شریک ہوں۔ عام معاملات میں وہ بلا تامل ہندو اکثریت کا ساتھ دیں اور امن و عافیت کی زندگی بسر کریں۔ اور یہی وہ سوچ تھی جس کے تحت انہوں نے

؎۱ - سر رضا علی صفحہ ۳۳۸
؎۲ - بیکٹر بلولا بمتھو - صفحہ ۸۶

دسمبر ۱۹۱۵ء میں مسلم لیگ کو سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد کرنے کی دعوت دی [لہ]

۱۱ر نومبر ۱۹۱۵ء کو محمد علی جناح نے لیگ کے رہنماؤں کے نام ایک اپیل جاری کی۔ جس میں انہوں نے کہا کہ ہم اپنے آئین کے پابند ہیں۔ اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم آزادی خود مختاری، حق رائے دہی کے مستحق ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آئین کا احترام کریں اور اس پر عمل کریں اور اپنی صفوں میں نظم و ضبط پیدا کریں۔ آج صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام برطانوی سلطنت کی آنکھیں ہم پر لگی ہوئی ہیں اور ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہم اسی سلطنت کے دوسرے ارکان کی طرح آزاد اور خود مختار ہونا چاہتے ہیں۔

کانگریس اور مسلم لیگ کا ایک ہی وقت اور یکساں تاریخوں میں ایک ہی مقام پر اجلاس طلب کرنے کا خیال اپنے اندر بڑی ندرت اور دور اندیشی لئے ہوئے تھا چنانچہ سطحی ذہن رکھنے والے مسلم لیگی اس امر کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ ایک گروپ کا خیال تھا کہ بمبئی میں مسلم لیگ کا اجلاس طلب کرنے کی تجویز پیش کرنے والے مسلم لیگ کو کانگریس میں ضم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس مرحلہ پر کانگریس سے کسی قسم کے بھی تعاون کا مطلب یہ ہے کہ برطانوی حکومت کے مخالف عناصر کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں اور یہ اقدام وسیع تر مفادات کے لیے نقصان دہ ہوگا کیونکہ مسلمان تاج برطانیہ سے وفاداری کے پابند ہیں۔ جبکہ دوسرے گروپ کا خیال تھا کہ ایسے وقت میں جبکہ پہلی جنگ عظیم جاری ہے اور ترکی اتحادیوں کے خلاف کام کر رہا ہے یہ مشترکہ اجلاس مسلمانوں کے مقاصد کو نقصان پہنچائے گا۔ لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں نے محمد علی جناح کی اپیل پر لبیک کہا اور ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو مسلم لیگ کا آٹھواں سالانہ اجلاس بمبئی میں ایسے میدان میں ہوا جو میرین لائینز کے قریب واقع ہے اجلاس

لہ : رئیس احمد جعفری صفحہ ۴۲ ۔

کی صدارت برصغیر کے مشہور محب وطن اور مسجد کانپور کی تحریک کے ہیرو جناب مظہرالحق بیرسٹر کر رہے تھے۔ حکومتِ وقت یہ نہیں چاہتی تھی کہ کانگریس اور لیگ میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ اور وہ دونوں اجلاس ایک ہی مقام پر منعقد کر سکیں۔ اس لئے اُس نے جلسے میں گڑبڑ کرنے کی سبیل پیدا کی۔ بمبئی میں ہندو مسلمان غنڈوں کی کافی تعداد رہتی آئی ہے جن کو موالی کہا جاتا ہے اُس زمانے میں وہاں کے مسلمانوں میں دو تین افراد ایسے تھے جن کو حقیقتاً موالی کہا جا سکتا تھا۔ اُن میں سے ایک کا نام سلیمان قاسم مٹھا تھا۔ اس زمانے میں بمبئی کا پولیس افسر ایس ایم ایڈورڈز تھا۔ حکومت کی شہ پاکر اس نے سلیمان قاسم مٹھا کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ اور سینکڑوں موالیوں کو اس جلسے میں ہنگامہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔

اجلاس کی کارروائی ۳۰ دسمبر کو دو بجے دوپہر شروع ہوئی۔ وزیٹرس گیلری میں بہت سی نشستیں خالی تھیں۔ ابتدا میں مولانا حسرت موہانی نے جو حال ہی میں رہا ہو کر آئے تھے لوکل باڈیز میں فرقہ وارانہ نمائندگی کے سلسلے میں پوائنٹ آف آرڈر پیش کیا۔ صدر نے اس کے خلاف رولنگ دی۔ اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انجمن اسلام کے سکریٹری مولوی ضیاءالاسلام وزیٹرز گیلری میں کھڑے ہو کر چلانے لگے کہ مولانا حسرت موہانی کو بولنے کی اجازت دی جائے۔ اور اس کے بعد فوراً کہا کہ یہ جلسہ مسلمانوں کا ہے ہندوؤں کا نہیں ہے۔ اس پر ایک شور مچ گیا مگر تھوڑی دیر بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد صدر جلسہ نے اپیل کی کہ میں مسلمان ہوں اور جلسہ کی صدارت بھی اسلامی طریقہ پر کروں گا اس پر ایک شرپسند نے کہا کہ اگر مسلمانی کا دعویٰ ہے تو تمہارا لباس بھی مسلمانوں کا سا ہونا چاہیے۔ تم ہرگز مسلمانوں کے رہنما نہیں ہو سکتے۔ اب کیا تھا جلسہ میں ہنگامے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس دوران سلیمان قاسم مٹھا، مولوی عبدالرؤف، ایم ٹی قادربھائی اور عبدالصمد خان نے آگے بڑھ کر کہا کہ جلسے کی کارروائی اردو میں ہونا چاہیے۔ تاکہ مسلمان یہ سمجھ سکیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ مسلمانوں کے مفادات کے خلاف نہیں۔ بلکہ اُن کے

حق میں ہے۔ ان میں سے چند آدمی پلیٹ فارم پر بھی چڑھ آئے۔ صدر نے اُن سے مصافحہ کیا۔ اور ان کو سمجھا بجھا کر خاموش کیا اور یقین دلایا کہ آئندہ کارروائی اردو میں ہوگی۔ سلیمان قاسم مٹھا نے کہا کہ کل ساری کارروائی کیوں انگریزی میں کی گئی۔ اور کانگریسی لیڈروں کو کیوں بلایا گیا تھا۔ حالانکہ تم لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مسلم لیگ کی کارروائی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم سب کانگریسی ہو۔ اس کے بعد چند مسلمان اور کھڑے ہو گئے۔ اور اب کی مرتبہ انہوں نے یہ کہہ کر غل مچانا شروع کر دیا کہ ہم مسلمان کافر پہ کیسے بھروسہ کر سکتے ہیں جس کے داڑھی نہ ہو۔ حالانکہ ہنگامہ کرنے والوں میں بہت سے داڑھی منڈے تھے۔ خود سلیمان قاسم مٹھا اور نادر بھائی داڑھی منڈے تھے۔ پھر کہا کہ تم لیگ اور کانگریس کو ملا رہے ہو اور تاریکی میں ڈبو رہے ہو۔ اس قسم کا ہنگامہ بہت دیر تک ہوتا رہا۔ اور انہوں نے کرسیاں پھینکنی شروع کر دیں۔ ذمہ دار آدمیوں کے چہروں سے پریشانی اور مایوسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ مگر صدر اور مسٹر جناح نہایت بہادری سے جمے رہے۔ اکیلے مسٹر جناح ہی ایسے تھے جو مطلق نہیں گھبرائے اور نہ انہوں نے کسی برہمی کا اظہار ہی کیا۔ وہ طوفان پر قابو پانا چاہتے تھے۔ اور بالآخر انہوں نے قابو پا لیا۔ وہ ہر سوال کا جواب دیتے رہے اور اس طرح شرارت پسندوں کو اخلاقی شکست دیدی۔ مسز بسینٹ پلیٹ فارم سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں وہ غصّے کے مارے باہر نکلیں اور ایڈورڈز سے کہا کہ اسے روکیئے۔ اُس نے کہا میں کچھ نہیں کر سکتا حالانکہ اُس کے پاس چھ یورپین آفیسر مع ڈپٹی کمشنر اور چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ رائے بہادر سیتلواڈ باہر موجود تھے۔ پولیس کمشنر نے سیتلواڈ سے یہ کہا تھا کہ آپ یہیں رہیئے۔ کیونکہ عنقریب کچھ ہونے والا ہے اس وقت یہیں آپ کی امداد پڑے گی۔ اس پر پولیس کمشنر نے ـــــ یہ کیا کہ سارا پنڈال خالی کرا دیا۔ [1] بعد میں یہ اجلاس پنڈال کے بجائے بمبئی کے تاج ہوٹل میں منعقد ہوا جہاں محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ ایک کمیٹی مقرر کی جائے جو اصلاحات کی اسکیم کا مسودہ تیار کرے اور دیگر سیاسی جماعتوں سے مسلم مفادات

---

[1] ۔ ضیاء الدین احمد برنی صـ۵۶ مضمون مطبوعہ قائداعظم نمبر ماہِ نو کراچی نومبر ۱۹۴۸ء

کو پیش نظر رکھ کر مذاکرات کرے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے دستور میں نئی تبدیلیاں ہونے والی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں مسلم لیگ و کانگریس ایک مشترکہ اسکیم تیار کر کے حکومت کو پیش کریں جس کی تشکیل متحدہ ہند کے مطالبات کی سی ہو۔ ؎۱ اس اجلاس میں جن مسلم لیگی رہنماؤں نے شرکت کی ان میں راجہ صاحب محمود آباد، سر رضا علی، آفتاب احمد خان، سید وزیر حسن، مولانا حسرت موہانی، جناب فضل الحق، جناب مظہر الحق، محمد شفیع، برکت علی، سر فضل حسین، مولانا ظفر علی خاں، سر ابراہیم رحمت اللہ، یعقوب حسن، سر علی امام، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی شامل تھے۔

قائد اعظم محمد علی جناح کی تجویز کی تائید بنگالی رہنما فضل الحق نے کی تھی جبکہ اس کی حمایت کرنے والوں میں ابوالکلام آزاد سر فہرست تھے۔ اس تجویز کو بروئے کار لانے کے لئے ایک کمیٹی بھی مقرر کی گئی جس میں متعدد رہنما شامل تھے۔ ؎۲

مسلم لیگ کے سکریٹری سید وزیر حسن نے اپنی سالانہ رپورٹ مطبوعہ ۱۹۱۶ء میں اس اجلاس کے بارے میں اپنے تاثرات کچھ یوں بیان کئے ہیں۔

"مسلم لیگ کا یہ اجلاس ہر حیثیت سے ایک غیر معمولی اجلاس تھا۔ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ کے اکابر ایک جگہ جمع ہو گئے اور ہندو مسلم اختلاف بھول گئے وہ اس محبت کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون و اشتراک عمل کر رہے تھے کہ دشمنوں کے دل دہل گئے۔ اسی ہفتہ کانگریس کا اجلاس بھی بمبئی میں ہوا۔ کانگریس کے صدر لارڈ سنہا، مسز اینی بیسنٹ اور دیگر کانگریسی لیڈر بھی ان کے ساتھ شریک جلسہ تھے۔ ہندو لیڈر مسلمان رضاکاروں کا ہاتھ بٹا رہے تھے اور یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے ہندوستانی بھی اب ایک مستقل قوم بن گئے ہیں۔ اس سال لیگ کے پنڈال کے دروازے پر ایک کتبہ لگا ہوا تھا جس پر تحریر تھا کہ اتفاق میں طاقت ہے"۔ یا اپنی نوعیت

؎۱ ۔ چودھری خلیق الزماں ص۳۰۳، "شاہراہ پاکستان" مطبوعہ انجمن اسلامیہ پاکستان اکتوبر ۱۹۶۷ء۔
؎۲ ۔ رئیس احمد جعفری ص۶۹۔

کی پہلی مثال تھی۔ اس اجلاس میں تمام صوبوں سے مسلم لیگ کے مندوبین نے شرکت کی تھی۔ سلہ۔

اس سال کانگریس کا اجلاس بھی بمبئی میں ہوا اور ۱۳ دسمبر کو دونوں جماعتوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس سے کانگریس کے رہنما لارڈ سنہا اور جناب مظہرالحق نے خطاب کیا۔ اجلاس کے دوران اسٹیج پر محمد علی جناح کے ہمراہ ڈاکٹر اینی بیسنٹ مسز سروجنی نائیڈو اور مسٹر کرم چند گاندھی بیٹھے ہوئے تھے۔ مسٹر گاندھی حال ہی میں افریقہ سے ہندوستان واپس آئے تھے۔ جہاں انہوں نے نیٹال کے ہندوستانی باشندوں کے ساتھ بدسلوکی کے خلاف جدوجہد میں خاصی کامیابی حاصل کی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے آغاز پر مسلمانوں نے برطانوی حکومت کو ہندوستانی عوام کی جانب سے مکمل حمایت کا یقین دلایا تھا۔ اور کونسل آف انڈیا بل جس کے سلسلے میں محمد علی جناح انگلستان گئے تھے، ملتوی کردیا گیا تھا۔ مگر دوسرے سال یہ بل پارلیمنٹ میں منظور ہوگیا۔ اور ۲۹ جولائی ۱۹۱۵ء کو اس بل کی بادشاہ نے بھی توثیق کردی۔ یہ قانون گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۵ء کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ بل بہت مایوس کن تھا اور اس میں وہ کوئی تبدیلی یا اصلاح موجود نہیں تھی جو محمد علی جناح نے لندن میں ایوان کے سامنے پیش کی تھی۔ اس قانون کی منظوری نے محمد علی جناح کی طبیعت کو بہت مکدر کردیا تھا۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے بلکہ اُن کے عمل میں شدت آگئی تھی۔ اور وہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے تن دہی سے کام کرنے لگے۔

۱۹۱۵ء میں گوکھلے کے بعد جناح کے ایک اور ابتدائی رفیق فیروز شاہ مہتا بھی اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ فیروز شاہ مہتا نے جناح کو بمبئی میں روشناس کرانے میں بڑا اہم کردار انجام دیا تھا۔ انہوں نے محمد علی جناح کو اپنے چیمبر میں بحیثیت وکیل بیٹھنے کی اجازت دی تھی۔ اور جب محمد علی جناح نے ۱۹۰۷ء میں ایک مقدمہ میں اُن کی پیروی کی تھی تو اُس وقت وہ اُن ہی کے چیمبر میں بیٹھا کرتے تھے۔ فیروز شاہ مہتا نے ٹائمز آف انڈیا کی پالیسی کے

سلہ ۔ مسرور حسن۔ ماخوذ از مسلم لیگ کی سالانہ رپورٹ۔ مطبوعہ ۱۹۱۶ء۔ لکھنؤ

پیش نظر ایک اخبار بمبئی کرانیکل جاری کیا تھا جس کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے وہ خود چیرمین تھے۔ ۱۹۱۵ء میں ان کے انتقال کے بعد محمد علی جناح کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کا چیرمین منتخب کیا گیا۔ بمبئی کرانیکل ہندوستان کے عوام کی آواز تھا اور یہ اُس وقت جب ٹائمز آف انڈیا کی قیمت چار آنے تھی صرف ایک آنے میں فروخت کیا جاتا تھا۔ اور اس کی تعداد اشاعت کئی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ [1]

تقسیم بنگال کی فیصلہ کی ۱۹۱۱ء میں منسوخی کے بعد مسلمانوں میں جو عام بددلی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی، اُس کا ہندوستان کی مقامی سیاست پر بھی خراب اثر پڑا۔ ایک طرف سر سلطان محمد آغا خاں نے جب اس فیصلے کا خیر مقدم کیا تو مولانا شبلی سے لے کر ایک عام محب وطن تک آغا خان کی نیت پر شبہ کرنے لگا جس کی بنا پر انہوں نے مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا۔ دوسری طرف نواب سر سلیم اللہ خاں جو اس فیصلے سے ذاتی طور پر متاثر ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی سرد مہری سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ انہوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور دو سال تک مسلسل خاموشی کی زندگی گزارنے کے بعد ۱۹ جنوری ۱۹۱۵ء کو ڈھاکے میں انتقال کر گئے۔

---

[1] جی الانہ۔ صفحہ ۸۶

سنہ ۱۹۱۶ء

گذشتہ سال مسلم لیگ اور کانگریس کے مشترکہ اجلاس منعقدہ بمبئی میں کئے گئے فیصلوں کو عملی شکل دینے کے سلسلے میں ۱۹۱۶ء کے شروع سے ہی محمد علی جناح نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں مسلم لیگی اور کانگریسی رہنماؤں سے انفرادی طور پر بھی مذاکرات کئے اور ان کو یہ باور کرایا کہ ہندوستان کے وسیع تر مفاد کیلئے ضروری ہے کہ ہندو مسلم ایک دوسرے سے قریبی تعلق و تعاون پیدا کریں۔ محمد علی جناح کی ان کوششوں کو مسز سروجنی نائیڈو نے اپنی کتاب "Embassador of unity" میں زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۱۹۱۶ء میں محمد علی جناح نے ہندو مسلم اتحاد کے ایک نڈر مجاہد کی حیثیت سے کام کیا اور ان کا جذبۂ وطن پرستی اس بلندی پر پہنچ گیا جہاں کسی مخالف کا ہاتھ ان کو چھو بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے مقصد کے لئے محمد علی جناح کو جو تکلیف بھی اٹھانا پڑے اور جو قیمت بھی ادا کرنا پڑے۔ وہ کبھی اسکی پرواہ نہیں کرتے اور سرکار کے چشم و ابرو کے اشاروں کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ ان کی اس حکمت عملی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اپریل ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس نے اپنے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس کو اختیار دیا گیا کہ وہ مسلم لیگ کے رہنماؤں سے سیلف گورنمنٹ کی اسکیم مرتب کرنے کے سلسلے میں مذاکرات کرے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا جس میں کانگریس کی تجاویز اور مسلم لیگ کی سفارشات پر غور کیا گیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ مصالحتی کمیٹی جو مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں پر مشتمل تھی۔ وہ متفقہ مطالبات ایک یادداشت

کی شکل میں وائسرائے کو پیش کرے۔ اس یادداشت پر ۱۹ ہندو مسلم رہنماؤں نے دستخط کئے جن میں محمد علی جناح بھی شامل تھے۔ ۱؎

اپریل ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ کی جگہ لارڈ چیمسفورڈ کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ اسی سال موسم سرما میں محمد علی جناح کو امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا ایک مرتبہ پھر بمبئی سے رکن منتخب کیا گیا۔ جہاں وہ روز اول سے ہی اپنی صلاحیتوں کا سکہ جما چکے تھے۔ ۲؎

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں محمد علی جناح کو احمد آباد میں منعقد ہونے والی سولھویں بمبئی پراونشل کانفرنس کی صدارت کی دعوت دی گئی۔ محمد علی جناح نے اس اجلاس میں نہایت مدبرانہ تقریر کی۔ ہندوستان کی صورتحال اور جنگ میں ہندوستان کے عوام کی خدمات کا بڑے واضح الفاظ میں تذکرہ کرتے ہوئے حکومت کے مایوس کن رویہ پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ جداگانہ انتخاب کا مطالبہ مسلمانوں کے لئے کوئی اصولی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ ضرورتاً کیا گیا ہے۔ ہندو حالات کے تقاضے کو محسوس کریں اور مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ مسلمان اس ملک میں اقلیت میں ہیں۔ محمد علی جناح نے کہا کہ آزادی اور خودمختاری ہندو اور مسلمان دونوں کی بنیادی ضرورت ہے اس لئے دونوں کو باہمی اتفاق اور اطمینان سے رہنا چاہیئے۔ اگر وہ نفاق پیدا کریں گے تو یہ جدوجہد کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنی کوششوں سے ایک نئے متحدہ ہندوستان کی تشکیل کریں۔ تو یہ ضروری ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھول کر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہو جائیں۔ محمد علی جناح کی یہ تقریر ۱۷۰۸۴ الفاظ پر مشتمل تھی۔ ۳؎

دسمبر ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ کا نواں اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں لکھنؤ میں منعقد ہوا اور وہ تجویز منظور ہوئی جو تاریخ میں میثاق لکھنؤ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس اجلاس کا احوال چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب شاہراہ پاکستان میں اس طرح بیان کیا ہے۔ مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے راجہ صاحب محمود آباد نے بڑی شاندار تیاریاں کرائیں۔ قیصر باغ میں جہاں جلسہ ہونا تھا۔ بہت سے

۱؎۔ مطلوب سید صفحہ ۴۶۔
۲؎۔ رفیق افضل صفحہ ۲۶ تا ۴۴۔
۳؎۔ ہیکٹر بولائتھو صفحہ ۱۰۱

ڈیرے اور خیمے لگ گئے۔ اور مختلف ہوٹلوں اور سراؤں میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام کیا گیا۔ مسٹر جناح اجلاس سے دو دن قبل بمبئی سے لکھنؤ پہنچ گئے تھے۔ اُن کے ہمراہ مس رتی بائی مسز ناءیڈو اور عمر سبحانی بھی اسی گاڑی سے آئے تھے۔ مسٹر جناح مہاراجہ کے محل میں ٹھہرے اجلاس سے قبل نوجوانوں کا ایک گروہ جس میں میں بھی شریک تھا۔ مسٹر جناح سے ملا اور مسلمانوں کو یو پی کونسل میں بیس فیصدی سے کم نمائندگی نہ ملنے پر غم وغصہ کا اظہار کیا۔ جناح صاحب نے ہم سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے لئے پوری کوشش کریں گے۔ ان کے دوران قیام میں مجھے اُن سے ملنے اور گفتگو کرنے کا اکثر موقع ملتا تھا کیونکہ اُن کی مہمانداری کا تمام تر بار مجھ ہی پر تھا۔ اُن کی شخصیت کا میرے اوپر بہت اثر ہوا۔ اور جب معلوم ہوا کہ وہ ہمارے مطالبے منوانے کیلئے کوشاں ہیں تو اُن سے اور بھی خوش عقیدگی بڑھ گئی۔ اسی دن راجہ صاحب محمود آباد نے کانگریس اور لیگ کے اراکین کے اعزاز میں ایک بہت بڑا ڈنر دیا جس میں پنڈت موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو بھی شریک تھے۔[1]

اسی سال آل انڈیا کانگریس کا اجلاس بھی لکھنؤ میں منعقد ہوا جس کی صدارت اے سی مزمدار نے کی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے مشترکہ اجلاس کے انعقاد کی یہ کوشش بھی محمد علی جناح نے کی تھی۔ اور پھر اس اجلاس میں پہلی مرتبہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا۔[2]

بقول چودھری خلیق الزماں میثاق لکھنؤ اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ آئندہ کے تصفیے مستقبل میں تقسیم ہند کی بنیاد لکھنؤ میں پڑ گئی۔ اس سمجھوتے میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ حق انتخاب کو تسلیم کر لیا گیا اور صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ بھی طے ہوا کہ مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے ۸۰ فیصد ارکان منتخب ہوں گے اور بعض شرائط کے تحت انتظامیہ مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہے۔ یہ تحفظ قبول کیا گیا کہ مسودہ قانون یا قرارداد کا اطلاق کسی ایک فرقہ پر نہیں ہوگا اگر اس فرقے کے تین چوتھائی ارکان اس کے مخالف ہوں گے تو اسے منظور کرنے کے لئے کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اس سمجھوتے میں مرکزی حکومت میں مسلم منتخب ارکان کا تناسب ۱/۳ ۳۳ فیصد مقرر کیا گیا۔ پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمان اکثریت میں

[1] چودھری خلیق الزماں ص ۲۰۳

[2] پروفیسر احمد سعید ص ۱۲۰

تھے۔ ان کی نمائندگی کا تناسب علی الترتیب ۵۰ اور ۴۰ فیصد قرار دیا گیا۔ بمبئی، صوبجات متحدہ، بہار، ۳۰، ۲۵، ۲۰ اور ۱۵ مقرر کیا گیا۔ پنجاب اور بنگال کو ان کی مسلم اکثریت کے استحقاق سے کم نمائندگی دی گئی۔ البتہ دوسرے صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ انہیں آبادی میں تناسب سے زیادہ نمائندگی دی گئی۔ مسلم اہل قلم حضرات نے اس سمجھوتے پر اکثر و بیشتر یہ اعتراض کیا ہے کہ مسلمان جن صوبوں میں اقلیت میں تھے، وہاں آبادی کے تناسب سے قدرے زیادہ نمائندگی مل جانے سے اُن کے لئے کوئی خاص فرق نہ پڑا۔ لیکن پنجاب اور بنگال میں وہ اپنی اکثریت سے محروم ہو گئے۔ اس منصوبے کی بہر حال یہ بڑی خوبی تھی کہ آئینی مسائل پر ایک ایسا سمجھوتہ ہو گیا جس پر ہندو اور مسلمان دونوں قومیں متفق تھیں۔ [1]

میثاقِ لکھنؤ برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی تاریخ کا نہایت اہم باب ہے۔ اور مسلمانانِ برصغیر کے سیاسی سفر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ اسے ایک تاریخی موڑ کہنا زیادہ درست ہے جہاں سے مسلمانوں نے اپنی منزل کا تعین کیا اور بلاشبہ اس کارنامہ کا سہرا اسی مردِ آہن اور صاحب فکر و تدبر کے سر ہے جس کا نام محمد علی جناح تھا۔ لکھنؤ کے اس اجلاس میں لیفٹیننٹ گورنر سر جیمس میسٹن بھی شریک ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود حکومت کے رویہ پر کڑی نکتہ چینی کی گئی۔ بیرسٹر عبدالرسول نے ایک قرارداد پیش کی جس میں مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسرت موہانی کی نظر بندی پر سخت افسوس کا اظہار کیا گیا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ بلاوجہ اور بغیر مقدمات کے نظر بند کئے جانے والے تمام رہناؤں کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔ [2]

مسلم لیگ اور کانگریس کے اس مشترکہ اجلاس میں جس کی صدارت محمد علی جناح کر رہے تھے، اپنے خطبۂ صدارت میں رسمی کلمات کے بعد کہا کہ انسانیت کے مشترکہ مقاصد کے لئے شریف اور بہادر انسانوں نے ہر زمانے میں مصائب برداشت کئے ہیں اور آج وہی روح ہندوستان کے قلب کو گرما رہی ہے۔ سارا ملک آج اپنی قسمت کی آواز پر بیدار ہو رہا ہے۔ چاروں طرف حیاتِ نو کے آثار ہویدا ہو رہے ہیں اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے آج بھی وقت کی نبض پر ہاتھ نہیں رکھا اور اس نئی زندگی سے پورا

[1] - چوہدری محمد علی ص ۲۸ ظہورِ پاکستان مطبوعہ مکتبہ کاروان لاہور۔
[2] - عبدالعزیز بی ایس سی، ص ۲۲، قائداعظم محمد علی جناح، مطبوعہ مکتبہ لیگ، بمبئی ۱۹۴۲ء

پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور ملک کی آواز پر کان نہیں دھرے۔ تو وہ اپنی گزشتہ روایات سے غداری کے مجرم ہوں گے۔ اب ہمیں ہندوستان کی تعمیر نو کا بیڑہ اٹھانا ہے۔ ہم سب کی پہلی اور آخری منزل ہندوستان ہے جلد یا بدیر ہندوستانی ضرور حکومت خود اختیاری حاصل کر کے رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ایک اٹل بات ہے۔ انگریزی مدبر ابھی اتنا دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سیاسی بصیرت کھو بیٹھا ہو۔ اس لیے وہ مجبور ہو گا کہ ہندوستانی نظام حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرے۔ ہندوستان کے انگریزی عمال حکومت قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں اور انتظامی تغیرات و سیاسی تجربات کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں۔ اور ہندوستانیوں کو انتظام حکومت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں۔ نیز اپنے اختیارات میں کمی پسند نہیں کرتے ہیں لیکن ہندوستان کی پر اعتماد اور بے چین آوازیں ان کو پریشان کر دیتی ہیں۔ مگر زیادہ دیر ایسا ممکن نہیں کیونکہ اس طرح طبقاتی جنگ کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ کہنا کہ جمہوری مجالس مشرق میں بار آور نہیں ہو سکتیں قطعی غلط ہے۔ اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات اور ادبیات اس امر پر شاہد ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو اپنے مذہب میں بھی جمہوری نکتہ نگاہ رکھتے ہیں۔ ہم اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت پر یہ ثابت کر دیں گے کہ ہم برطانوی سلطنت میں ایک مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ہندوستان اس سے کسی کم سودے پر راضی نہیں ہو گا۔ محمد علی جناح کی یہ تقریر ۳۰۷۳ الفاظ پر مشتمل تھی۔[1]

محمد علی جناح کی سیاسی کامیابی اور فہم و فراست کے اعتبار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب محمد علی جناح ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے اجلاس کی صدارت کرنے آئے تو مولانا شبلی نعمانی کے (جو مسلم لیگ کے شدید ترین نقادوں میں سے تھے اور اُن کی متعدد نظمیں مسلم لیگ کی ہجو میں شائع ہوئی تھیں) شاگرد اور جانشین مولانا سید سلیمان ندوی نے قائد اعظم کے متعلق ایک نظم کہی جس کے آخری اشعار کچھ یوں تھے۔[2]

---

[1] ۔ رفیق افضل صـ۳۵ تا ۶۴

[2] ۔ پروفیسر محمد سرور صـ۲ مولانا محمد علی مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ستمبر ۱۹۶۲ء

بادہ حب وطن کچھ کیف پیدا کر سکے | دور میں اگر یونہی یہ ساغر و مینا رہا
ہر مریض قوم کے جینے کی ہے کچھ کچھ امید | ڈاکٹر اس کا اگر محمد علی جینا رہا

اسی سال یکم ستمبر کو گوکھلے ہال مدراس کے ایک جلسہ میں مسز اینی بیسنٹ نے ہوم رول لیگ کے نام سے ایک سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا جس کا نصب العین یہ تھا کہ اہل ہند کو بلا تاخیر حکومت خود اختیاری دی جائے تاکہ وہ ملک کے نظم ونسق میں برابر کے شریک ہو سکیں۔ مسز بیسنٹ نے اس جماعت کا صدر ہائی کورٹ کا ایک سابق جج سر ایس آئر کو بنایا اور رفتہ رفتہ اس جماعت کی شاخیں پورے ہندوستان میں پھیل گئیں۔ اور ہزاروں طالب علم، وکیل، اساتذہ، ڈاکٹر اور صحافی اس میں شامل ہو گئے اسی دوران ہندوستان کے مشہور فرقہ پرست مسٹر تلک نے ایک ہوم رول لیگ قائم کی لیکن یہ جماعت اپنی متعصبانہ روش اور تنگ نظری کی بنا پر بری طرح ناکام ہو گئی۔ غالباً مئی یا جون ۱۹۱۶ء میں مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے جلسہ سے فارغ ہو کر مولانا حسرت موہانی لکھنؤ سے علی گڑھ واپس آئے تھے کہ اُن کی خانہ تلاشی ہوئی اور قانون تحفظ ہند کے تحت دو سال کی نظربندی کا حکم صادر کر دیا گیا۔

اسی سال برصغیر کے ممتاز عالم دین اور قطب دوراں حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ مولانا وصی احمد محدث سورتی ؒ ۱۲ اپریل بمطابق ۸ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ بروز بدھ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ آپ نے شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے ساتھ ندوۃ العلماء کے قیام میں حصہ لیا تھا اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے بعد محدثین میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اور پیلی بھیت میں مدرسۃ الحدیث کے بانی وصدر مدرس تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر کے دینی مراکز اور مدرسوں کو شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ایک اندازہ کے مطابق تقریباً اس دوران دس ہزار مدارس بند ہو گئے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ؒ نے اس صورت حال کو شدت سے محسوس کیا اور آپ نے ۱۸۶۶ء میں علماء کی ایک جماعت تشکیل دی تاکہ یہ جماعت ملک کا دورہ کر کے از سر نو دینی مدارس کی تنظیم کا کام کر سکے جامعہ امدادیہ کشور گنج سابق مشرقی پاکستان کے ناظم مولانا اطہر علی نے جامعہ کی رپورٹ مطبوعہ ۱۹۶۳ء

پر لکھا ہے کہ اس جماعت میں متعدد علماء شامل تھے۔ اور اس کی قیادت مولانا وصی احمد محدث سورتی کر رہے تھے۔ اس جماعت نے بہار، پنجاب اور بنگال کا دورہ کیا اور اس کام کو حسن و خوبی تکمیل تک پہنچایا۔ مولانا فیض احمد فیض نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ مولانا وصی احمد محدث سورتی ہمارے حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے سہارنپور میں ہم سبق تھے۔ دسمبر ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم نعمانیہ لاہور کے اجلاس میں حضرت پیر مہر علی شاہ کی تقریر کے بعد مولانا وصی احمد محدث سورتی کی تقریر کا وقت مقرر تھا۔ منبر پر جا کر صرف ایک حدیث پڑھی اور یہ کہہ کر اتر آئے کہ حضرت پیر صاحب کی تقریر کے بعد منہ کھولنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن بطفیل ان میں ایک حدیث پڑھ دی ہے۔ فاضل بریلوی اعلیٰحضرت احمد رضا خان کا مولانا محدث سورتی سے گہرا رابطہ تھا۔ اور فاضل بریلوی آپ کو الاسد یعنی اہلسنت والجماعت کا شیر فرمایا کرتے تھے۔ [1]

مولانا وصی احمد محدث سورتی کے شاگردوں میں مولانا محمد فاخر الٰہ آبادی۔ مولانا نثار احمد کانپوری، مولانا آزاد سبحانی، مولانا حبیب الرحمٰن مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ مولانا امجد علی۔ مصنف بہار شریعت، مولانا ضیاء الدین۔ حکیم سعید الرحمٰن خان۔ مولانا مقصود حسن خان۔ مولانا عبدالحئی پیلی بھیتی۔ اور مولانا فضل الحق پنجابی سوداگر پیلی بھیت سر فہرست ہیں۔ آپ کی نماز جنازہ فاضل بریلوی اعلیٰحضرت احمد رضا خان نے پیلی بھیت میں پڑھائی۔

---

[1] ۔ مولانا فیض احمد فیض ص ۲۴۲ مہر منیر حیات حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف مطبوعہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی ۱۹۰۹ء

۱۹۱۷ء

۱۹۱۷ء محمد علی جناح کی زندگی میں سیاسی مصروفیتوں اور عظیم تبدیلیوں کا سال ہے۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں میثاقِ لکھنؤ کی منظوری اور اس موقع پر محمد علی جناح کی معرکۃ الآرا تقریر نے اُن کی بصیرت اور شہرت کو ملک کے دوسرے سرے تک پہنچا دیا تھا۔ برصغیر کی سیاسی جدوجہد میں حصہ لینے والے ہر شخص کی نگاہیں اُن کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ کانگریس کے فرقہ پرست اور انتہا پسند عناصر جداگانہ انتخاب کی ہمیشہ سے مخالفت کرتے چلے آئے تھے۔ میثاقِ لکھنؤ میں شامل اس شق کی کانگریس کی جانب سے منظوری ملنے پر بڑے چراغ پا تھے۔ مگر میثاقِ لکھنؤ کی منظوری کے بعد برصغیر میں پیدا شدہ ہم آہنگی، جنگِ عظیم میں برطانیہ کی دلچسپی اور برصغیر کے صوبہ پنجاب کی سیاسی صورتحال نے اُن کی زبانوں پر تالے لگا دیئے تھے۔ اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس وقت زبان کھول گئی تو سوائے بدنامی اور لعن طعن کے اُن کو کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئے اور انہوں نے بدلتے ہوئے حالات کا تماشہ دیکھنے میں ہی اپنی عافیت تصور کی۔ ہوم رول لیگ کے قیام اور مسز اینی بیسنٹ کی گرفتاری نے پورے برصغیر میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ خصوصاً مدراس، بمبئی، احمد آباد، کلکتہ اور سی پی کے علاقوں میں اس گرفتاری پر شدید ردعمل پایا جاتا تھا۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر محمد علی جناح نے ۵ار جون ۱۹۱۷ء کو ہوم رول لیگ میں شرکت کا اعلان کیا اور ۱۵ار جون ہوم رول لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ الٰہ آباد میں ہوم رول لیگ کے زیرِ انتظام ایک زبردست

جلسہ عام ہوا جس میں تقریر کرتے ہوئے محمد علی جناح نے ہوم رول لیگ میں اپنی شمولیت کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے عوام سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ اور کانگریس کے مشترکہ مطالبات کی حمایت کریں کیونکہ ہوم رول لیگ کا مقصد بھی انہی مطالبات کا حصول ہے بمبئی ہوم رول لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ایک اخباری بیان بھی جاری کیا جس میں ہوم رول لیگ کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ایک ہاتھ سے زخم لگانا اور دوسرے ہاتھ سے ان پر مرہم رکھنا، اس منافقانہ حکمت عملی کو وہ لوگ کبھی تسلیم نہیں کر سکتے جن میں ذرا سی بھی عزت نفس موجود ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کچھ لوگ اور جماعتیں عوام کو ہوم رول لیگ کے خلاف بھڑکا رہی ہیں۔ اور یہ کہہ رہی ہیں کہ ہوم رول لیگ کانگریس اور مسلم لیگ کے مطالبوں سے بھی آگے بڑھ رہی ہے۔ بمبئی ہوم رول لیگ کے صدر کی حیثیت سے میں یہ حقیقت دہرانا چاہتا ہوں کہ ہم صرف اتنا چاہتے ہیں اور ہماری تنظیم بھی اس مقصد کے لئے کوشاں ہے کہ لکھنؤ میں اصلاحات کی جو اسکیم منظور کی گئی تھی اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہوم رول لیگ عوام کی تربیت کرتی ہے اور مسلم لیگ و انڈین نیشنل کانگریس غور و خوض کرنے والی جماعتیں ہیں۔

۲۸ جولائی ۱۹۱۷ء کو مسلم لیگ اور کانگریس کا ایک مشترکہ اجلاس بمبئی میں ہوا جس میں محمد علی جناح، سر تیج بہادر سپرو، مسٹر سری نواس شاستری، اور سید وزیر حسن پر مشتمل ایک وفد انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس وفد کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ کانگریس اور لیگ کے متحدہ مطالبات کے حق میں جن کی ۱۹ ممبروں کی قرارداد کے ذریعے مکمل تائید کی گئی تھی۔ برطانوی سیاستدانوں اور رائے عامہ کی حمایت حاصل کی جائے۔ تاکہ ان مطالبات اور سیاسی اصلاحات کے منصوبے کو حکومت برطانیہ سے منظور کرایا جاسکے۔ یہ وفد ستمبر میں انگلستان روانہ ہو گیا۔ اور وہاں اس نے برطانوی مدبرین پر بہت اچھے اثرات ڈالے پھر بھی کچھ انگریز سیاستدان لیت و لعل کی پالیسی پر گامزن رہے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ایسے موقع پر جبکہ برطانوی حکومت

اور وائسرائے کے درمیان اصلاحات کے بارے میں خفیہ خط وکتابت جاری ہے۔ کانگریس، لیگ اور ۱۹ ممبروں نے اصلاحات کی اسکیم کی ناوقت تشہیر کرکے زبردست غلطی کی ہے۔ [1]

۲۰ جولائی ۱۹۱۷ء میں ایک عظیم الشان جلسہ بمبئی کے مرارجی گوکل داس ہال میں ہوا جسکی صدارت بمبئی ہوم رول لیگ کے صدر محمد علی جناح نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں حکومت کے رویہ پر سخت نکتہ چینی کی۔ ہزاروں شہریوں کے اس جلسے میں محمد علی جناح نے بھرپور یقین کے ساتھ کہا کہ ہماری آواز فضاؤں کو چیر کر شملے کی بلندی تک پہنچ جائے گی۔ جہاں وائسرائے دیدہ و دانستہ اپنے وقت پر چپ سادھے بیٹھا ہے جب ہندوستان میں سیاسی بیداری کی لہریں لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں تک اتر چکی ہیں۔

محمد علی جناح کی یہ تقریر ایک زلزلہ کی صورت میں برطانوی ایوانوں میں گونج اٹھی خصوصاً بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن کے لئے بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ ہوم رول تحریک پورے برصغیر میں آندھی طوفان کی طرح چھا گئی۔ اور مدراس سے محمد علی جناح کی آواز سنائی دینے لگی۔ لیکن حکومت مدراس کی طرح جس نے مسز اینی بیسنٹ کو گرفتار کیا تھا بمبئی کی حکومت کوئی فیصلہ کرنے سے مجبور رہی۔ کیونکہ اس وقت محمد علی جناح تین سیاسی جماعتوں سے وابستہ تھے۔ اور در حقیقت وہ پورے ہندوستان کی آواز بنے ہوئے تھے۔ اس لئے باوجود بدکردار مشیروں کی ہمت افزائیوں کے لارڈ ولنگڈن خاموشی سے تمام تر سیاسی حالات کا جائزہ لیتے رہے۔

انگلستان ابھی تک جنگ میں الجھا ہوا تھا۔ اور حکومت برطانیہ مسئلہ ہند سے بہت زیادہ اہم مسائل سے دوچار رہی۔ ۱۱ جولائی ۱۹۱۷ء کو میسوپوٹامیا کمیشن کی رپورٹ کے نتیجے میں وزیر ہند مسٹر آسٹن چیمبرلین مستعفی ہو گئے۔ اور ان کی جگہ مسٹر ایڈون سیموئیل مونٹیگو کو وزیر ہند مقرر کیا گیا۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۴ء تک وزارت امور ہند میں انڈر سیکریٹری رہ چکے تھے۔ ۱۹۱۱ء میں جب وہ ہندوستان کے دورے پر آئے تو انہوں نے تقریر کرتے ہوئے برطانیہ کے وقار کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم اس خوبصورت لفظ کی مدد سے ہندوستان میں اپنی حکومت مستحکم نہیں کر سکتے۔

---

[1] جی الانا صفحہ ۹۵ ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایسے ادارے وہاں قائم کریں جن کے ذریعے انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور رفتہ رفتہ طرز حکومت میں رائے عامہ کے مطابق تبدیلی پیدا کریں محمد علی جناح نے مانٹیگو کے تقرر کا مشروط خیر مقدم کیا۔ اور مطالبہ کیا کہ اس سے قبل کہ مانٹیگو اپنا کام شروع کریں حکومت عام معافی کا اعلان کرے اور تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرے[1]

۲۰ راگست ۱۹۱۷ء کو مسٹر مانٹیگو نے برطانوی دارالعوام میں اپنا وہ مشہور اعلان جاری کیا جس کے متعلق بعض سیاسی نقادوں کی رائے یہ ہے کہ جب سے برعظیم ہند میں انگریزی حکومت قائم ہوئی تھی ایسا اہم اور نتیجہ خیز منشور اب تک جاری نہیں ہوا تھا۔

"مسٹر مانٹیگو نے دارالعوام میں کہا کہ ملک معظم کی حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستان کے نظم ونسق میں اہل ہند کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کا موقع دیا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حکومت خود اختیاری کے اداروں کو بتدریج ترقی دے۔ تاکہ ہندوستان کامل ذمہ دارانہ حکومت کا مالک بن کر برطانوی سلطنت کا ایک جزو بن سکے۔ ملک معظم کی رضامندی سے انکی حکومت نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ مجھکو وائسرائے کی دعوت قبول کرلینا چاہیئے کہ میں ہندوستان جاکر ان معاملات کے متعلق وائسرائے اور حکومت ہند سے بالمشافہ گفتگو کرکے ایک طرف اس ملک کے وائسرائے اور وہاں کی مقامی حکومتوں کے خیالات معلوم کئے جاسکیں اور دوسری طرف ہندوستان کی نمائندہ جماعتوں کے مشوروں سے بھی مستفید ہو سکوں۔[2]

اس اعلان کے ساتھ ہی ہندوستان میں امیدوں کے چراغ روشن ہونا شروع ہوئے کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ناسازگار حالات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وزیر ہند خود ہندوستان آرہے تھے۔ تاکہ اس ملک کے اہل الرائے افراد سے مل کر ذمہ دارانہ حکومت کی بنیاد رکھی جاسکے۔ لارڈ مانٹیگو کے اعلان سے ہندوستان میں متعین برطانوی حکام کو بھی شدید صدمہ پہنچا تھا اور وہ دبے الفاظ میں اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ خصوصاً پنجاب کے گورنر

---

[1] ہکتر لولا بحو صفحہ ۱۰

[2] - ڈبلیو جے آر جے پولڈ صفحہ ۳۸ سادرن ٹاسٹر آف انڈین کانسٹی ٹیوشن ہسٹری۔ کرزن پریس لندن ۱۹۲۳ء

سر مائیکل اوڈوائر اس صورتحال پر بڑے جراغ پا تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ایسے وقت میں جبکہ جنگ میں برطانیہ کی قسمت ڈانواں ڈول ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ جیمسفورڈ اور وزیر ہند لارڈ مینٹیگیو ہندوستانی اصلاحات ایسے بے کار اور بے مصرف کام میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۳ ستمبر ۱۹۱۷ء کو مرکزی مجلس قانون ساز کے اجلاس میں سر محمد شفیع کی ایک تجویز پر جس پر انہوں نے کہا تھا کہ صوبہ بہار اور اڑلیسہ کی طرح پنجاب میں بھی قانون سازی اور انتظامی امور کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے کے بجائے آپس میں ملا دینا چاہیئے پنجاب کے گورنر اوڈوائر نے تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کو سخت برا بھلا کہا اور تعلیم یافتہ طبقہ پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے۔ اس حرکت پر ایوان میں کھلبلی مچ گئی۔ اوڈوائر کی یہ تقریر کافی طویل تھی جس کے دوران کونسل کے ہندوستانی اراکین نے جن پر وہ برس رہا تھا۔ اُسے بار بار ٹوکا لیکن جب وہ اپنی ہٹ سے باز نہیں آیا تو محمد علی جناح، پنڈت مدن موہن مالویہ اور مظہر الحق احتجاجاً ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔[۱]

اس سے قبل محمد علی جناح نے سر محمد شفیع کی قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ قرارداد محدود خواہشات کی آئینہ دار ہے اور میں اس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میرے محترم دوست کو آخر کار اس بات کا خیال آ ہی گیا کہ اُن کا صوبہ ابھی تک نہ صرف بہت سی سہولتوں سے محروم ہے بلکہ اُس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ میں اس قرارداد کی حمایت تو نہیں کر سکتا لیکن مجھے اس صورتحال سے ہمدردی ہے۔ قرارداد میں مسائل کو غیر اطمینان بخش طریقہ پر اٹھایا گیا ہے کیونکہ میرے خیال میں پنجاب کی گورننگ کونسل ہونا چاہیئے اور ایک ہائی کورٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے زیر نگرانی ہونا چاہیئے۔[۲]

۱۷ ستمبر ۱۹۱۷ء کو حکومت نے زبردست احتجاج اور مظاہروں کے پیش نظر مسز اینی بیسنٹ کو رہا کر دیا لیکن ابھی تک مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا حسرت موہانی

---

[۱] ۔ عاشق حسین بٹالوی ص ۸۷ تا ۸۸ اقبال کے آخری دو سال۔ اقبال اکیڈمی پاکستان، کراچی ۱۹۶۱ء

[۲] ۔ رفیق افضل ص ۶۸

اور دیگر مسلمان رہنماؤں کی رہائی کے سلسلے میں کسی قسم کی کارروائی نہیں کی گئی۔

اسی سال برصغیر کے معمر رہنما اور محمد علی جناح کے سیاسی محسن دادا بھائی نوروجی ۹۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

مانٹیگیو کے وزیر ہند مقرر ہو جانے کے بعد برطانیہ کا ایک بہت بڑا رجعت پسند طبقہ اس خوف سے کہ اب ہندوستان میں سیاسی اصلاحات ہو گئی ہیں ہندوستان کے عوام کی سیاسی نا اہلیت، عدم استحقاق اور انتظامی شعور کے فقدان پر کھل کر دلیلیں پیش کرنے لگا۔ برطانوی پریس میں متعدد مضامین ان موضوعات پر شائع ہونے لگے اس مہم میں سب سے پیش پیش بمبئی کے سابق گورنر لارڈ سیڈنہم تھے جنہوں نے ہندوستان میں نفاذ اصلاحات کے سلسلے میں ایک طویل سلسلۂ مضامین شروع کر دیا ہندوستان کے رہنماؤں اور خصوصاً محمد علی جناح کے لئے یہ بات بڑی تشویشناک تھی۔ چنانچہ انہوں نے نومبر ۱۹۱۷ء کو بمبئی میں منعقد ہونے والے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے لارڈ سیڈنہم کو بے نقط سنائیں۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں کہا کہ لارڈ سیڈنہم وہ رجعت پسند ہے جو عرصہ دراز تک ہندوستان کے عوام کا مہمان رہا۔ اور ہندوستان کے خزانے سے بیش قرار تنخواہ وصول کرتا رہا لیکن اب وہ ایک ایسے ایجی ٹیشن کی رہنمائی کر رہا ہے جو کسی بھی معقول آدمی کے لئے باعثِ فخر نہیں ہو سکتی لارڈ سیڈنہم کہتا ہے کہ ہم ہندوستان کے عوام کے ٹرسٹی ہیں۔ جیسے ہی وہ حکومت خود اختیاری کی اہلیت پیدا کر لیں گے ہم حکومت انہیں سونپ دیں گے۔ اس کے برعکس صرف میں یہی جواب دے سکتا ہوں کہ جب ہندوستان کے عوام حکومتِ خود اختیاری کے اہل ہو جائیں گے تو وہ لارڈ سیڈنہم کے پاس بھیک مانگنے نہیں جائیں گے۔

۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو مسٹر مانٹیگیو ہندوستان آئے اور آئندہ اصلاحات کے بارے میں انہوں نے کانگریس اور مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں سے گفت و شنید شروع کی مانٹیگیو کا رویہ نہایت ہمدردانہ اور سلوک بے حد شریفانہ تھا وہ چاہتے تھے کہ نزاع اور

جھگڑے کی کوئی بات نہ ہو اور حکومت اور عوام کے درمیان خوش دلی مناسبت اور خیرسگالی کے جذبات پیدا ہوں۔ مسلمانوں میں جن رہنماؤں نے وزیر ہند سے ملاقات کر کے انہیں اپنے قومی معاملات سے آگاہ کیا اُن میں محمد علی جناح۔ سر محمد شفیع۔ سر فضل حسین۔ سر وزیر حسن سید حسن امام۔ مظہرالحق۔ راجہ محمود آباد۔ ڈاکٹر انصاری۔ مولوی فضل الحق وغیرہ شامل تھے۔ کانگریس کی جانب سے جن رہنماؤں نے لارڈ مانٹیگو سے ملاقات کی اُن میں کرم چند گاندھی موتی لال اور جواہر لال نہرو۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور مسز اینی بیسنٹ شامل تھیں۔ لارڈ مانٹیگو نومبر ۱۹۱۷ء سے اپریل ۱۹۱۸ء تک ہندوستان میں مقیم رہے اور اپنی اصلاحات کو صلاح و مشورہ کے بعد آخری شکل دینے میں لگے رہے۔ مسٹر مانٹیگو نے ہندوستانی رہنماؤں سے اپنی ملاقاتوں کا احوال اپنی ڈائری میں بڑے دلچسپ انداز میں تحریر کیا ہے۔ خصوصاً محمد علی جناح کے بارے میں اُن کی رائے اعتراف صداقت کے مترادف ہے۔

"ان سب لیڈروں کے بعد جناح مجھ سے ملے۔ وہ ابھی جوان ہیں اور آداب مجلس میں پورے ہیں۔ ان سے ملنے والا ان کے چہرے مہرے سے بہت متاثر ہوتا ہے وہ استدلال اور فن بحث میں طاق ہیں۔ انہوں نے اس بات پر بہت اصرار کیا کہ ملک کے سیاسی مستقبل کے متعلق ان کے منصوبہ کو کلیتہً منظور کیا جائے۔ بہ نظر ظاہر مجھے اس میں کئی نقص معلوم ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ وائسرائے کی کونسل کے سب ممبر منتخب شدہ ہوں، اقلیت کو یہ اختیار ہو کہ وہ قانون سازی کی کارروائی میں مخل ہو سکے اور انتظامیہ کو خزانہ پر پورا اختیار ہو۔ لیکن جناح نے ان سب تجویزوں کے حق میں یہ دلیل پیش کی کہ جب تک مکمل خود مختاری نہیں ملتی ان کا منصوبہ عبوری دور کے لئے بہترین حل پیش کرتا ہے لوگ اور کوئی چیز قبول نہ کریں گے۔ اور اگر ان کے سارے مطالبات نہ مانے گئے تو وہ جزوی اصلاحات پر رضامند نہ ہوں گے۔ میں جناح کی بحث سن کر کچھ تھک گیا تھا۔ اور میں نے ان کو ڈرانے کی کوشش کی جس قدر ڈرانے ان کو بحث میں لجھانا چاہا مگر خود الجھ کر رہ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ جناح نہایت قابل شخص ہے اور یہ بڑا ظلم ہے کہ اس کو اپنے ملک میں حکومت کرنے کا کوئی موقع میسر نہیں۔"[۵]

۵۔ ایضاً محمد۔ صفحہ ۱۱۰

دسمبر ۱۹۱۶ء میں ہندوستان کے مسلمانوں نے مولانا محمد علی جوہر کو مسلم لیگ کا جو مسلمانوں کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت تھی صدر مقرر کر کے ان غیر معمولی سیاسی خدمات اور قربانیوں کا اعتراف کیا لیکن گورنمنٹ نے انہیں مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔ تو کرسی پر آپ کی تصویر آویزاں کر دی گئی۔ اور آپ کی جگہ آپکی والدہ بی اماں نے اپنا پیغام عمل پڑھا۔ یہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ اس میں خصوصاً مسلمانوں کے مفادات کے ساتھ ملکی مفادات کے لئے بھی تجاویز پاس ہوئیں۔ ان ہی تاریخوں میں کانگریس کا اجلاس بھی کلکتہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت اینی بسنٹ نے کی۔ لبعدہٗ جب دسمبر ۱۹۱۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کا مشترکہ اجلاس اسی شہر میں شروع ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح دونوں جماعتوں کو یکجا کرنے کے سلسلے میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کرتے دکھائی دیتے۔ انہوں نے دونوں جماعتوں کے رکن ہونے کی حیثیت سے خودمختاری کے مطالبہ کی مکمل حمایت کی۔ مسلم لیگ نے برطانوی حکومت کے اس بیان کے متعلق دو قراردادیں پاس کی تھیں جس میں برطانوی حکومت نے خودمختار اور ذمہ دار حکومت بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں مسلم لیگ کی قراردادوں کی بنیاد پر فرمایا کہ برطانوی حکومت خودمختاری کے وعدہ کو اپنی مرضی یا صرف وہم و گمان پر نہ چھوڑے بلکہ اس کی قانونی ضمانت فراہم کرے۔ اور اسی ضمانت میں وقت کا تعین بھی کر دے۔ اسی تقریر میں آپ کی تقریر کا وہ حصہ جو آپ کے بعد کے نظریات سے میل نہیں کھاتا اور کانگریس پالیسی کا آئینہ دار ہے، درج ذیل ہے۔

"چونکہ ہم اقلیت میں ہیں چنانچہ ایک دن ہندوستان ہندو حکومت میں تبدیل ہو جائے گا۔ میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ اس مسئلے پر میں خاص طور سے اپنے مسلمان دوستوں سے مخاطب ہوں۔ کیا آپ یہ سوچتے ہیں کہ ہندوستان کا ہندو حکومت میں تبدیل ہو جانا ممکنات میں سے ہے؟ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت صرف بلیٹ

باکسنز کی بنیاد پر چلائی جا سکتی ہے۔ یہ آپ اس لئے سوچتے ہیں کہ ہندو اکثریت میں ہیں اور اس لئے مقننہ میں اپنی مرضی چلا کر معاملہ کو ختم کر دیں گے۔ مگر کیا جس معاملے پر بات کروڑ مسلمان متفق نہ ہوں وہ صرف بیلٹ باکس کی بنیاد پر وہ قانون تمام ملک میں جاری و ساری کیا جا سکتا ہے اور کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ ہندو صحیح بھی خود مختاری ملنے کے بعد اپنی گذشتہ تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے اور باشعور ہونے کے باوجود حکومت کے معاملات میں صرف بیلٹ باکس ہی کو بنیاد ٹھہرائیں گے اگر ایسا نہیں تو پھر ڈر اور خوف کس بات کا۔ اس لئے میں اپنے مسلمان دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ خوف زدہ نہ ہوں۔ یہ صرف ایک شیطانی ہوا ہے جسے آپ کے دشمنوں نے آپ کو خوف زدہ کرنے کے لئے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ تاکہ آپ ہندوؤں کے اتحاد سے ہمیشہ خوف زدہ رہیں جو کہ خود مختار حکومت بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ حکومت ہندوؤں کو چلانے کے لئے نہ دی جائے تو مجھے اسی جذبے کے ساتھ یہ کہنے دیجئے کہ اسے مسلمان بھی نہیں چلا سکتے۔ اور انگریز تو قطعی نہیں۔ دراصل یہاں کے اصل حکمراں یہاں کے عوام ہیں۔ اس سرزمین کے بیٹے ہیں۔" [1]

---

[1] مطلوب سید ص ۔

۱۹۱۸ء

۱۹۱۸ء محمد علی جناح کی زندگی کا نہایت اہم سال ہے۔ برصغیر کی سیاست میں پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ محمد علی جناح کی مصروفیتوں میں بھی دن دگنا اور رات چوگنا اضافہ ہو رہا تھا۔ بیک وقت تین سیاسی جماعتوں کی رکنیت اور ہر جماعت کے پلیٹ فارم سے اپنے خیالات کی تشہیر نے اُن کو پورے ہندوستان میں نمائندہ حیثیت کا مالک بنا دیا تھا۔ وہ ہوم رول لیگ کا پلیٹ فارم ہو یا مسلم لیگ اور کانگریس کا متحدہ اجلاس، امپریل لیجسلیٹو کونسل ہو یا حکام سے مذاکرات کا کوئی موقع، محمد علی جناح نے ہر جگہ نہایت جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا۔ مصلحت کوشی یا شعبدہ بازی کا اُن کی زندگی میں کوئی گذر نہیں تھا۔ وہ سچی اور کھری بات کہنے کے عادی تھے۔ اور جب اپنے موقف کا اظہار کرتے تو تمام تر نتائج و عواقب سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ کیونکہ اصولوں پر مبنی بات کہنا اُن کا ایمان تھا۔ اور وہ اس رسم جہاں بانی کو ہمیشہ جزو زبان رکھتے تھے۔

اس سال کے شروع میں محمد علی جناح نے ایک پارسی سر ڈنشا پے ٹٹ کی صاحبزادی رتن بائی سے شادی کر لی۔ یہ شادی ۱۹ اپریل ۱۹۱۸ء کو ہوئی۔ دوسرے بہت سے اخباروں کے علاوہ موقر انگریزی اخبار روزنامہ "اسٹیٹسمین" دہلی نے ۱۱ اپریل ۱۹۱۸ء کو ایک خبر لگائی کہ "مسٹر ڈنشا پے ٹٹ کی اکلوتی صاحبزادی مس رتن بائی کل مشرف بہ اسلام ہو گئیں اور آج ان کا بیاہ آنریبل ایم اے جناح سے رچے گا۔"

محمد علی جناح نے یہ دوسری شادی ۴۲ سال کی عمر میں پہلی شادی کے تقریباً ۲۵ سال بعد

رتن بائی عرف رتی سے کی جنکی شادی کے وقت عمر صرف ۱۸ برس تھی۔ رتن بائی ایک پارسی کروڑپتی گھرانے کی نازونعم میں پلی ہوئی اکلوتی لڑکی تھیں۔ اوران کے والد کا نام سرڈنشا پیٹٹ تھا

گو پارسی گھرانے اپنی مذہبی رجعت پسندی کے باعث غیر پارسیوں سے راہ ورسم نہیں رکھتے لیکن محمد علی جناح اپنی غیر معمولی شخصیت اور ذہانت کی وجہ سے بہت سے ترقی یافتہ اور آزاد خیال گھرانوں میں بے حد مقبول تھے یہاں تک کہ پارسیوں کے کلب یا جماعت خانہ کے وہ مستقل مہمان تھے [1]۔ حالانکہ پارسیوں کے ایسے کلبوں میں کسی غیر فرقہ کے شخص کا مستقل داخلہ ممنوع ہوتا ہے۔ یہیں محمد علی جناح کی ملاقات سرڈنشا پیٹٹ اوران کے افراد خانہ سے ہوئی سرڈنشا پیٹٹ خوددار اور باہمت پارسیوں میں سے تھے جنکی محنت اور کوششوں سے بمبئی کا شہر پھلا پھولا۔ جناح جب اپنے کام سے تھک جاتے تو اکثر سرڈنشا اور انکی بیگم صاحبہ کی نفیس کوٹھی میں انکے ساتھ رات کا کھانا کھاتے اور گپ شپ کیا کرتے جب زیادہ فرصت ہوتی تو وہ سرڈنشا کے پونا (Poona) کے مکان میں آرام اور تفریح کرتے [2]۔

رتن بائی جو عمر میں جناح سے کوئی چوبیس برس چھوٹی تھیں نہایت حسین اور ذہین لڑکی تھیں: دسکیر لولا تھو دونوں گھڑسواری کے بھی شائق تھے۔ اور علی الصبح اپنے جانوروں کو دوڑاتے شہر سے دور جوہو بائی کی بھیلی ریت تک ہوتے گرمیوں کی رخصتیں گذارنے کی خاطر سرڈنشا کا کنبہ مختلف پہاڑوں پر جایا کرتا تھا۔ تو محمد علی جناح بھی اکثر انکی دعوت پر ان کے ساتھ ہوتے۔

رتن بائی کو سماجی کاموں سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ عورتوں کے لئے جدوجہد کرنا اپنا مقصدِ حیات سمجھتی تھیں شروع میں محمد علی جناح سے اِن کی دلچسپی کی بنیاد صرف یہ تھی کہ وہ پبلک پلیٹ فارم کی ایک ممتاز شخصیت تھے۔ اور رتن بائی ان کی صلاحیت کی مداح تھیں [3]

۱۔ بیکر لولا تھو ص ۱۱۳

۲۔ منظور احمد خان ص ۱۰ قائد اعظم کی ازدواجی زندگی مضمون مطبوعہ سیارہ ڈائجسٹ جون [illegible]ء

۳۔ جی الانہ ص ۲۱ ترجمہ رئیس امروہوی۔

لکھنؤ میں منعقدہ دسمبر ۱۹۱۶ء والے لیگ اور کانگریس کے پہلے سنگمی اجلاس کی صدارت جب محمد علی جناح نے کی تو رتن بائی معہ اپنے والدین، اجلاس میں موجود تھیں۔ چوہدری خلیق الزماں نے شاہراہِ پاکستان میں لکھا ہے کہ محمد علی جناح سر ڈنشا کے ساتھ ہی ان کی گاڑی میں اجلاس تک گئے۔ گاڑی میں رتن بائی اور لیڈی پے ٹٹ کے علاوہ عمر سوبانی بھی موجود تھے۔ محمد علی جناح کی اجلاس میں ولولہ انگیز تقریر نے اور اجلاس کی زبردست کامیابی نے رتی پے ٹٹ کو بے حد متاثر کیا۔ اور شاید یہی وہ لمحہ رہا ہوگا کہ رتی پے ٹٹ نے اس اکتالیس برس کے منجھے ہوئے قانون داں، ابھرتے سیاستداں اور ہندو مسلم اتحاد کے داعی کو اپنا آئیڈیل بنالیا ہوگا۔

رتی پے ٹٹ نے جب اپنی اس خواہش کا اظہار اپنے والدین کے سامنے کیا تو انہیں سخت مایوسی اور شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ سر ڈنشا کسی بھی حالت میں ایک غیر پارسی اور دگنی عمر والے شخص کو اپنی بیٹی دینے پر رضامند نہ تھے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور رسمی قیود بھی سدِّ راہ تھیں۔ لیکن جب رتن بائی کی ضد زیادہ بڑھی تو انکے والد نے رتی کے نابالغ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عدالت سے ایک حکم نامہ حاصل کرلیا جس کی رُو سے جناح کا رتی سے ملنا ناممکن ہوگیا۔ لیکن جناح اور رتی دونوں اپنے عہد پر ثابت قدم رہے اور جب رتی پورے اٹھارہ برس کی ہوگئیں تو ۱۹ اپریل ۱۹۱۸ء کو خاموشی اور سادگی سے دونوں کا نکاح ہوگیا۔ نکاح سے ایک دن قبل رتی نے اسلام قبول کیا جسکی خبر "سٹیٹسمین" کے علاوہ قبولِ اسلام کی سرخی کے تحت لاہور سے شائع والے بالائی ہند کے سب سے ثقہ اور غیر سنسنی خیز اخبار "دی سول اینڈ ملٹری گزٹ" مورخہ ۲۱ اپریل میں بھی چھپی [۱] نکاح خالص اسلامی طریقے پر ہوا، علاقے کے عالم نے نکاح پڑھایا اور چند مخصوص اور معتدد دوستوں کی موجودگی اور شہادت میں جن میں راجہ محمود آباد سرِ فہرست ہیں اور اغلباً وہ وکیل بھی بنے تھے۔ اس اللہ کی بندی کی تقریب عقد و رخصتانہ بعد تقدس اتمام و انجام کو پہنچی [۲]۔

---

[۱] - رئیس احمد جعفری [۲] مقصود احمد خان ص ۱۰۵

جنگ میں انگریزوں کی امداد کے سوال پر جو اختلاف رونما ہوا تھا اس نے پورے برصغیر میں ایک سنسنی خیزی پیدا کر دی تھی۔ گاندھی فوج میں ہندوستانی باشندوں کی بھرتی کی پرزور تائید کر رہے تھے جبکہ اس سلسلہ میں تلک کا موقف وہی تھا جو محمد علی جناح کا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ حکومت زبانی یقین دہانیوں کے بجائے اس بات کی ٹھوس ضمانت دے کہ میثاق لکھنؤ کے مطابق ہندوستان کے لئے معقول ومناسب اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔ مسٹر تلک نے ہوم رول لیگ کے جنگی نقطۂ نظر کو پیش کرنے کے لئے انگلستان جانے کی اجازت طلب کی تھی۔ لیکن حکومت نے ان کو اجازت نہیں دی چنانچہ ۸ اپریل کو محمد علی جناح نے بمبئی کے ایک جلسہ میں حکومت کے اس اقدام کی سخت مذمت کی اور کہا کہ جنگِ عظیم سلطنتِ برطانیہ کے لئے اگر زندگی وموت کا مسئلہ ہے تو حکومت ہند کی دستوری اصلاحات کا سوال ہندوستان کے عوام کے لئے بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ محمد علی جناح نے اس سلسلہ میں وائسرائے کو ایک تار بھی ارسال کیا لیکن جب کوئی سودمند نتائج برآمد نہ ہوئے تو انہوں نے ۲۴ اپریل ۱۹۱۸ء کو ایک اخباری بیان جاری کیا جس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا کہ کوئی محکوم قوم اس جذبہ اور قوت کے ساتھ دوسروں کے لئے جنگ نہیں کرسکتی جس قدر قوت اور جذبہ کے ساتھ ایک آزاد قوم اپنی اور دوسروں کی آزادی کے لئے جنگ کرسکتی ہے۔ کانگریس اور لیگ کی اسکیم کے تحت مقررہ مدت کے اندر اندر ہندوستان میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائے۔ اور اس سلسلے میں فوری طور پر پارلیمینٹ کے سامنے ایک بل پیش کیا جائے۔ اگر ہم سے خلوص برتا گیا تو ہم بھی خلوص سے کام لیں گے۔ ہم سے مطالبات کئے جارہے ہیں لیکن اس کے عوض کچھ دیا نہیں جارہا۔ ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ بدگمان نہ ہوں لیکن اس کے عوض کچھ دیا نہیں جاتا۔ حکومت ہمیں صرف اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ ہم آزادی کے پرچم تلے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ آزادی سے کم کسی قیمت پر ہمارے عوام جنگ میں حصہ نہیں لیں گے اور ہمارے دیس کی عورتیں قربانی نہ دیں گی۔[1]

---

[1] ۔ جی الانہ ص ۱۳۸ ، ترجمہ رئیس احمد جعفری۔

پہلی جنگِ عظیم پوری شدت کے ساتھ جاری تھی۔ انگریزی فوجیں جرمنی کی افواج کے سامنے بعض مقامات پر بے بس ہو رہی تھیں۔ اس موقع پر برطانوی حکومت کی ہر ممکن کوشش یہ تھی کہ ہندوستان کے عوام اور ارباب دولت اُس کی زیادہ سے زیادہ امداد کریں اس مقصد کے لیے وائسرائے نے ایک "وار کونسل" قائم کی اور گورنروں کی زیر نگرانی صوبائی وار کونسلیں قائم کی گئیں۔ درحقیقت ان کونسلوں کے قیام کی وجہ یہ تھی کہ برطانوی حکومت ہندوستان کے سیاسی رہناؤں کے ذریعے عوام کا تعاون حاصل کرنا چاہتی تھی تاکہ لوگوں کو بڑی تعداد میں فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی جا سکے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو دہلی میں قومی وار کونسل کا اجلاس وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں محمد علی جناح نے ایک تجویز پیش کی جس میں عوام کی طرف سے حکومت کی امداد کا یقین دلایا گیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس امر پر بھی زور دیا گیا تھا کہ ملک میں دستوری اصلاحات کا نفاذ بھی عمل میں لایا جائے۔ دراصل محمد علی جناح کا مقصد انگریزوں کی مشروط امداد تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ فتح یاب ہندوستانی سپاہی ہوں اور فتح و ظفر کے ثمرات سے انگریز لطف اندوز ہوں۔ محمد علی جناح کی یہی سوچ تھی جس نے آنکو عوام کے درمیان بے پناہ مقبولیت عطا کی۔ وار کونسل میں محمد علی جناح کی اس تجویز پر وائسرائے نے پس و پیش کا اظہار کیا اور جب محمد علی جناح نے اپنی تجویز کے حق میں دلائل دینا شروع کیے تو وائسرائے نے دلائل پیش کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا محمد علی جناح نے وائسرائے کی اس رولنگ کو نظرانداز کرتے ہوئے نہایت سخت الفاظ میں برطانوی طرزِ عمل کی مذمت کی حالانکہ اُس وقت ہندوستان کے بیشتر رہنما جن میں مسٹر گاندھی، مہاراجہ جام نگر اور من موہن داس شامل تھے حکومت کی غیر مشروط امداد کے لیے تیار تھے مسٹر گاندھی نے تو وائسرائے کو یہاں تک یقین دہانی کرا دی تھی کہ دورانِ جنگ ہوم رول یا ذمہ دار حکومت کا نام بھی نہیں لیں گے۔

۱۰ جون ۱۹۱۸ء کو بمبئی کے ٹاؤن ہال میں صوبائی وار کونسل کا اجلاس ہوا اس اجلاس

کی صدارت بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں ہوم رول لیگ کے اراکین کے رویہ پر کڑی تنقید کی اور کہا کہ یہ لوگ موقع سے فائدہ اٹھا کر حکومت کے لئے مشکلات اور پریشانیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ لارڈ ولنگڈن کے بغیر نام لئے محمد علی جناح کے رویہ پر بھی کیچڑ اچھال۔ انہوں نے کہا کہ ہر ملک کی سیاسی زندگی میں کچھ ایسے انتہا پسند عناصر ہوتے ہیں جو عام طور پر حکومت کی مخالفت میں پیش پیش رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں امید ظاہر کی کہ اتحادیوں کے موقف کی حمایت میں جو سرکاری قرارداد پیش کی گئی ہے سو باقی کونسل اُسے اتفاق رائے سے منظور کرے گی۔

لارڈ ولنگڈن کی تقریر کے جواب میں ہوم رول لیگ کے رہنما مسٹر تلک کھڑے ہو گئے اور انہوں نے سرکاری قرارداد میں ترمیم پیش کرنا چاہی لیکن لارڈ ولنگڈن نے اُسے بے ضابطہ قرار دے کر تلک کو خاموش رہنے کا مشورہ دیا مگر تلک نے یہ کہکر کہ ہوم رول کے بغیر ہندوستان کے دفاع کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ محمد علی جناح جو اس اجلاس میں موجود تھے اور تلک کے موقف سے پوری طرح متفق تھے انہوں نے کونسل سے واک آؤٹ نہیں کیا کیونکہ وہ اپنی بات کہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے گنوانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ جب دوبارہ کونسل کے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو وہ تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مرحلہ کتنا ہی نازک کیوں نہ ہو ہر ہندوستانی اس بات پر متفق ہے کہ ہندوستان کو سیاسی ترقی حاصل کرنا چاہیئے۔ لیکن قبل اس کے کہ میں آگے بڑھوں لارڈ ولنگڈن کے اُس طرز عمل کی مذمت کرنا چاہتا ہوں جس سے مجھے قلبی اذیت ہوئی ہے۔ وہ ہوم رول لیگ کے رہنماؤں کے اخلاص اور صداقت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں مجھے اس طرز عمل اور طرز کلام پر بہت افسوس ہے۔ ہم اپنے ملک کے دفاع کے لئے بے چین ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ حکومت سپاہیوں کی بھرتی چاہتی ہے اور ہم قومی فوج کا قیام چاہتے

ہیں۔ محمد علی جناح نے کونسل کے اجلاس میں شریک مہاراجہ جام نگر اور سوہن داس کی طرف سے پیش کی جانے والی تجویزوں کی بھی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ فی الوقت حکومت کی تائید کر کے بعد میں اپنے مطالبات کو تسلیم کرانے کی امید رکھنا سودا نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم اُس وقت تک حکومت کی کوئی مدد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ لارڈ ولنگڈن نے اس مرحلہ پر محمد علی جناح کو ٹوکا اور کہا کہ اگر مقرر کو حکومت پر کوئی اعتراض ہے تو وہ اس کی شکایت دہلی یا شملہ جا کر کرے کیونکہ میں ان معاملات کو براہِ راست حل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ محمد علی جناح نے کہا کہ اگر صوبہ کی حکومت ہمارا تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے تو اُسے ہم پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ ہم اس طرزِ عمل سے قطعی متفق نہیں ہیں۔ جو حکومت نے اپنی تجویز کے تعاون کے لئے اختیار کر رکھا ہے۔ اس پر لارڈ ولنگڈن نے ایک مرتبہ پھر کہا کہ مقرر صدر کی رولنگ پر بحث نہیں کر سکتے۔ لیکن محمد علی جناح برابر تقریر کرتے رہے اور انہوں نے کہا کہ ہم سرکاری تجویز کی حمایت نہیں کر سکتے۔ ہمارا یہ فیصلہ ہے اور اگر ہمارا تعاون درکار ہے تو ہم پر بھروسہ کرو۔ محمد علی جناح نے صدر کی رولنگ پر بھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ یہ ایک ایسا فیصلہ اور حکم ہے جو دستورد آئین کی دنیا میں بالکل انوکھا اور نرالا ہے اور میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

اپنی تقریر مکمل کرنے کے بعد محمد علی جناح بھی کونسل کے اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے۔ محمد علی جناح کے اس اقدام نے محبِ وطن عناصر اور غیر ملکی استعمار اور جبری فوجی بھرتی کے خلاف جدوجہد کرنے والے عوام کے دل جیت لئے۔

۱۶ر جون ۱۹۱۸ء کو بڑے تزک و احتشام سے ہوم رول ڈے منایا گیا اور گورنر بمبئی کے رویہ پر احتجاج کے لئے شام کو شانتا رام چالی میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا گیا جس کی صدارت کے لئے گاندھی کو دعوت دی گئی۔ اس دن پورے شہر میں ہڑتال رہی اور کارکن ہوم رول لیگ کے بیج لگائے شہر کی سڑکوں پر گشت کرتے رہے ایک جلوس بھی برآمد ہوا جس

میں خواتین بھی شامل تھیں۔

شام کو جلسے میں تقریر کرتے ہوئے محمد علی جناح نے صوبائی وار کانفرنس میں لارڈ ولنگڈن کے رویہ کی شدید مذمت کی اور کہا کہ ہوم رول لیگ کے اراکین نے طے کر لیا ہے کہ جس جلسے میں صدارت لارڈ ولنگڈن کریں گے ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے۔ محمد علی جناح نے کہا کہ لارڈ ولنگڈن نے الزام لگایا ہے کہ ہوم رول لیگ والوں کی تائید نیم دلانہ ہے میرا جواب یہ ہے کہ تمہاری پالیسی تو نیم دلانہ بھی نہیں ہے۔ نیم دلانہ کم ہے تم قوم کے ساتھ کھیل رہے ہو، اسے بیوقوف بنا رہے ہو۔ تم بالکل مخلص نہیں ہو۔ تمہاری پالیسی، تمہارا رویہ، تمہارا طرزِ عمل سب غلط ہے۔

محمد علی جناح کی اس تقریر نے لارڈ ولنگڈن کی رہی سہی عزت کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اور گورنر بمبئی نہ صرف بمبئی کے عوام بلکہ خود اپنی حکومت کی نظر میں بھی اس قدر مطعون ہوا کہ جب اسی سال اس کی گورنری کی میعاد مکمل ہونے لگی تو وائسرائے نے اُس کی اس مدت میں مزید اضافہ کو ناقابلِ عمل قرار دیدیا۔

۳ جولائی ۱۹۱۸ء کو مسٹر گاندھی نے محمد علی جناح کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے محمد علی جناح سے اپیل کی کہ وہ بھرتی کے سلسلے میں ایک واضح اعلامیہ جاری کریں اور اسکی حمایت کریں کیونکہ ایک ایسے وقت میں جبکہ ہم ہندوستان میں آئینی اصلاحات کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ہمیں متحد ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہم مؤثر طریقہ پر کانگریس لیگ اسکیم کی کامیابی کے لئے جدوجہد کر سکیں[۱] محمد علی جناح کی جانب سے اس خط کا جواب دیا گیا یا نہیں۔ اس بات کا ریکارڈ سے کوئی پتہ نہیں چلتا لیکن قرینِ قیاس ہے کہ آئندہ چند دنوں کے بعد مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ کے اعلان نے دونوں رہنماؤں کی حکمتِ عملی میں بڑی نمایاں تبدیلی واقع کر دی ہوگی اور خصوصاً محمد علی جناح نے اس خط کو اپنے مؤقف کے پیشِ نظر صرفِ نظر دلوانے کی بڑ لقصور کیا ہوگا۔

---

[۱] سید شریف الدین پیرزادہ ص۸۔ قائداعظم جناح کا رسپانڈنس مطبوعہ گلڈ پبلشنگ ہاؤس ۱۹۶۶ء

مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ ۸ جولائی ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی یہ رپورٹ یو پی کے ایک آئی سی ایس سر ولیم مورس کی لکھی ہوئی تھی۔ ویسے بھی انگریزی زبان سیاسی اظہار خیال کے لئے لاجواب ہے مگر یہ رپورٹ اس فن تحریر کا بڑا شاہکار ہے اس رپورٹ کو ضبط تحریر میں لانے کے صلے میں سر ولیم مورس صوبہ متحدہ کے لیفٹیننٹ گورنر ہو گئے۔ اصلاحات کے بارے میں رپورٹ میں انتظامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ تقسیم دو عملی کے اصول پر بنائی گئی جس سے مالیہ کے لئے ایک ممبر گورنر کی ماتحتی میں مقرر ہوگا۔ اور اس طرح قانون کے تحت پولیس کا ایک ممبر گورنر کی ماتحتی میں ہوگا جن پر کونسل کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ دوسرے امور جیسے میونسپلٹیاں محکمہ تعلیم وغیرہ کے لئے گورنر وزراء مقرر کرے گا۔ مگر کونسل کو اختیار ہوگا کہ وہ ان کے اعمال و افعال پر کونسل میں بحث کر سکے۔ اور اگر ان پر عدم اعتماد کی تجویز کونسل سے پاس ہو تو وہ برطرف کر دیئے جائیں گے! اور ان کی جگہ گورنر دوسرے وزراء کا تقرر کرے گا۔ مسلم لیگ اور کانگریس کی تجاویز میں کہا گیا تھا کہ وزراء کو ہٹانا گورنر یا کونسل کے اختیار میں نہ ہوگا۔ اس تجویز کو حکومت نے نہیں مانا اور کم از کم کونسل کو اختیار دیا گیا کہ وہ وزراء کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پاس کر سکتی تھی۔[1]

رپورٹ کی اشاعت سے سیاسی رہنماؤں کے اختلافات کھل کر سامنے آئے کیونکہ بعض کی نظر میں یہ رپورٹ بڑی جامع اور روشن امکانات کی حامل تھی جبکہ اکثر اس کو اُن تجاویز کے بالکل منافی تصور کرتے تھے جو سیاسی رہنماؤں نے مانٹیگو کے دورۂ ہندوستان میں اُن سے ملاقات کے دوران پیش کی تھیں۔ بس تذبذب اور بے یقینی کی فضا میں صرف محمد علی جناح پہلے رہنما تھے جنہوں نے اس رپورٹ پر کھل کر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے ۲۳ جولائی ۱۹۱۸ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے عوام کو بتایا کہ اس رپورٹ میں کن اصولوں اور تجاویز سے روگردانی کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میثاقِ لکھنؤ ہندوستان کے عوام کی خواہشات اور امنگوں کا متحدہ منشور ہے اور اس رپورٹ میں اس منشور کی بہت سی تجاویز

---

[1] چوہدری خلیق الزماں صفحہ ۲۲۰

کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کی بنا پر اس رپورٹ کو اطمینان بخش قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اسے بالکل مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس میں مزید رد و بدل کی گنجائش موجود ہے جو ایک مقررہ مدت میں کی جا سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم اسکو ایک عبوری رپورٹ تصور کرتے ہوئے قبول تو کر سکتے ہیں لیکن اس پر مکمل تکیہ نہیں کر سکتے۔ محمد علی جناح نے اپنے اس بیان میں کونسل کے ۱۹ اراکین کے دستخطوں سے جاری ہونے والی یادداشت کی روشنی میں رپورٹ کے ایک ایک حصے کا بڑی تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا اور حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ اس رپورٹ پر نظر ثانی کرے تاکہ اس کو عوامی امنگوں اور خواہشات کا آئینہ دار بنایا جا سکے۔

اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد ۲۹ اگست ۱۹۱۸ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کا ایک خصوصی اجلاس بمبئی میں بہار کے رہنما سید حسن امام کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اعتدال پسند کانگریسی اراکین نے شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کیا جس کی بنا پر چند دن کے لئے اجلاس ملتوی کر کے اعتدال پسند اراکین سے مذاکرات کئے گئے اور انہوں نے بعد میں اس اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں گاندھی بھی اپنی علالت کے سبب شرکت نہ کر سکے تھے۔ اجلاس میں رپورٹ کو تشنہ، غیر اطمینان بخش اور مایوس کن قرار دیا گیا۔ لیکن ایک قرارداد کے ذریعہ اس امر پر زور دیا گیا کہ ان اصلاحات کی نوک پلک درست کر کے ان کو قابل عمل بنایا جا سکتا ہے کانگریس کے اعتدال پسند اراکین نے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں بمبئی شہر میں اپنا اجلاس طلب کیا اور انہوں نے بھی اسی قسم کی ترامیم کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے رپورٹ کی مذمت نہیں کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا بھی ایک خصوصی اجلاس اسی ماہ بمبئی میں منعقد ہوا جس کی صدارت مہاراجہ محمود آباد کر رہے تھے۔ مسلم لیگ نے بھی اپنے اجلاس میں اسی قسم کی قراردادیں منظور کیں۔

اسی سال ستمبر میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا اجلاس شروع ہوا جس میں یہ رپورٹ زیر بحث آئی اجلاس میں دو کمیٹیاں مقرر کی گئیں تاکہ وہ اس رپورٹ میں نظر انداز کی جانے والی تجاویز کے سلسلے میں مناسب سفارشات پیش کر سکیں۔ کونسل میں ۷ ستمبر کو سر سریندر ناتھ بینرجی

نے ایک قرارداد پیش کی جس پر تقریر کرتے ہوئے محمد علی جناح نے ان اصلاحات کو خود مختار حکومت کے قیام کی جانب ایک غیر اطمینان بخش قدم قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ صوبوں کی طرح مرکز میں بھی اصلاحات کا نفاذ کیا جائے۔ محمد علی جناح نے ۹ اور ۲۳ ستمبر کو بھی مسٹر جی ایس کھاپرڈے کی قراردادوں پر تقریر کی۔

اسی سال کے آخر میں لارڈ ولنگڈن کی میعاد گورنری ختم ہو رہی تھی چنانچہ چند الغام یافتگان کی ایک جماعت ٹائمز آف انڈیا کے ایڈیٹر مسٹر اسٹینلے ریڈ کی زیر صدارت بنائی گئی جس نے شیرف بمبئی سے درخواست کی کہ وہ سبکدوش ہونے والے گورنر کے اعزاز میں اہالیانِ صوبہ بمبئی کے نام سے ایک جلسہ کا انتظام کرے تاکہ اس میں اس کی یادگار قائم کرنے کے مسئلے پر غور و خوض کیا جا سکے۔

محمد علی جناح نے اہالیان صوبہ بمبئی کی جانب سے ایک خط جس پر ۲۹ اکابر کے دستخط تھے مسٹر اسٹینلے ریڈ کے نام بھیجا اور اسے اطلاع دی کہ ہم مخالفین اس جلسے میں شرکت کریں گے تاکہ آئینی طریقے سے ہز ایکسیلینسی کو اہالیانِ صوبہ کے نام سے سپاسنامہ پیش کرنے۔ ان کے عہد حکومت کو سراہنے، بمبئی کے گورنر کی حیثیت سے ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے یا اس کی یادگار قائم کرنے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اس وقت بمبئی کرانیکل اپنے وقت کا سب سے نڈر اور قومی تحریک کا بڑا علمبردار تھا اس نے متعلق مضامین کے ذریعے لارڈ ولنگڈن کے عہد حکومت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اور ساتھ ہی اس نے ۱۹۱۵ء میں آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس ایک ہی مقام پر منعقد کرنے کے سلسلے میں مسٹر جناح کی خدمات کو بھی خوب سراہا۔[۱]

آخر کار وہ دن آ گیا جب شیرف کے اعلان کردہ جلسہ کا دن تھا یعنی ۱۱ دسمبر ۱۹۱۸ء۔ یہ جلسہ ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا جو الفنسٹن سرکل کے سامنے واقع ہے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا اس لئے کہ وہ طاغوتی قوتوں کے خلاف اس دور کا سب سے زبردست اور پر امن مظاہرہ تھا۔

---

[۱] ضیاء الدین احمد برنی۔

جلسے سے ایک دن قبل رات کے دس بجے سے ولنگڈن کے مخالف ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں پر جمع ہونا شروع ہوگیا۔ حکومت کو ان کے منصوبوں کی خبر مل گئی تھی اور پولیس کا مضبوط دستہ اس وقت ہال کے باہر موجود تھا۔ دوسرے دن صبح دس بجے یعنی جب ہال کھلنے والا تھا جناح اور ان کے ساتھی جن میں مسٹر جمنا داس۔ بی جی ہارنیمن۔ دوارکا داس۔ عمر سوبانی، ایل آر ٹیرسی۔ اپکے تیلنگ۔ بسنیہ حسین اور پورشن جوزف وغیرہ شامل تھے۔ موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور فوراً مظاہرین کی قطار کے اگلے سرے پر جاکر اپنے ان ساتھیوں کی جگہیں لے لیں جو رات بھر وہاں کھڑے رہے تھے۔ اس کے بعد نشستوں کے لئے لڑائی شروع ہوگئی۔

جلسے کے باہر محمد علی جناح کی نئی نویلی رتن بائی حیات علم بغاوت لئے اپنے شوہر کے ساتھیوں کو مجتمع کرتی رہیں۔ اور جلسہ شروع ہونے سے لے کر ختم ہونے تک سیڑھیوں پر رضا کاروں کی رہنمائی میں مصروف رہیں۔ اندر ہال میں اگلی اور پچھلی صفوں پر ہنگامہ صبح دس سے لیکر شام پانچ بجے تک جاری رہا جس میں محمد علی جناح کے ساتھی اگلی صفیں گھیرنے میں کامیاب رہے۔ ٹھیک ساڑھے ۵ بجے بمبئی کا شیرف پولیس کی معیت میں ہال میں داخل ہوا اور جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ شیرف جونہی خطاب کرنے کھڑا ہوا ہنگامہ اور بڑھا۔ شرم شرم کے نعروں سے ہال گونج اٹھا۔ ایک پارسی صاحب سر جمسیٹ جی جیجی بھائی جلسے کے صدر منتخب ہوتے۔ لیکن مظاہرین نے انہیں نہیں کے شور سے یہ رسمی کارروائی بھی بے معنی بنادی۔ سرکار کے حامیوں نے حقارت آمیز چیخیں نکالنا شروع کردیں۔ اور ولنگڈن کے مخالفوں کو للکارنے اور گالیاں دینے لگے۔

بعد میں حکومت کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ جلسے میں ایک قرارداد منظور ہوئی تھی جس میں لارڈ ولنگڈن کی تعریف کی گئی تھی۔ اور ان سے وفاداری کا اظہار کیا گیا تھا لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہال میں جو ہنگامہ برپا تھا اس میں قرارداد نہ سنی گئی نہ منظور

ہوئی اور جلسہ ختم اس طرح ہوا کہ کمشنر نے پولیس کو حکم دیا کہ وہ فوراً ہال خالی کرائیں۔ اس کے بعد پولیس اور حاضرین میں جو دھینگا مشتی ہوئی اس میں جناح پر بھی مار پڑی

ہال کے باہر پبلک ہزاروں کی تعداد میں اپنے محبوب لیڈروں کا استقبال کرنے کے لئے تیار کھڑی تھی چنانچہ ان کے باہر نکلتے ہی خوب نعرے لگائے گئے۔ مسٹر جناح اور ہارنیمن یہ دونوں افراد لیڈروں میں سب سے ممتاز نظر آرہے تھے۔ اس لئے کہ دونوں غیر معمولی طور پر لمبے قد کے تھے اور دور سے بھی باآسانی نظر آسکتے تھے۔ پبلک نے ہارنیمن کو کندھوں پر اٹھالیا بعد پھر سب جلوس کی شکل میں اپالو اسٹریٹ میں ایک بیمہ کمپنی کے دفتر کے سامنے جمع ہوئے۔ جہاں ہارنیمن کے علاوہ محمد علی جناح نے زندگی میں پہلی بار اور آخری بار ایک جذباتی تقریر کی۔

"دوستو! بمبئی کے شہری تم ہو (وہ نہیں جو ولنگڈن کو الوداع کہنے ٹاؤن ہال میں جمع ہوئے تھے) آج تمہاری کامیابی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک مطلق العنان حکمران اور اس کی حکومت کے کارندے سب مل کر بھی تمہیں نہ ڈرا سکے۔ ۱۱ دسمبر کا دن بمبئی کی تاریخ میں بڑا مبارک دن ہے دوستوں جاؤ اور جمہوریت کی اس شاندار کامیابی پر خوشیاں مناؤ۔"

اسی شام کو شانتا رام چالی میں ایک بہت بڑا جلسہ شہریوں کی طرف سے منعقد ہوا، جس میں محمد علی جناح کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ لارڈ ولنگڈن، شیرف اور پولیس کی جانب داری کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی گئی۔

مطلوب الحسن سید نے محمد علی جناح کی سیاسی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اس کامیابی نے محمد علی جناح کو راتوں رات عوام کا ہیرو بنا دیا۔

اس واقعے کے تیسرے دن بمبئی کے ایک مشہور پارسی اٹارنی مسٹر بی ڈی لام نے بمبئی کرانیکل میں ایک طویل خط شائع کرایا۔ جس کے ذیل میں دیئے گئے اقتباسات سے

لکھنے والے کے جذبات کا دلی اندازہ ہوتا ہے۔

"مکرمی۔ کل کے جلسے کی رپورٹ میں نے بڑی عزت و احترام سے پڑھی۔ مسٹر جناح کی بلند حوصلہ اور بے باک قیادت جس نے ہماری قومی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے ہر اعتبار سے قابلِ تحسین ہے۔ اس میٹنگ کے نتائج کو مدنظر رکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی شخص حقیقی معنوں میں میموریل کا حقدار ہے تو وہ صرف جناح ہیں جن کی بے خوف قیادت میں ہمارے مرحوم لیڈر دادا بھائی نوروجی اور گوپال کرشن گوکھلے کی روح جلوہ گر نظر آتی ہے ہمیں اسی ٹاؤن ہال میں مسٹر جناح کا مجسمہ نصب کرنا چاہیئے جہاں انہوں نے اس نام نہاد پبلک میٹنگ کے ظلم و تشدد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا ہمیں اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے اور مسٹر جناح کے نمایاں شان خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہیئے۔ مسٹر لام کی اس تجویز کو اہالیانِ بمبئی نے بلا تفریق مذہب و ملت ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور چند ہی دنوں میں ۳۰ ہزار روپے کی خطیر رقم جمع کرلی جس سے مجسمہ کے بجائے ایک ہال کی تعمیر مناسب سمجھی گئی۔ چنانچہ لنگٹن روڈ کے قریب کانگریس ہاؤس کے کمپاؤنڈ کے اندر ایک ہال تعمیر کیا گیا جس میں تقریباً پانچ ہزار آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔

ہال کی دیوار پر سنگ مرمر کا ایک کتبہ بھی نصب ہے اور اس پر "جناح پیپلز میموریل ہال" کندہ ہے جو لوگوں کو آج بھی بمبئی کے شہریوں کی اس تاریخی فتح کی یاد دلاتا ہے۔ اس ہال نے زمانے کے بڑے سرد و گرم دیکھے۔" اس ہال نے تحریکِ آزادی میں بھی بڑا نمایاں حصّہ لیا۔ اور سول نافرمانی کے زمانے میں تو پولیس نے کئی بار اس ہال پر قبضہ بھی کیا۔[1]

اس واقعے کے کئی سال بعد جان گنتھر نے اپنی کتاب "انسائیڈ ایشیا" میں لکھا: "لیکن اب کانگریسی اس ہال کو صرف پی جے ہال کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں سے ان کے اختلافات اتنے شدید ہیں کہ وہ جناح کا نام تک استعمال کرنا نہیں چاہتے۔"

اس سال مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر کے اواخر میں دہلی میں بنگال کے رہنما جناب

---

[1] ضیاء الدین احمد برنی۔

اے فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ اس اجلاس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر ڈاکٹر انصاری تھے ۔ آل انڈیا کانگریس کا جلسہ بھی حسب دستور دہلی میں پنڈت مدن موہن مالویہ کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ کانگریس استقبالیہ کمیٹی کے صدر حکیم اجمل خاں تھے ۔ مسلم لیگ کے جلسے میں راجہ صاحب محمود آباد ، عمر سوبانی ، محمد یعقوب ، مولانا محمد اکرم خان ، مولانا منیر الزماں ، جناب عبدالعزیز ، آ ، فاصفدر ، مولانا عبدالقادر قصوری ، مولانا ظفر علی خاں کے علاوہ علماء میں مولانا عبدالباری ، مولانا آزاد سبحانی ، مولانا ابراہیم سیالکوٹی ، مولانا ثناء اللہ امرتسری ، مولانا احمد سعید مفتی کفایت اللہ ، مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبداللطیف شریک تھے ۔ نواب سر یامین خان نے اپنی سوانح نامۂ اعمال میں لکھا ہے کہ اس اجلاس میں شرکت کے لئے محمد علی جناح بھی بمبئی سے دہلی تشریف لائے تھے اُن کے ہمراہ اُنکی اہلیہ بھی تھیں اور یہ لوگ دہلی کے میڈنس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے ۔[1] ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے تالیوں کی گونج میں خطبۂ استقبالیہ پڑھا جس میں حکومت کے رویہ کی سخت مذمت اور جنگ کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے تحفظ کی ضمانت دینے کا مطالبہ کیا گیا ۔ اس خطبہ کا ایک ایک لفظ زہر میں بجھا ہوا تھا تمام رہنما سامت و ساکت بیٹھے ہوئے تھے جبکہ عوام خطبہ کی صاف گوئی پر برابر نعرۂ تحسین بلند کر رہے تھے ۔ خطبہ کے اختتام پر دن کا اجلاس بھی ختم ہو گیا ۔ لیکن دوسرے ہی دن حکومت نے بحق سرکار ڈاکٹر انصاری کا خطبہ ضبط کر لیا ۔ شب کو مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس حکیم اجمل خاں کے مکان پر ہوا جس میں ڈاکٹر انصاری نے ترکی اور خلافت کی بقا کے سلسلے میں ایک طویل قرارداد پیش کی جس کے بارے میں محمد علی جناح نے ایک قانونی اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کے دستور کے مطابق ہم انگریزوں کی خارجہ پالیسی کے متعلق کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتے ۔ محمد علی جناح کا اعتراض بڑا وقیع تھا ۔ لیکن مسلم لیگ کے بیشتر اراکین ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمنی اور ترکی کی جانب سے ہتھیار ڈال دینے کے اعلان کے بعد سے بڑے دل برداشتہ

[1] نواب سر یامین خان ۔ نامۂ اعمال ۔ آئینہ ادب لاہور ، مطبوعہ ۱۹۷۰ء ۔

تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اور قرار داد منظور کر لی گئی۔ محمد علی جناح چونکہ اصولی آدمی تھے اس لئے انہوں نے اس کو دستور کی خلاف ورزی تصور کیا۔ اور جلسہ سے اٹھ کر چلے گئے۔ اُن کے ہمراہ جلسے میں سے جانیوالوں میں راجہ صاحب محمود آباد بھی تھے۔

۱۹۱۹ء

رتن بائی شادی کے بعد محمد علی جناح کے ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر واقع مکان میں چلی آئیں یہ مکان گذشتہ کئی سالوں سے محمد علی جناح کے ایک پرانے خدمتگار "دسن" کے رحم وکرم پر تھا۔ رتن بائی کے اس مکان میں منتقل ہونے کے بعد جہاں محمد علی جناح کی ۲۱ سالہ بے برگ و بار زندگی میں مسرت و شادمانی کے گلاب کھلنے لگے وہاں اس مکان کی بھی قسمت بدل گئی۔ رتن بائی نے اس مکان کو اپنے ذوق کے مطابق انتہائی سلیقے سے آراستہ کیا۔ محمد علی جناح کو اپنی پیشہ ورانہ اور سیاسی مصروفیتوں کی بناء پر اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ان باتوں کی طرف توجہ کر سکیں۔ اس لئے رتن بائی کے علاوہ کرن مکان کی آرائش کا خیال رکھا۔ انہوں نے مصوری کے بہت سے نمونے اور نوادرات خریدے تاکہ اس مکان کو تھوڑے سے ردوبدل اور اضافہ کے ساتھ اپنے عظیم شوہر کے شایان شان بنا سکیں۔ محمد علی جناح کا پرانا ملازم اب بھی ان دونوں کے درمیان موجود تھا۔ لیکن اب محمد علی جناح کو اُسے کسی کام کے لئے ہدایات دینا نہیں پڑتی تھیں کیونکہ رتن بائی نے بہت جلد اپنے شوہر کے مزاج اور طبیعت کا اندازہ کر کے گھر کو اس قدر باسلیقہ کر دیا تھا کہ محمد علی جناح کو اکثر یہ سوچنا پڑتا کہ وہ خانگی معاملات میں اپنا سابقہ عمل دخل کس انداز میں برقرار رکھیں۔

رتن بائی کا تمام تر وقت گھریلو کام کاج میں گذرتا پھر شام کو جب محمد علی جناح گھر واپس آتے تو دونوں افراد مکان کے لان میں بید کی آرام کرسیوں پر بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف ہو جاتے محمد علی جناح اپنی دلہن کو عدالتی مصروفیات کے قصے سناتے اور وہ وکیلوں کی بے وقوفیوں اور اپنے شوہر کی حاضر جوابیوں پر خوب قہقہے لگاتیں لیکن اسی دوران اگر کچھ پرانے دوست آجاتے تو

وہ مسرت و شادمانی کی یہ گھڑیاں بھی چھین لیتے۔ رتن بائی کو اخلاقاً اُن کی طویل داستانیں سننا پڑتیں۔ اگرچہ اُن کا دل چاہتا کہ وہ شوہر کے ساتھ باہر گھومنے پھرنے نکلیں۔

بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن اور محمد علی جناح کے تعلقات ہرچند اتنے خوشگوار نہ تھے لیکن وہ محمد علی جناح کو بمبئی کا ممتاز شہری ہونے کے ناطے اکثر گورنمنٹ ہاؤس کی سرکاری تقریبات میں مدعو کرتے۔ ایک مرتبہ محمد علی جناح کو اُن کی اہلیہ کے ہمراہ گورنمنٹ ہاؤس میں کھانے پر مدعو کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ رتن بائی اس موقع پر جو لباس زیب تن کئے ہوئے تھیں اس کا گلا کچھ نیچا تھا جو لیڈی لارڈ ولنگڈن کو پسند نہ آیا۔ جب لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے تو لیڈی ولنگڈن نے ایک اے ڈی سی سے کہا کہ میری شال لے آؤ۔ شاید مسز جناح کو ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ کہتے ہیں یہ سن کر جناح اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے اگر مسز جناح کو ٹھنڈ محسوس ہوگی تو وہ خود شال مانگ لیں گی۔ محمد علی جناح یہ کہہ کر دعوت سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کی دعوت میں شرکت سے انکار کردیا۔[1]

مسز جناح بڑے رکھ رکھاؤ اور سلیقہ کی عورت تھیں۔ کم عمری کے باوجود وہ بڑی بردباری کا ثبوت دیتی تھیں اور کسی طرح سے اپنے وقت کی دیگر معزز خواتین سے کم نظر نہیں آتی تھیں۔ ان میں دن بدن محمد علی جناح کا سا وقار اور متانت پیدا ہو رہا تھا۔ ہر بات پر نہایت غیر جذباتی انداز میں غور کرنا اور پھر سچی اور کھری بات بیان کر دینا اُن کا طرۂ امتیاز تھا۔ خوش پوشاکی رتن بائی کی کمزوری تھی۔ وہ بمبئی کی خوش لباس خواتین میں شمار ہوتی تھیں۔ ان کے ملبوسات ہارنبی روڈ پر یونیورسٹی کی عمارت کے سامنے ایک عالی شان دکان میں تیار ہوتے تھے۔ جو یورپی ماہر ملبوسات ایلے وینڈ گردون کی ملکیت تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنے نئے لباس کے متعلق کچھ ہدایات دینے دکان پر آئیں اور انہوں نے جوں ہی دکان سے باہر قدم رکھا تو ایک دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا۔ ایک ضعیف مرہٹن عورت سر پر پھلوں کی ٹوکری اٹھائے افتاں و خیزاں اُن کی طرف بڑھی اور کری دکان کے سامنے فٹ پاتھ پر رکھ کر اُن سے کچھ پھل خریدنے کی درخواست کی۔ لیتے ہی یکایک

[1] بولائتھو۔ صفحہ

انگریز پولیس افسر وہاں پہنچ گیا اور ہارن بی روڈ پر جو یورپی باشندوں اور امراء کا مخصوص کاروباری مرکز تھا۔ اس ضعیف اور مفلس عورت کو دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ فرعون صفت انگریز نے اس غریب بڑھیا کو گالیاں دے کر حکم دیا کہ وہ فوراً وہاں سے چل جائے یہی نہیں بلکہ اس نے پھلوں کی ٹوکری پر ایک لات ماری۔ غریب عورت کے پھل سڑک پر بکھر گئے۔ اور وہ ملتجی نگاہوں سے پولیس افسر کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں سے بدستور شعلے نکل رہے تھے۔ مسز جناح آگے بڑھیں اور پولیس افسر پر برس پڑیں: تمہیں لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا کوئی اختیار نہیں تمہارے لئے یہی بہتر ہو گا کہ یہ پھل اٹھا کر ٹوکری میں رکھ دو اور ادھر سے چلے جاؤ ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ پولیس افسر ہکا بکا ہو کر اُن کا منہ دیکھنے لگا۔ اُس نے جلدی جلدی سڑک سے پھل چن کر ٹوکری میں رکھے اور بڑھیا کو ٹوکری اٹھانے میں مدد دی۔ مسز جناح نے آگے بڑھ کر بڑھیا کے ہاتھ پر پانچ روپے رکھے اور آگے بڑھ گئیں۔ وہ بھی اپنے شوہر کی طرح غریبوں کی ہمدرد اور ہر قسم کے جبر و تشدد کی انتہائی مخالف تھیں [1]

جناح اور رتن بائی کی زندگی مسرتوں اور خوشیوں سے مالا مال تھی۔ جناح جہاں بھی جاتے خواہ وہ مسلم لیگ کے اجلاس ہوں یا دوسری سرگرمیاں مسز جناح ہر دوران کے ہمراہ ہوتی تھیں۔ شوہر اور بیوی ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ سر ڈنشا اور لیڈی پیٹٹ نے جو ابتدا میں اس رشتہ کی شدید مخالفت کر چکے تھے، اب حالات سے صلح کر لی تھی۔ وہ اپنی بیٹی اور داماد کو خوش دیکھ کر خود بھی خوش ہوتے تھے۔

پھر ۱۵ اگست ۱۹۱۹ کو ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر واقع جناح کے مکان میں خوشیوں اور مسرتوں کا جلترنگ بج اٹھا۔ رتن بائی نے اس تاریخ کو ایک نہایت خوبصورت بچی کو جنم دیا جس کے چہرے کے خدوخال اپنے والد سے اور آنکھیں اور ہونٹ اپنی والدہ سے مشابہ تھے۔ شاید جناح کی نجی زندگی میں روحانی خوشی اور مسرت کا یہ پہلا موقع تھا کیونکہ لغرض تعلیم لندن روانگی کے بعد سے اُن کو اکثر و بیشتر دکھ اور کرب برداشت کرنا پڑے تھے، ماں باپ

---

[1] - چھاگلہ - صفحہ ۲۱ - ترجمہ: رئیس امروہوی

پہلی بیوی کے انتقال کو کھلے۔ فیروز شاہ مہتا۔ دادا بھائی نوروجی کی موت سب ہی ان کے لئے غم واندوہ کا باعث بنے ہوئے تھے۔ محمد علی جناح نے اپنے دوستوں کو اس خوشی میں بڑی پرتکلف کھانے کی دعوت دی اور نومولود صاحبزادی کا نام دینا تجویز کیا گیا۔ جنگ عظیم کے خاتمے پر حکومت نے ہائی کورٹ کے ایک جج سرسڈنی رولٹ کی زیر نگرانی ایک کمیشن قائم کیا تاکہ ہندوستانی میں سیاسی حقوق و مراعات طلب کرنے والوں کو قانونی شکنجے میں کس دیا جائے دراصل برطانوی استبداد اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ جیسے ہی وہ جنگ کے شعلوں سے باہر نکلے گا ہندوستان میں لگی ہوئی آزادی کی آگ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔ مظاہروں اور احتجاجی جلسوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگا۔ کیونکہ ہندوستان کے مسلمان جنگ کے خاتمے پر ترکی کے ساتھ ہونے والے سلوک کو برداشت نہیں کریں گے۔ اور وہ اس کے خلاف پوری قوت کا مظاہرہ کریں گے۔ چنانچہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ضروری تھا کہ برصغیر میں کوئی ایسا قانون بنایا جائے جو نہ صرف اہل ہند کی آزادیوں کا گلا گھونٹ دے بلکہ سرکش اور حکومت کے مخالف عناصر کو کچل دے اس کمیشن نے سیاسی جرائم کی نہایت ظالمانہ سزائیں تجویز کیں جس کے نتیجے میں پورے ہندوستان میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ احتجاجی جلسے منعقد ہوئے جلوس نکالے گئے۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ان تجاویز کو قانونی شکل نہ دے۔ مگر حکومت نے باوجود اس کے کمیشن کی سفارشات منظوری کے لئے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کردیں۔ محمد علی جناح ۲۳ ستمبر ۱۹۱۸ء کو مسٹر جی ایس کھاپرڈی کی ایک قرارداد کے جواب میں جس میں انہوں نے رولٹ کمیشن کی رپورٹ کو ملتوی کرنے کی تجویز پیش کی تھی تقریر کر چکے تھے اور انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں یہ بات کونسل کو بتادی تھی کہ کمیشن کی سفارشات سے جرائم اور سرکشی کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا اس سے تو مزید جرائم بڑھیں گے اور خوف وہراس پیدا ہوگا۔ اگر حکومت جرائم کے خاتمے کے سلسلے میں پرخلوص ہے تو وہ مثبت انداز میں اقدامات کرے ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ حکومت جبری طور پر عوام پر قانون مسلط کرنا چاہتی ہے۔

٦ر فروری ۱۹۱۹ء کو ہوم ممبر مسٹر ولیم وینسینٹ نے رولٹ کمیٹی کی سفارشات پر مبنی ایک بل گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نام سے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں پیش کیا محمد علی جناح نے اس بل کی شدت سے مخالفت کی اور کہا کہ کوئی بھی شخص جو قانون اور انصاف سے واقف ہے اُسے اس بل سے شدید صدمہ پہنچے گا کیونکہ یہ بل شہری آزادیوں پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے میں اس بل کی مخالفت کرتا ہوں اور ایک صحت مند معاشرے کے قیام کی سفارش پیش کرتا ہوں۔ ۷ر فروری ۱۹۱۹ کو یہ بل سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کردیا گیا۔ ۱۲ر مارچ کو سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کونسل کے سامنے پیش ہونے سے قبل کونسل کے صدر نے کمیٹی کی جانب سے تجویز کی جانے والی تمام ترامیم مسترد کردیں جس پر مسٹر سریندر ناتھ بینرجی نے ایک ترمیم پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ، بل کا مسودہ اور تمام کاغذات واختلافی نوٹ ہائی کورٹوں، لوکل گورنمنٹ اور پبلک باڈیز کو اظہار رائے کے لئے حوالے کردیئے جائیں۔ اس ترمیم پر کونسل میں بحث کے دوران مسٹر ڈبلیو اے آئرن سائیڈ نے یہ فقرہ چست کیا کہ اس قدر فصاحت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود کوئی بھی اس امر پر تیار نہیں کہ وہ مسٹر بینرجی کی ترمیم کی حمایت کرے۔ اس مرحلہ پر محمد علی جناح کی روایتی اصول پسندی نے جوش مارا اور وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آئرن سائیڈ کی طنزیہ تقریر کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اور کہا کہ اس تحریک پر بحث میں حصہ لینے کا میرا قطعی ارادہ نہیں تھا کیونکہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ حکومت اپنے طور پر یہ طے کر چکی ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی کوئی تجویز قبول نہیں کرے گی۔ لیکن میں صرف اس امید پر تقریر کررہا ہوں کہ شاید میں مسٹر آئرن سائیڈ کے اعتراضات کا جواب دے سکوں مگر میں جانتا ہوں کہ اس کے باوجود اُن کی رائے میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی کیونکہ وہ حکومت کے اشارے پر چلنے پر مجبور ہیں۔ دوران بحث ۱۲ر مارچ کو راؤ بہادر بی این شرما نے وضاحت طلب کی کہ بل کی شق نمبر ۲ میں انقلابی تحریک

کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کے کیا معنیٰ ہیں۔ اس پر سر جارج لانڈلیس نے کہا کہ انقلابی اور انارکسٹ کے لفظ بل میں لغوی معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان الفاظ کی تشریح بل کے ساتھ منسلک نہیں کی گئی ہے۔ راؤ بہادر رشرما کی ترمیم کی حمایت کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا کہ کونسل کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ تمام ایسی خامیوں کی نشاندہی کرے جن کو سلیکٹ کمیٹی نے نظرانداز کر دیا ہے۔ ۱۳ مارچ کو بھی محمد علی جناح نے مسٹر وی جے پٹیل کی دو اور مسٹر کامنی کمار چندرا کی ایک تحریک پر تقاریر کیں۔ ۱۴ مارچ کو بھی مسٹر وی جے پٹیل نے بل میں کئی ترامیم پیش کیں اور اس کو منظوری کے لئے پیش کرنے کی مخالفت کی۔ ان ترامیم پر بھی محمد علی جناح نے بڑی مؤثر تقاریر کیں۔[1] دراصل اس گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سے متعلق بل کی منظوری کے ذریعہ حکومت کونسل سے یہ اختیار طلب کر رہی تھی کہ وہ باغیوں اور دیگر سیاسی مخالفین کو گرفتار کر کے بغیر جیوری کے مشورہ کے ان پر مقدمات چلائے اور سزائیں دے۔ حکومت کا دعویٰ تھا کہ بل کا مسودہ تیار کرنے والوں نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ انتظامیہ ان نئے اختیارات کا غلط اور بے محل استعمال نہ کر سکے اور اس بل میں اس مقصد کی بنا پر ان اختیارات کے استعمال پر پابندیاں تجویز کی گئی ہیں۔ محمد علی جناح نے کونسل کے اندر اور کونسل کے باہر اس بل کی شدید مخالفت کی۔ انہوں نے مسٹر پٹیل کی ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ سازشوں کے معاملے کو رولٹ کمیشن نے اس رنگ میں پیش کیا ہے جیسے کہ اچانک کچھ قبائل ملک میں داخل ہو گئے ہوں جن کا کام ارتکاب جرم ہے۔ اور اب ان کا قلع قمع کرنے اور انہیں ختم کرنے کے لئے قانون بنانا لازمی ہو گیا ہے لیکن کسی مرض کا علاج یہ نہیں کہ قانون بنا دیا جائے۔ حکومت کو اپنی روش اور طرز عمل میں تبدیلی پیدا کرنا ہوگی۔ سیاسی جرائم کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ اس کمیشن نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ کوئی حکومت جو مہذب

[1] رفیق افضل۔ صفحہ ۸۴ تا ۱۱۲

ہونے کی مدعی ہوا انہیں قبول کرنا تو الگ رہا وہ ان کو تصور میں بھی نہیں لا سکتی۔

کونسل میں بل پر بحث کے دوران محمد علی جناح نے بل کے نقائص اور معائب کھل کر بیان کئے۔ اور حکومت کو یہ بات بھی اچھی طرح باور کرادی کہ اگر یہ بل منظور ہو گیا تو اس ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایسی بے چینی اور بدامنی پھیل جائے گی جو اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آئی مگر اس کے باوجود حکومت اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہی اور اس نے ۱۸ مارچ کو اس مذموم رولٹ بل کی منظوری کونسل سے حاصل کرلی آئین اور قانون کی بالادستی پر یقین رکھنے والے محمد علی جناح کے لئے یہ کارروائی نہایت صدمہ کا باعث ہوئی۔ چنانچہ ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ کو انہوں نے مالابار ہل بمبئی سے ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے وائسرائے سے کہا کہ حکومت نے ان تمام اصولوں اور مقاصد کو نظرانداز کر دیا ہے جن کے نام پر برطانیہ نے جنگ لڑی تھی خط کا متن یہ ہے۔

جناب والا! عوام کی خواہشات اور امنگوں کے برخلاف رولٹ بل کی منظوری اور بحیثیت گورنر جنرل اس بل پر آپ کی تصدیق کے بعد برطانوی انصاف کے بارے میں عوام کو اعتماد کو شدید صدمہ پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ بل کی منظوری سے امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی تشکیل کی حقیقت سب پر ظاہر ہوگئی ہے جو کہنے کو تو قانون سازی کے اختیارات رکھتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ غیر ملکی انتظامی حکومت کی آلۂ کار ہے کونسل کے غیر سرکاری ہندوستانی ارکان کی متفقہ رائے اور عوام کے جذبات کا ذرا بھی احترام نہیں کیا گیا۔ انصاف کے بنیادی اصول اور عوام کے دستوری حقوق کو ایک سخت گیر انتظامیہ نے ایسے وقت میں روند ڈالا۔ ہے جبکہ مملکت کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ نوکر شاہی کو عوام کے جذبات کا کوئی خیال نہیں کیونکہ وہ عوام کے سامنے جوابدہ نہیں ہے اس لئے میں اس مسودۂ قانون کی منظوری اور منظوری کے لئے اختیار کئے جانے والے طریقۂ کار کے خلاف بطور احتجاج امپیریل کونسل

سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کونسل میں میرا شامل رہنا میرے ملک کے عوام کے لئے نہایت غیر مفید ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ امر کسی شخص کی عزت نفس کے منافی ہے کہ وہ کسی ایسی حکومت سے تعاون کرے جس نے کونسل کے ایوان میں عوامی نمائندوں اور کونسل کے باہر ملک بھر کے عوام کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ امن و امان کی فضا میں اس قسم کے قوانین منظور کرانے والی حکومت کو مہذب حکومت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ وزیر برائے امور ہند مسٹر مانٹیگو حکومت برطانیہ کو مشورہ دیں گے کہ اس سیاہ قانون کی منظوری نہ دی جائے"۔[1]

رولٹ بل کی کونسل میں منظوری کے خلاف محمد علی جناح کے استعفیٰ نے پورے ہندوستان میں اس بل کی شدت سے احساس بیدار کر دیا کیونکہ محمد علی جناح نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ انہیں اپنی عزتِ نفس اور عوام کے جذبات و خواہشات سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں محمد علی جناح چونکہ ایک آئینی اور عملی انسان تھے اور وہ غیر آئینی کارروائیوں سے گریز کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس بل کے خلاف احتجاج کیلئے آئینی طریقہ اختیار کیا۔ برخلاف اس کے گاندھی تجربات اور جذبات کے اسیر تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس بل کی مخالفت میں سول نافرمانی کی دھمکی دی اور پھر لارڈ چیمسفورڈ کی دعوت پر مذاکرات کے لئے احمد آباد سے دہلی روانہ ہوگئے۔ پھر وہاں سے واپسی پر ستیہ گرہ کی مہم شروع کر دی لیکن حکومت برابر اپنا کام کر رہی تھی۔ اور آخر کار اس نے رولٹ بل کونسل میں منظور کرا لیا۔ اس سلسلے میں بل کی منظوری کے فوراً بعد ہی محمد علی جناح کے کونسل سے استعفیٰ نے گاندھی جی کی تمام تحریکوں پر پانی پھیر دیا۔ اور عوام ان دونوں رہنماؤں کی حکمت عملی کے بارے میں غور کرنے لگے۔ گاندھی جی جو ہمیشہ سے عجلت پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ رولٹ بل کے خلاف احتجاج کا سہرا محمد علی جناح کے سر بندھا کس طرح سے دیکھ سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے آزمودہ طریقے کار قانون شکنی کا ایک مرتبہ پھر سہارا لیا اور پورے ملک میں رولٹ بل کے خلاف

[1] شریف الدین پیرزادہ صفحہ

احتجاجی ہڑتال کی اپیل کی پہلے اس ہڑتال کے لئے ۳۰ر اپریل سنہ ۱۹۱۹ء کی تاریخ مقرر کی گئی لیکن بعد میں اسے بڑھا کر ۶ر اپریل کر دیا گیا تاکہ ہڑتال کو کامیاب بنانے کے لئے کارکنوں کو کافی وقت مل سکے۔ اندولال کے یاجنک نے اپنی انگریزی تصنیف "گاندھی ایز آئی نیو ہم" میں جس کا اردو ترجمہ مولانا ظفر احمد انصاری نے "پیر سابرمتی" کے نام سے کیا ہے اس ہڑتال کے بارے میں اپنے خیالات کچھ اس طرح قلمبند کئے ہیں۔

"یہ بات بھی غور طلب ہے کہ گاندھی جی نے بڑی دانائی سے اتوار کا دن ہڑتال کے لئے منتخب کیا۔ اس روز لازمی طور پر حکومت کے سارے دفاتر، جدید قسم کے تجارتی اداروں، بینکوں، میونسپلٹی اور لوکل بورڈ کے دفتروں کا بند رہنا یقینی تھا۔ چنانچہ اس طرح انہیں کسی دفتری کاروبار میں خلل اندازی کا خطرہ نہ رہا۔ ملیں اور کارخانے بھی عام طور پر اتوار کو بند رہتے ہیں۔ اس طرح مزدوروں کو بھی کام بند کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ گویا گاندھی جی نے اپنے دوش پر کم سے کم ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا اور کم سے کم مقاومت کی شکل نکالی۔ غرض کہ اس ہڑتال کو کسی طرح بھی ایک حقیقی قومی ہڑتال سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ریلوے، بجلی گھروں اور محکمہ آب رسانی کے ملازمین کو ہڑتال میں حصہ لینے کے لئے نہیں کہا گیا۔ حقیقت میں مزدوروں کو ہڑتال کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ پرانے اصول کے مطابق ہڑتال کا دائرہ صرف تاجروں اور دوکانداروں تک محدود رہا جو ایسے مواقع پر صدیوں سے ہڑتال کرتے چلے آئے ہیں۔ گاندھی جی نے ہڑتال کے پرانے ڈھانچہ میں کوئی نئی جان نہ ڈالی اور نہ اس میں کوئی جدید اور صنعتی اہمیت کا پہلو نکالا جس سے حکومت کی پوری مشینری بیکار ہو سکے۔ ان تمام خامیوں کے باوجود اس ہڑتال نے جو دوسرے حالات میں شاید ایک معمولی بزدلانہ تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ باشندگان ہند کے حد سے بڑھے ہوئے انقلابی جوش و خروش کو اچانک بڑھا دیا۔ اس مظاہرہ کی شاندار

کامیابی میں مسلمانوں کا بڑا حصہ تھا جن کی تائید مسئلہ خلافت پر گاندھی جی نے بڑی گرمجوشی سے کی تھی[1]"

دہلی میں ہندوستانی عوام نے ۳۰ مارچ کو ہی یوم احتجاج منایا اور پورے شہر میں ہڑتال رہی۔ شدید ہنگامہ برپا ہوا۔ مظاہرین پر پولیس نے گولیاں چلائیں جب پولیس نا بونہ پا سکی تو فوج طلب کرلی گئی جس نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے گولیاں چلائیں جس سے کئی افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔ ۶ اپریل تک یہ خبر پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ چنانچہ مظاہرین کے جذبات اور بھڑک اٹھے۔ احمد آباد، بمبئی، امرتسر، مدراس، لاہور اور دیگر مقامات پر ہڑتال والے دن متعدد جھڑپیں ہوئیں۔ دوکانوں اور سرکاری دفاتر کو آگ لگائی گئی اور کئی انگریز افسر ہلاک کر دیئے گئے۔ صورتحال بگڑتی چلی گئی۔ اور جب شہری انتظامیہ ہنگاموں پر قابو پانے میں ناکام ہو گئی تو چند شہروں میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

ان حالات میں جبکہ ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آگ لگی ہوئی تھی۔ پنجاب کے سخت گیر گورنر مائیکل روڈ واٹر نے اپنے صوبہ کو اس آگ سے بچانے کی کوشش کی۔ اس نے پنجاب میں عام جلسوں پر پابندی عائد کر دی۔ ۸ اپریل کو گاندھی جی بھی پنجاب کے دورے پر آ رہے تھے۔ اس نے اُن کے داخلے پر بھی پابندی لگا دی۔ ادھر حکومت نے ایک اور مذموم حرکت یہ کی کہ امرتسر کے دو مشہور رہنماؤں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیا پال کو ڈپٹی کمشنر آفس میں طلب کر کے گرفتار کر لیا۔ ان دونوں رہنماؤں کی گرفتاری کی خبر سے امرتسر کے عوام میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ لوگ ہجوم کی شکل میں جمع ہو کر ان رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کرنے لگے۔ ۹ اپریل کو ہجوم نے شہر میں واقع ایک بنک کو لوٹ کر اس کے انگریز مینیجر کو اور اسسٹنٹ مینیجر کو قتل کر دیا۔ ۱۲ اپریل کو جلسے اور

---

[1] استدلال کے پا جنگ صفحہ۔ ترجمہ ظفر احمد انصاری مطبوعہ دانش محل فیض گنج دہلی ۱۹۲۳ء۔

جلوسوں کے انعقاد پر پابندی کے باوجود جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ کا انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔ ۴ بجے شام کو جب جلسہ شروع ہوا تو گورنر روڈوائر اپنے ساتھ نوّے سپاہی کو لیکر جلسہ گاہ میں پہنچ گیا۔ اور اس نے بغیر وارننگ دیئے ہوئے نہتے سامعین کو گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ جس کے نتیجے میں سرکاری رپورٹ کے مطابق ۳۷۹ افراد ہلاک اور ۱۲سو افراد شدید زخمی ہوگئے۔ گورنر روڈوائر نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے ۱۵ اپریل کو پنجاب میں مارشل لاء لگا کر ہندوستان کے عوام پر جبر و تشدد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا جس کی مثال کسی بھی مہذب قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔[1]

اس سانحہ پر ہندوستان کے تمام ہی رہنماؤں نے شدید افسوس کا اظہار کیا۔ محمد علی جناح اس تمام صورتحال کا ذمہ دار گاندھی کو تصور کرتے تھے کیونکہ وہ عدم تشدد کی آڑ میں جو کھیل کھیل رہے تھے۔ وہ پوری قوم کے لئے پریشانی کا باعث تھا۔ مگر محمد علی جناح اس مرحلہ پر خاموش رہے دراصل یہ اُن کے نئے اجنبی تجربات کا دور تھا۔ اور وہ ان تجربات کی روشنی میں مستقبل کے لئے راہیں تلاش کر رہے تھے۔

چیف سکریٹری گورنمنٹ آف بمبئی کے ہوم ڈیپارٹمنٹ سے ۱۲ اپریل کو ایک حکم نامہ جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ بمبئی کے گورنر سر جارج لائیڈ نے ہندوستان کے وائسرائے سے ہارنیمن۔ جمنا داس دوارکا داس عمر سوبانی ہمنر نائیڈو۔ سیٹھی۔ بنکر۔ جناح اور گاندھی کی جلا وطنی کے سلسلے میں جو بات چیت کی تھی اس کے نتیجے میں حکومت بمبئی اس اقدام کو بمبئی پریسیڈنسی کی سلامتی اور قیام امن کے لئے ضروری سمجھتی ہے۔ اور حکومت ہند اس سلسلے میں حکومت بمبئی سے تعاون کرے گی۔

۱۲ اپریل کو ہی وائسرائے نے گورنر برما کو ایک ٹیلیگرام دیا جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت بمبئی نے چھ افراد کو جلا وطن کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور امید ہے کہ

[1] ۔ پروفیسر احمد سعید۔ صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۹

برما کی حکومت ان افراد کی نگرانی قبول کر کے ہم سے تعاون کرے گی۔

حکومت ہند نے اس سلسلے میں گاندھی اور جناح کے خلاف فوری طور پر کارروائی روک دی تھی۔ اور صرف اُن کو ناپسندیدہ اشخاص قرار دے دیا تھا لیکن جلد ہی محمد علی جناح نے یہ ثابت کر کے کہ گاندھی کے پھیلائے ہوئے زہر سے وہ ابھی تک محفوظ ہیں۔ اس کارروائی کو کالعدم قرار دلوا دیا تھا۔ [1]

اسی سال محمد علی جناح مسلم لیگ کے ایک وفد میں شامل ہو کر انگلستان گئے جہاں انہوں نے برطانیہ کی مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے سامنے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے خلاف بڑی مؤثر تقاریر کیں۔ مسلم لیگ کے وفد میں جناب یعقوب حسن اور غلام محمد بھرگری بھی شامل تھے۔ دراصل مانٹیگو نے رولٹ ایکٹ کی تجاویز کی امپیریل کونسل سے منظوری حاصل کرنے کے بعد جب اسے برطانیہ کے دارالعوام میں پیش کیا تو بل کی دوسری خواندگی کے دوران جون ۱۹۱۹ء میں ایک سلیکٹ کمیٹی مقرر کی گئی جس میں ایوانِ بالا اور ایوانِ زیریں دونوں کے ارکان موجود تھے۔ اس کمیٹی نے ہندوستانی رہنماؤں کو شہادتوں کے لئے طلب کیا۔ کمیٹی کے سربراہ لارڈ سیلبورن تھے۔ کانگریس کی جانب سے اس کمیٹی کے سامنے خواتین کی رائے دہی کے سوال پر مسز سروجنی نائیڈو پیش ہوئیں۔ اس کمیٹی نے نومبر کے وسط میں اپنی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کی۔ اور یہ بل منظور ہو گیا۔ جس کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ کو اس سلسلے میں شاہی اعلان جاری کر دیا گیا۔ [2]

اسی سال دسمبر کے آخر میں سیف الدین کچلو کی دعوت پر مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس کے سالانہ اجلاس امرتسر میں ہوئے۔ مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت حکیم اجمل خان کر رہے تھے۔ جبکہ کانگریس کے اجلاس کی صدارت موتی لعل نہرو کے سپرد تھی۔ ان اجلاسوں میں شرکت کے لئے محمد علی جناح بھی امرتسر پہنچے تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں رہنماؤں نے بڑی ولولہ انگیز

---

[1] ۔ بی آر نندا ۔ صد ۱۶۳ تا ۱۶۴ [2] ۔ مطلوب سید صد ۲۲۵ تا ۲۲۶

تقاریر کیں۔ اس جلسہ میں کئی قرار دادیں بھی منظور کی گئیں جن میں مصر کے قوم پرستوں کے ساتھ اظہار ہمدردی اور خلیفہ وحیدالدین کی اطاعت کا اعلان کیا گیا۔ تقسیم ترکی کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اور امرتسر کے سانحہ کی پرزور مذمت کی گئی اجلاس میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ چیمسفورڈ کو انگلستان واپس بلایا جائے

کم و بیش پانچ سال کی نظربندی کے بعد مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی ۲۵ر دسمبر کو جیل سے رہا ہوئے اُس وقت امرتسر میں کانگرس اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ہو رہے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب پنجاب میں مظالم کا زخم ہرا تھا۔ مقامات مقدسہ کی تباہی اور بربادی کے داغ تازہ تھے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے اتراب نے عالم اسلام پر قبضہ کر رکھا تھا۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عظیم ترکی کی عظیم الشان سلطنت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ قسطنطنیہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ تھریس اور سمرنا پر یونانیوں کا قبضہ تھا۔ شام فرانس کی تحویل میں تھا عراق انگریزوں کے ہاتھ آیا فلسطین اور بیت المقدس پر صلیبی پرچم لہرا رہا تھا۔ مصر بھی انگریزوں ہی کی سیادت میں تھا۔ مراکش اور الجزائر پر بھی فرنگی اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اس اضطراب انگیز زمانہ میں جب علی برادران امرتسر پہنچے تو اُن کا شاندار خیر مقدم کیا گیا[۱]

امرتسر میں سب کو علی برادران کی آمد کا انتظار تھا۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۱۹ کی دوپہر امرتسر میں منادی ہوئی۔ علی برادران آرہے ہیں۔ دوسرے دن لوگوں نے صبح ہی صبح جا کر پلیٹ فارم ویٹنگ روم بیرونی صحن۔ مکانوں کی چھتیں۔ ریل کے پل غرض بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی ہر جگہ روک لی۔ ہزارہا انسانوں کا ہجوم غفیر ریلوے اسٹیشن سے ہال دروازے تک اور اُس کے اندر بازار میں دو رویہ مکانوں اور دکانوں کے سامنے کوٹھیوں پر یوں جمع ہو گیا گویا سارا ملک امرتسر ہی پر ٹوٹ پڑا ہو۔ محمد علی شوکت علی بڑی بڑی قراقلی ٹوپیاں پہنے جن پر ہلال کڑھے ہوئے تھے۔ شیروانیاں اور چست پاجامے زیب تن کیے ہوئے ریل

۱۔ رئیس احمد جعفری ص۱۲۔ اوراق گم گشتہ۔ مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء

کے ڈبہ سے نمودار ہوئے تو اللہ اکبر، بندے ماترم - محمد علی اور شوکت علی کی جے کے نعروں سے گنبدِ فلک گونج اٹھا - [1]

رہائی کے بعد پہلی تقریر محمد علی جوہر نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو کی - مولانا محمد علی جوہر کی یہ تقریر خالص جذباتی تقریر تھی جس میں انہوں نے مسلمانوں کو خلافت تحریک کی حمایت پر اکسانے کیلئے اپنا پورا زورِ خطابت صرف کر دیا تھا - محمد علی جوہر نے ۳۱ر دسمبر کو دوسری تقریر آل انڈیا نیشنل کانگریس کے جلسہ میں کی - مولانا محمد علی جوہر کی یہ تقریر اُن کی سیاسی بصیرت اور قومی احساس کی مکمل آئینہ دار تھی - انہوں نے کہا کہ "آپ اس وقت اور اس جگہ تجویزیں منظور کر رہے ہیں لیکن اگر الفاظ نے اپنے معنی چھوڑ نہیں دیئے ہیں تو یہ تجویزیں اس وقت تک بیکار ہیں جب تک کہ کسی کام کو کرنے کا عزم نہ کر لیا جائے اگر آپ کاغذ پر کچھ لکھ دیں تو اس کے کچھ معنیٰ نہیں کیونکہ ہم گورنمنٹ نہیں ہیں کہ جس قیمت کے چاہیں نوٹ جاری کر دیں - اگر آپ حقیقتاً کوئی تجویز منظور کرتے ہیں - تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کا ہر مرد و عورت اور بچہ جو بھی اس تجویز کی تائید و حمایت میں رائے دیتا ہے اپنے دل میں یہ ٹھان لے کہ ہمارا یہ مصمم ارادہ ہے اور ہم تا حصولِ مقصد قطعاً آرام سے نہ بیٹھیں گے - اور جو باتیں سنی ہیں اُن کو بھول نہ جائیں گے" [2]

اس سال ۲۰ر فروری کو والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں کو کسی شقی القلب نے جلال آباد کے متصل لغمان کیمپ میں گولی مار کر ہلاک کر دیا - یہ خبر پورے عالمِ اسلام اور خصوصاً ہندوستان میں نہایت رنج و ملال کے ساتھ سنی گئی - امیر حبیب اللہ خان کے واقعہ قتل کے بعد سرکاری خبر کے ذریعے معلوم ہوا کہ مرحوم امیر کے برادر خورد امیر نصر اللہ خان کو جو افغانستان کی فوج کے سردار ہیں افغانستان کی رعایا اور اصل وارثان تخت نے شاہ افغانستان تسلیم کر لیا ہے اور ملک میں امن و امان قائم ہے - مارچ میں دہلی سے جاری ہونے والے ایک اعلامیہ سے پتہ چلا ہے کہ امیر نصر اللہ خان افغانستان کے تخت سے دست بردار ہو گئے ہیں

---

[1] - عبدالمجید سالک ص۱۰۱ - یارانِ کہن مطبوعہ چٹان پریس لاہور ۱۹۵۵ء

[2] - رئیس احمد جعفری ص۴۵ - ۱۰ اوراقِ گم گشتہ

اور اُن کی جگہ امیر مرحوم کے تیسرے فرزند سردار امان اللہ خان افغانستان کے والی قرار پائے ہیں۔ [۱]

---

[۱] :۔ پندرہ روزہ الفقیہ امرتسر۔ ۲۰ مارچ ۱۹۱۹ء۔

سنہ ۱۹۲۰ء

۱۹۲۰ء میں برصغیر مختلف تحریکوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مسلم لیگ آل انڈیا نیشنل کانگریس۔ ہوم رول لیگ تحریک خلافت سب کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ہر رہنما کے سامنے مختلف راستے تھے خصوصاً مسٹر گاندھی اور علی برادران کا زور شور تھا۔ ایسے حالات میں محمد علی جناح جیسے اعتدال پسند اور خالص آزادی کی بات کرنے والے رہنما کے لئے اپنی حیثیت کا تعین کرنا بڑا دشوار کام تھا۔ مگر وہ ان پیچیدگیوں کے حصار میں بھی اپنی انفرادیت کا علم بلند کئے رہے اور انہوں نے حتی الامکان یہی کوشش کی کہ اُن کا کوئی عمل آزادی کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے پائے۔

افق سیاست پر گاندھی کے نمودار ہونے سے ہوم رول لیگ اور کانگریس میں دوررس تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ گاندھی دوسرے رہنماؤں سے آگے بڑھ کر ان دونوں تنظیموں پر قبضہ کر لینے کی فکر میں تھے۔ وہ ۱۹۱۴ء میں ہندوستان واپس آئے اور ۲۵ مئی ۱۹۱۵ء کو انہوں نے سابرمتی آشرم قائم کیا۔ گاندھی نے ستیہ گرہ کی تحریک سے متعلق تجربات اسی آشرم میں کئے۔ اس کے بعد ۱۹۱۷ء میں انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ جنوبی افریقہ کے لئے بھرتی کئے جانے والے مزدوروں کے متعلق پالیسی پر نظر ثانی کی جائے۔ چمپارن میں انہوں نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں ہندوستان کے عظیم صنعتی مرکز احمد آباد میں مزدوروں کی ہڑتال کرائی اور اس ہڑتال کے لئے خود کئی روز تک مرن برت رکھا۔ جنگ عظیم میں بھرتی اور مختلف محاذوں پر سلطنت برطانیہ کے دفاع

کے حق میں رائے دی اور اس زمانے میں انہوں نے تمام ایسے مقاصد سے گریز کیا جن سے اجتماعی آزادی کے لئے راہ ہموار ہوتی ہو۔ گاندھی خیالی جنت میں بسنے والے تصور پرست انسان تھے۔ اس کے برعکس جناح حقیقت پسند تھے۔ اور اپنے عہد کی سیاست اور اور اس کے اتار چڑھاؤ سے نہ صرف پوری طرح واقف تھے بلکہ ان کا تجزیہ کرنے کے بعد مثبت انداز میں انہیں قوم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ کانجی دوارکاداس اپنی کتاب "گاندھی جی میں لکھتے ہیں کہ خواہ کوئی نزاعی مسئلہ کیوں نہ ہو گاندھی جی بغیر سوچے سمجھے میدان میں کود پڑتے تھے۔ جبکہ محمد علی جناح مسائل کے بارے میں غور و فکر سے کام لیتے اور ان مسائل کا حل تلاش کرتے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں وار کونسلوں کے قیام اور ان کے اجلاسوں میں شرکت کے بعد ان دونوں رہنماؤں کے نظریات کے درمیان جو معمولی سا خلا پیدا ہوا تھا وہ ۱۹۲۰ء میں نہ صرف شدت اختیار کر گیا بلکہ یہاں سے دونوں رہنماؤں کی راہیں بالکل مختلف ہو گئیں۔

جنوری ۱۹۲۰ء کی ابتدائی تاریخوں میں ہندوستان کے تمام سیاسی رہنماؤں کا اجتماع امرتسر میں تھا۔ جہاں دسمبر ۱۹۱۹ء کے آخری عشرہ میں مسلم لیگ اور آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقد ہوئے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی بھی رہائی پا کر سیدھے امرتسر پہنچ گئے تھے۔ جلیانوالہ باغ کے سانحہ کے بعد امرتسر کی فضا خاصی جذباتی تھی اور پھر علی برادران کی آمد سے یہ خاصی پُررونق ہو گئی۔

"امرتسر میں پشاور سے لیکر راس کماری اور کاٹھیاواڑ سے آسام تک کے تمام آزادی پسندوں کا اجتماع تھا۔ امرتسر کے باسیوں اور پردیسیوں کو صبح سے شام تک رہنماؤں کے استقبال اور اُن کی تقریریں سننے کے سوا کوئی کام نہ تھا۔"[۱]

اسی فضا میں یکم جنوری ۱۹۲۰ء کو امرتسر خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس کا مقصد برطانوی استعمار سے ترکی کو بچانا اور ترک مسلمانوں پر جنگ کے خاتمہ پر ہونے والے مظالم کو روکنا تھا۔ اس کانفرنس میں تمام رہنماؤں نے بڑی ولولہ انگیز تقاریر کیں اور طے

---

[۱] عبدالمجید سالک صفحہ ۹۔ "یاران کہن" مطبوعہ لاہور۔

کیا کہ مولانا محمد علی۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ جناب ابوالقاسم، سید حسن اور حسن محمد حیات پر مشتمل ایک وفد یورپ بھیجا جائے جو خلافت ترکیہ کے سلسلہ میں ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات سے حکومت برطانیہ کو آگاہ کرے۔ اس کانفرنس میں مولانا شوکت علی کو مرکزی خلافت کمیٹی کا سکرٹیری مقرر کیا گیا۔ یکم جنوری ۱۹۲۰ کی شام کو امرتسر کے شیخ صادق حسین نے علی برادران کو اپنے یہاں چائے پر مدعو کیا۔ اس دعوت میں علامہ اقبال بھی موجود تھے اور آپ نے ایک نظم بھی پڑھی جس سے دعوت میں موجود تمام سامعین میں بے پناہ جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ علامہ اقبال جو ۱۹۰۸ میں یورپ سے ہندوستان واپس آ گئے تھے۔ ایک قومی شاعر کی حیثیت سے ان دنوں پورے برصغیر پر چھائے ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے ابھی تک عملی طور پر سیاست میں حصہ لینے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اپنے اور مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی اشعار کے ذریعہ کر رہے تھے جو فی نفسہ اقبال کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

امرتسر سے رخصت ہو کر مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی ۵ جنوری کو دہلی پہنچے جہاں مسلمانوں نے ان دونوں رہنماؤں کی پورے پانچ سال کی نظربندی کے بعد رہائی اور دہلی آمد کی خوشی میں بڑا شاندار خیر مقدم کیا۔ گھنٹہ گھر کے مقام پر ایک بہت بڑا جہاز بنایا گیا جس پر ان دونوں بھائیوں کو ناخدا کی طرح بٹھا کر اہالیان شہر کی جانب سے خیر مقدمی سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ محمد علی جوہر نے سپاس نامہ کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم تیار ہیں کہ اپنی خواتین کو بے عزت ہوتا ہوا دیکھیں لیکن شعائر اسلام کی بے حرمتی ہم ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ امرتسر کے اجلاس میں کل ہند ۱۵ فروری ۱۹۲۰ میں بمبئی میں پہلی خلافت کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا تھا جس میں شرکت کیلئے پورے ہندوستان سے مسلمان بڑے جوش و خروش کے ساتھ بمبئی پہنچے اجلاس میں آل انڈیا خلافت کمیٹی کے لئے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا اور مجلس عاملہ

منتخب ہوئی۔ اس خلافت کانفرنس میں مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی شرکت کی۔ اسی کانفرنس کا اثر تھا کہ آناً فاناً ملک بھر میں خلافت کمیٹیاں قائم ہو گئیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلم لیگ جو اس وقت تک اعتدال پسندوں کی جماعت تھی۔ خلافت تحریک کے اثر کے نیچے دب جائے گی۔ اس اجلاس میں خلافت کانفرنس کے وفد کی برطانیہ روانگی سے متعلق قرارداد کی بھی توثیق کی گئی۔

اپریل ۱۹۲۰ء میں مولانا حسرت موہانی نے دہلی میں "خدام خلافت کانفرنس" منعقد کی جس میں ہندوستان کے تمام صوبوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری، مولانا داؤد غزنوی امرتسر سے، ملک لعل خان گوجرانوالہ سے اور خان عبدالغفار خان پشاور، چارسدہ سے اس کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ اس کانفرنس کے منعقد کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آل انڈیا خلافت کمیٹی کے مرکزی دفتر کو دہلی منتقل کر دیا جائے جو دو ماہ قبل مولانا شوکت علی نے بمبئی میں قائم کیا تھا۔ دہلی ہندوستان کا دارالخلافہ بن چکا تھا۔ اور اہل دہلی کی یہ خواہش تھی کہ آل انڈیا خلافت کمیٹی کا مرکزی دفتر بھی دارالخلافہ دہلی میں ہونا چاہیئے۔[1]

خلافت کے مسئلے پر کانگرس اور خلافت کمیٹی کا اتحاد عمل میں آ چکا تھا۔ اس سلسلہ میں گاندھی جی نے مسلمانوں کو گھیرنے اور اُن کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے بڑی عجلت سے کام لیا۔ چونکہ لڑنا گاندھی جی کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔ وہ ایک تحریک کے نتائج سامنے نہیں آنے دیتے اور دوسری تحریک شروع کر دیتے۔ جس کی بنا پر پہلی تحریک دم توڑ دیتی۔ ہندوستان واپسی کے بعد سے اُن کا مسلسل یہی دستور رہا چنانچہ انہوں نے خلافت کے مسئلہ پر بھی اسی عجلت کا مظاہرہ کیا۔ ۱۳ جون ۱۹۲۰ء کو بنارس میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس نے خلافت کمیٹی پر زور دیا کہ وہ مجلس ترک موالات (Non Cooperation) کے نام سے ایک انتظامیہ مجلس بنائے اور مفصل پروگرام

[1] کرنل عزیز ہندی۔ ص ۱۰۷۔ اوراق گم گشتہ۔

تیار کر کے اُس پر عملدرآمد کرلے۔ ۲۲ جون کو مسٹر گاندھی اور خلافت کمیٹی کے رہناؤں نے ایک منشور جاری کیا جس میں اعلان کیا گیا کہ اگر پہلی اگست ۱۹۲۰ء تک پیش کردہ شرائط تسلیم نہ کی گئیں تو ترک موالات شروع کر دیا جائے گا۔ نیز ہندوستان کے وائسرائے سے مطالبہ کیا گیا کہ اگر ملک معظم کی حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات نہ مانے تو وہ مستعفی ہو جائیں۔ ۲ جولائی ۱۹۲۰ء کو گاندھی جی نے خلافت کانفرنس کی مجلس عدم تعاون کی طرف سے ترک موالات کے پہلے مرحلے کا اعلان کر دیا جس کے تحت خطابات اور عہدوں سے دست برداری، سرکاری قرضوں میں عدم شرکت قانون پیشہ افراد کا اپنی وکالت ترک کر کے خانگی پنچایتوں کے ذریعہ ملکی جھگڑوں کا تصفیہ کرنا۔ سرکاری مدارس کا مقاطعہ۔ مجلس اصلاحات کا مقاطعہ، سرکاری تقریبات کا مقاطعہ اور سودیشی مال کا پروپیگنڈہ شامل تھا۔ جولائی میں جب وائسرائے کی طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا تو آخر کار گاندھی جی نے پہلی اگست کو اپنے وہ تمام تمغے واپس کرتے ہوئے جو انہیں افریقہ میں جنگی خدمات اور انسان دوستی کے سلسلہ میں ملے تھے۔ ملک کو ایک پر امن ہڑتال اور حکومت کی زیادتیوں کے خلاف ہر جگہ اجتماعی جلسے منعقد کرنے کی دعوت دی۔ اس طرح ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک شروع ہو گئی[1]۔ واضح رہے کہ اس دوران مولانا محمد علی جوہر، سید سلیمان ندوی اور دیگر رہنما خلافت کے سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات سے برطانیہ کی حکومت کو آگاہ کرنے کے لئے انگلستان گئے تھے چنانچہ گاندھی جی کو مسلمانوں کے معاملات میں کھل کر مداخلت کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے اپنے نراجی فلسفہ کی بنیاد پر ہندوستان میں ایک پیچیدہ صورتحال پیدا کر دی۔ گاندھی جی کی کامیابی کی جہاں ایک وجہ محمد علی جناح کی خاموشی تھی وہاں ترک موالات کے دوران اُنکی کامیابی کی ایک وجہ بال گنگا دھر تلک کی موت بھی تھی۔ کیونکہ کانگریس کے پلیٹ فارم، لیجسلیٹو کونسل اور عوامی حلقوں میں بال گنگا دھر تلک کا اچھا خاصا اثر ورسوخ

[1] اندولال یاجنک۔ ص ۸۳

تھا۔ محمد علی جناح نے بھی وار کونسل کے مذاکرات میں تلک کا ایک مرحلہ پر کھل کر ساتھ دیا تھا جبکہ گاندھی جی کا موقف وار کونسل کے سلسلہ میں حکومت کے حق میں تھا۔ اندولال کے یاجنک نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ یکم اگست ۱۹۲۰ء میں مسٹر تلک کی موت اور گاندھی جی کی تحریک کا بیک وقت آغاز اس بات کی علامت تھی کہ آج سے گاندھی جی ہندوستان کی سیاست کے اُس بلند مقام پر پہنچ گئے جس پر چوتھائی صدی تک مسٹر تلک فائز رہے تھے۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں خلافت کانفرنس کا وفد انگلستان کے دورہ سے سخت مایوسی کے عالم میں ہندوستان واپس پہنچا کیونکہ انگلستان میں وفد کے موقف کی کہیں بھی کوئی شنوائی نہیں ہوئی لیکن اس وقت ہندوستان میں خلافت تحریک کافی زور پکڑ گئی تھی۔ اور اس میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسے علماء نہ صرف شامل ہو گئے تھے بلکہ ترک موالات ذبیحہ گاؤ اور ہجرت کے مسئلہ پر فتوے بھی حاصل کر لیے گئے۔ جسکی بناء پر عام مسلمانوں کے درمیان شکوک وشبہات کی فضا پیدا ہو گئی۔ محمد علی جناح کا اس سلسلہ میں موقف بڑا واضح تھا اور وہ اس تحریک سے بالکل علیحدہ تھے۔ لیکن برصغیر میں علماء کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا۔ جو اس مصلحت آمیز ماحول میں تفسیر قرآن از قرآن کے اصول پر گامزن تھا۔ اس لئے ہندوؤں سے اس قدر میل جول اور تعاون کی سخت مخالفت کی پنجاب میں سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف متحدہ صوبجات میں اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی اور بہار میں مولانا محمد علی مونگیری نے اس سلسلے میں کھل کر آواز بلند کی۔ پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ لیکن ان کی مکمل ہمدردی اُس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی انقلاب پسند جماعت نے برسر اقتدار آ کر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے پیر صاحب نے جنگِ طرابلس اور جنگ بلقان میں گھر کے زیورات اور اصطبل کے

گھوڑے تک فروخت کر کے ترکوں کی امداد کی لئے چندہ دیا۔ حتیٰ کہ تحریک خلافت کے دنوں میں بھی آپ نے ان مخلصین کو جو اس میں عملی طور پر حصہ لے رہے تھے منع نہیں فرمایا لیکن جب استفسار کیا گیا کہ کیا مسلمانوں کے لیے گاندھی کے احکامات کے تحت چلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں تو آپ نے اسے ناجائز قرار دیا۔ آپ نے ہندو سے موالات کے جواز سے انکار فرمایا۔ اور کہا کہ ترک موالات ہندو انگریز اور یہود سب سے ہونا چاہیئے۔ کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا۔ اور ذبیحہ گاؤ کی قباحت کو رد کر دیا اور فرمایا کہ ذبیحہ گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے۔ [1]

فاضل بریلوی اعلیٰحضرت احمد رضا خاں سے ترک موالات کے سلسلے میں ۱۹۲۰ء میں لاہور اور لائلپور سے یکے بعد دیگرے دو استفسار کئے گئے۔ جن کا آپ نے مفصل جواب دیا۔ اس کو ایک رسالہ کی شکل میں جو اسی صفحات پر مشتمل ہے مطبع حسنی بریلی نے ۱۹۲۰ء میں شائع کیا۔ اس جواب میں جو فتوے کی صورت میں ہے فاضل بریلوی نے ترک موالات کے مذہبی تاریخی اور سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے بعد ان اقتصادی نقصانات کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ترک موالات کے نتیجے میں مسلمانوں کو پہنچنے کا اندیشہ ہے آپ نے فرمایا کہ ہنود اسلئے مسلمانوں کو ترک موالات پر اکسا رہے ہیں کہ مسلمان تمام چیزوں سے محروم ہو جائیں۔ اور ہر حصہ اور محکمہ میں صرف ہنود باقی رہ جائیں۔ ترک موالات کے خلاف فاضل بریلوی کی تحریک پر ہندو مسلم اتحاد کے خلاف تقاریر و مضامین کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس ضمن میں سب سے پیش پیش مولانا وصی احمد محدث سورتی کے خلف رشید اور ممتاز عالم دین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی تھے۔ آپ نے پورے ہندوستان کا دورہ کر کے ترک موالات کی شرعی حیثیت اور اس کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کی نفی کی اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس سلسلے میں قرآنی احکامات کی پابندی کریں۔ خصوصاً روہیلکھنڈ میں ترک موالات کا زور توڑنے میں مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی اور مولوی شفقت حسین وکیل

---

[1] ۔ مولانا فیض احمد ص ۲۶۸ ۔ " مہر منیر"

بریلوی نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ جب ۱۹۲۰ء کے اواخر میں تحریک خلافت کا ایک وفد ہندو مسلم اتحاد کی تبلیغ کے لئے رد ہیلکھنڈ پہنچا تو اس نے مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی سے بھی ملاقات کی اس وفد کی قیادت امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کر رہے تھے۔ جبکہ اس میں برصغیر کے ممتاز عالم دین مولانا احمد حسن کانپوری کے صاحبزادے اور تحریک خلافت کے ممتاز رہنما مولانا نثار احمد کانپوری بھی شامل تھے۔ مولانا عبدالاحد نے وفد سے تقریباً چار گھنٹے مذاکرات کئے اور آخر وقت تک اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے اور ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کرتے رہے۔" [1]

اسی طرح بہار میں مولانا محمد علی مونگیری کی شخصیت بڑی پر اثر تھی۔ اور آپ نے وہاں ترک موالات کے سلسلے میں مخالفت کا بڑا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ تحریک خلافت کا ایک وفد جس میں علی برادران، گاندھی جی، حکیم اجمل خان اور دیگر رہنما شامل تھے۔ مولانا سے ملاقات کے لئے مونگیر پہنچا۔ وفد کے ہمراہ گاندھی بھی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آنحضرتؐ اور قرآن حکیم سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا مولانا مونگیری گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے اور جب گاندھی جی اپنی بات مکمل کر چکے تو مولانا نے فرمایا کہ "مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا اس کمزور پہلو سے آگاہ کیجئے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا" گاندھی جی اس سوال کے لئے تیار نہیں تھے۔ کچھ چونکے اور فوراً بولے "ایسا تو کوئی پہلو میری نظر میں نہیں آیا" اس پر مولانا نے سوال کیا تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟ گاندھی جی کے پاس کوئی جواب نہ تھا مولانا خفا ہو گئے۔ اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا غلط ہے آپ ہمیں صرف پھانسنا چاہتے ہیں۔ صیاد بھی پرندوں کو پکڑنے کے لئے انہی کی بولیاں بولا کرتا ہے۔ [2]

---

[1] مولانا قاری احمد پیلی بھیتی ص ۲۶۷ - تاریخ ہند و پاک

[2] مولانا احتشام الحق تھانوی۔ انٹرویو مطبوعہ روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۶۵ء

قطع نظر ان تمام باتوں کے محمد علی جناح نے اس عرصہ میں کوئی بیان نہیں دیا بلکہ وہ اپنی بیوی اور نومولود بچی کے ہمراہ سیر و تفریح کی نیت سے لندن چلے گئے۔ جہاں انہوں نے بڑی پر سکون زندگی گزاری۔ ایک اندازہ کے مطابق خوفت تحریک کا وفد جب انگلستان گیا تو محمد علی جناح بھی لندن میں موجود تھے۔ لیکن انہوں نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ لندن میں محمد علی جناح کے قیام کے بارے میں کوئی تفصیلی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ صرف مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب "قائداعظم محمد علی جناح میری نظر میں" کے اولین باب میں ایک تقریب کا تذکرہ کیا ہے جو یہاں اُن کے ہی الفاظ میں درج کیا جا رہا ہے :

"مجھے پہلی مرتبہ مشہور وکیل اور ہندوستان کے قوم پرور سیاست دان محمد علی جناح کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تو میری عمر صرف اٹھارہ سال تھی۔ ۱۹۲۰ کی میکا کلمس ٹرم جو کیمبرج میں میری پہلی نرلشیہ ٹرم تھی کا ذکر ہے کہ مسٹر محمد علی جناح نے ہندوستانی مجلس کی یہ دعوت قبول کرلی کہ وہ اس کے ارکان سے خطاب کریں۔ یہ مجلس ہندوستانیوں کی تمام کردہ انگلستان میں پہلی مجلس مباحثہ تھی۔ اُس وقت اُن کے سر کے بالکل بیچ میں سفید بالوں کی ایک پتلی دھاری تھی جو بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ چہرے کے نقوش تیکھے تھے۔ وہ بلند قامت اور دبلے پتلے تھے۔ اُن کا لباس فیشن کے عین مطابق اور بالکل بے عیب تھا۔ الغرض ان سفید بالوں کا میرے حافظے کے پردے پر ایک ناقابل محو نقش باقی رہ گیا۔ ایک ایسا نقش جو باوجود سالہا سال گزر جانے کے اب بھی ویسا ہی تر و تازہ ہے جیسا کہ اُس وقت جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اب میری سمجھ میں یہ بات بخوبی آگئی کہ مختلف عمر کی عورتیں کیوں اُنکی پرکشش شخصیت سے مسحور ہو جاتی تھیں۔ باوجود اس کے کہ وہ تنہائی پسند مشہور تھے جب انہوں نے ہم نوجوانوں سے جو اُن کی تقریر سننے کے لئے ہال میں جمع ہوئے تھے۔ خطاب کرنا شروع کیا تو وہ ہم سے بہت قریب معلوم ہو رہے تھے۔ ہم اُن کی فصاحت بیانی ان کی تقریر کی روانی اور

خوش اسلوبی اور پیچیدہ سیاسی مسائل میں اُن کے سوجھ بوجھ سے بہت متاثر ہوئے وہ کوئی ایک گھنٹے تک بولتے رہے انہوں نے ہمیں یہ نصیحت کی کہ ہم اپنی پڑھائی کی طرف توجہ کریں اور اس قابل ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں کہ اپنی مادرِ وطن کی ترقی اور برطانوی تسلط سے اس کی آزادی کے حصول میں مدد دے سکیں انہوں نے ہمیں بتایا کہ آزادی کی جدوجہد نے اب کیا آخری شکل اختیار کرلی تھی۔ نیز یہ کہ یہ جدوجہد ایک لمحے کے لئے سست پڑے بغیر جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ آزادی حاصل ہو جائے مجلس کے اس جلسے میں مجھے پہلی مرتبہ عظیم ہندوستانی لیڈر سوبھاش چندر بوس سے جن کے بنگال کے ہندو بالخصوص مداح و پرستار تھے۔ اور جو بعد میں نیتا جی کہلانے لگے تھے۔ اور اس وقت جبکہ جنگ برطانیہ اور اس کے حلیفوں کے خلاف جاری تھی اپنی سرزمین اپنا ملک چھوڑ کر دشمن کے کیمپ میں چلے گئے ملنے کا اتفاق ہوا انہوں نے ہی ہندوستانی قومی فوج کی تخلیق کی اور بحرالکاہل میں ایک ہوائی جہاز کے حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ اس زمانے میں سوبھاش چندر بوس آئی سی ایس کے لئے منتخب ہو چکے تھے۔ اور اپنا زمانۂ تربیت پورا کر رہے تھے۔ ملازمت شروع کرنے کے کچھ عرصے بعد ہی انہوں نے آئی سی ایس سے استعفیٰ دیدیا۔ حالانکہ انگریزوں کے عہد حکومت میں یہ ایک بہت بڑی ملازمت سمجھی جاتی تھی۔ اور تمام قسم کے سرکاری یا نجی ملازمین اسے رشک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان واپس جاکر انگریزوں کو نکال باہر کریں اور آزاد ہو جائیں سوبھاش مسٹر جناح کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے آخر تک بلے بہت غور و انہاک سے سنا۔

اس کے بعد مجھے مسٹر جناح سے ملنے کا اتفاق ہوا اور وہ بھی اس وقت جبکہ ان کی خوبصورت بیوی ان کے ساتھ تھیں۔ تو وہ چند ہفتے بعد میرے چچا کے گھر

۲۶ - پٹی بل، لندن میں ایک عشائیہ کے موقع پر ہوا۔ کھانے پر خاصے بہت سے آدمی بلائے گئے اور جب کھانا ہو چکا تو ایک جاز بینڈ بجنا شروع ہوا۔ اور زیادہ تر مہمان رقص کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور جیسا کہ ۱۹۲۰ میں فیشن تھا طرح طرح سے اچھل کود کرنے لگے مسٹر جناح کو رقص کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا۔ اس لئے میرے چچا زاد بھائی مرزا علی اصفہانی اور میں دونوں ان کے ساتھ بلیرڈ روم چلے گئے بینڈ کا دل نواز ٹھیک ہمارے سروں کے اوپر اپنا ڈھول پیٹ رہا تھا۔ لیکن مسٹر جناح بلیرڈ کھیلتے رہے۔

ستمبر کے آغاز میں محمد علی جناح ہندوستان واپس آئے اور ستمبر کے آخری عشرہ میں انہوں نے کلکتہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کی۔ ان جلاسوں کے بیک وقت انعقاد کا مقصد خلافت اور ترک موالات جیسے مسئلوں پر غور کرنا تھا۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں اپنی صدارتی تقریر میں محمد علی جناح نے کہا کہ ہم یہاں اس صورتحال پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ جو صلح کے بعد سے حکومت کی ایک سوچی سمجھی پالیسی پر عمل پیرا ہونے سے پیدا ہوئی ہے پہلے پنجاب میں رولٹ بل کی منظوری کے نتیجہ میں ظلم و ستم کیا گیا۔ پھر سلطنت عثمانیہ اور خلافت کی بے حرمتی کی گئی۔ پہلا حملہ ہماری آزادی پر اور دوسرا حملہ ہماری مذہب پر کیا گیا۔ ہر حکومت کو دو اہم فرائض انجام دینا ہوتے ہیں پہلی بات یہ کہ وہ بین الاقوامی پالیسی پر اپنی رائے کا اظہار کرے اور دوسری بات یہ کہ داخلی طور پر انصاف اور انسان دوستی کے اعلیٰ ترین اصولوں کو برقرار رکھے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام نظم و نسق عوام کے اپنے ہاتھ میں ہو تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق حکومت چلا سکیں۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ مسلمانوں کی متفقہ رائے کو نظر انداز کر کے اور وزیر اعظم کے وعدوں سے انحراف کر کے ترکی پر ذلت آمیز شرائط تھوپ دی گئیں۔ اور سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ محمد علی جناح کی تقریر کے دوران مجمع برابر شرم شرم کے نعرے بلند کرتا رہا۔ کیونکہ دو سال کے طویل وقفہ کے بعد مجمع کو ایک

مرتبہ پھر محمد علی جناح کی زبان سے برطانوی اقتدار کی مذمت سننے کا موقع ملا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ محمد علی جناح اسی طرح حکومت پر تنقید کرتے رہیں لیکن مدبر قت نے اچانک اپنا لہجہ تبدیل کیا اور کہا کہ ان تمام حالات سے خدا کا شکر ہے کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں ہیں اور ہم سب کو یقین ہو گیا کہ ہم بین الاقوامی مسائل میں اپنی نمائندگی کے لئے حکومت ہند یا برطانوی حکومت پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ خلافت کانفرنس کے اختیارات کی تفویض کے بعد گاندھی نے مسلم لیگ کے سامنے عدم تعاون کا پروگرام پیش کیا اور اب لیگ کو اس معاملے پر فیصلہ کرنا ہے۔ محمد علی جناح نے عدم تعاون کی تحریک کی حمایت کرنے کی اپیل نہیں کی بلکہ لوگوں کو خبردار کیا کہ صرف آپ ہی کو اپنی طاقت کا اندازہ لگانا ہے اور کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اس معاملے کے سیاق و سباق پر غور کرنا ہے۔ سلہ

چودھری خلیق الزماں نے اپنی سوانح شاہراہ پاکستان میں اس اجلاس کو صرف کانگریس کی خصوصی کمیٹی کا اجلاس ظاہر کیا ہے اور اس میں محمد علی جناح کی شرکت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جبکہ کانگریس کا اجلاس ۸ ستمبر کو لالہ لاجپت رائے کی صدارت میں اور ۹ ستمبر کو مسلم لیگ کا جلسہ محمد علی جناح کی صدارت میں اسی مقام پر ہوا تھا۔ اس جلسہ کی کارروائی قائداعظم کے پرائیویٹ سکریٹری مطلوب الحسن سید نے بھی محمد علی جناح کی سیاسی سوانح میں درج کی ہے اور جی الانا نے اس کارروائی سے اپنی کتاب میں استفادہ کیا ہے۔ اجلاس کے بعد ایک اخباری نمائندے نے جب محمد علی جناح سے تحریک ترک موالات کے بارے میں اظہار خیال کرنے کی درخواست کی تو آپ نے کہا کہ میں نے تحریک کے پروگرام کا ابھی مطالعہ نہیں کیا ہے جب تک میں اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح سمجھ نہ لوں واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اکتوبر ۱۹۲۰ میں مسز اینی بسنت نے مختلف حلقوں کی جانب سے شکوک و شبہ کی فضا پیدا کرنے اور اُن کی ذات پر بداعتمادی کا اظہار کرنے پر احتجاجاً ہوم رول

سلہ - جی الانا صد ۱۹۲ -

لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا۔ ۳ر اکتوبر ۱۹۲۰ کو اس سلسلے میں ہوم رول لیگ کا ایک عام اجلاس گاندھی جی کی صدارت میں بمبئی میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی کارروائی کے دوران جب لیگ کے دستور میں ترامیم کی قرارداد پیش ہوئی تو اس پر بڑی شدت کے ساتھ بحث کی گئی۔ ترامیم کا مقصد ہوم رول لیگ کا نام تبدیل کرکے سوراج سبھا رکھنا اور برطانیہ سے مکمل آزادی حاصل کرنا تھا۔ محمد علی جناح چونکہ ایک آئینی فکر کے مالک تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس موقع پر اعتراض کیا کہ اس اجلاس کو آئین میں ترمیم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس پر بحیثیت صدر گاندھی جی نے رولنگ دیتے ہوئے کہا کہ جب رکن کو نیا آئین قبول نہ ہو وہ بخوشی لیگ سے علیحدہ ہو جائے گا ندھی جی کا یہ رویہ محمد علی جناح اور اُن کے رفقاء کے لئے قابلِ قبول نہ تھا۔ چنانچہ وہ اجلاس سے اُٹھ کر چلے گئے۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو محمد علی جناح نے اپنے ۱۹ ساتھیوں کے ہمراہ ہوم رول لیگ کی رکنیت سے استعفیٰ دیدیا۔ یہ استعفیٰ اشتراکی تھا۔ جس میں آئین میں تبدیلی پر سخت احتجاج کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ایسی صورتحال میں ہمارا لیگ میں رہنا قطعی ناممکن ہے۔ استعفیٰ دینے والوں میں محمد علی جناح، ایم آر جیکر، جمنا داس دوارکا داس، کانجی دوارکا داس۔ کے ایم منشی، ہیرا لال نانا وتی، ناچند اس ماسٹر، گلاب چند دیو چند، چھوٹو بھائی وکیل، منگل داس پکواسا، آر جی منصف، ایم کے آزاد، مرار جی کامدار۔ جمنا داس مہتا، ہنس راج پراجی ٹھکیسری، چندرا شنکر پنڈیا، این بی وبھاکر، منی لال نانا وتی، اور روانی ایم پکواسا شامل تھے۔

اسی دن گاندھی جی نے ایک خط محمد علی جناح اور اُن کے ساتھیوں کو لکھا جس میں انہوں نے ان اراکین سے اپنے فیصلہ پر دوبارہ غور کرنے کی اپیل کی۔ گاندھی جی نے اپنے خط میں ہوم رول لیگ کے آئین میں ترامیم پر بھی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور دبے دبے الفاظ میں اپنے فیصلہ کو درست قرار دینے کی کوشش کی۔ اس خط کا جواب

محمد علی جناح نے ایک ایسے ماہر سیاستدان کی طرح دیا جس کی نظر آنے والے واقعات
پر بھی ہوتی ہے۔ محمد علی جناح نے اپنے خط میں لکھا کہ آپ نے مجھے ملک کی نئی سیاسی زندگی میں شرکت کی
دعوت دی ہے اس کے لئے میں آپ کا شکر گذار ہوں لیکن اگر اس نئی زندگی سے آپ کا مطلب
وہ پروگرام ہے جس کا آپ نے اعلان کیا ہے اور وہ طریق کار ہے جو آپ نے تجویز
کیا ہے تو مجھے افسوس ہے کہ میں اس نئی زندگی میں حصہ لینے کو تیار نہیں ہوں۔
کیونکہ مجھے پوری طرح یقین ہے کہ آپ نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ملک کو تباہی
کی طرف لے جائے گا۔ صحیح معنوں میں نئی زندگی یہ ہے کہ ہمارا مقابلہ ایک ایسی حکومت
سے ہے جو عوام کی شکایات جذبات اور احساسات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی ایک
تو یہ کہ ہمارے ہم وطن متحد نہیں ہیں۔ اعتدال پسند جماعت اب تک غلط اقدامات
کر رہی ہے اور آپ اب تک جتنے بھی اداروں سے منسلک رہے ہیں آپ کے
پیچیدہ طریقہ کار کی بنا پر ان کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ نہ صرف ملک کی سیاسی زندگی
میں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں، صرف ہندوؤں کے اندر آپس میں اور صرف
مسلمانوں کے درمیان آپس میں حتیٰ کہ باپ اور بیٹوں کے درمیان آپس میں چپقلش اور
اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ پورے ملک میں لوگ عام طور پر مایوس ہیں۔ آپ کی تحریک
نے جو انتہا پسندانہ اور شدت آمیز ہے اس سے فی الحال صرف ناتجربہ کار نوجوانوں نافہم
ناعاقبت اندیش اور ناخواندہ افراد کو متاثر کیا ہے۔ ان تمام باتوں کا مقصد بدنظمی اور
افراتفری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ میں ان کے تصور سے
کانپ جاتا ہوں۔ لیکن ایک بات پر یقین رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس کا سبب
بنیادی طور پر حکومت کی موجودہ پالیسی ہے اور جب تک یہ برائی دور نہیں ہوگی حالات
جوں کے توں موجود رہیں گے۔ اس برائی کو دور کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے
لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرے ملک کے عوام کا شیرازہ اس

طرح بکھر جائے۔ قوم پرست عناصر کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ متحد ہو جائیں۔ اور ایک نیا پروگرام مرتب کرنے کی جدوجہد کریں جس کی بنیاد پر ملک میں ایک ذمہ دار حکومت کے قیام کے لئے اتفاق رائے ہو سکے۔ یہ پروگرام کوئی ایک فرد آمرانہ انداز میں مرتب نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس پروگرام کے لئے ملک کے تمام قوم پرست رہنماؤں کا تعاون اور حمایت درکار ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مجھے یقین ہے کہ میں اور میرے ساتھی جدوجہد کرتے رہیں گے[1]

محمد علی جناح کے اس جواب سے دراصل اُن کے سیاسی تجربے اور فکری تجزیہ کی غمازی ہوتی ہے انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک عرصے کی جدوجہد کے بعد جو فضا پیدا کی تھی۔ اُسے موقع پرست گاندھی جی نے جس انداز سے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر لیا تھا اُس کا محمد علی جناح کو شدید قلق تھا۔ اور شاید یہی وہ عرصہ تھا جب محمد علی جناح کے دل سے ہندو مسلم اتحاد کا جذبہ حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا تھا اور وہ ہندوستان کی سیاست کو ایک منفرد جدوجہد سے ہمکنار کرنے کی فکر میں غلطاں تھے۔ ناگپور میں کانگریس اور لیگ کے مشترکہ اجلاس نے اُن کی اس سوچ کو مزید استحکام فراہم کیا۔

دسمبر ۱۹۲۰ کے آخری عشرہ میں ناگپور میں کانگریس اور مسلم لیگ کے بیک وقت اجلاس ہوئے۔ گاندھی جی کی سرکردگی میں تحریک خلافت اور کانگریس ایک عظیم طاقت کا روپ دھار گئی تھی۔ اور پورے ملک میں شدید جذباتی فضا تھی۔ کانگریس کا اجلاس سری راجگوپال اچاریہ کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں تقریباً ۵۰ ہزار آدمی شریک تھے۔ ہیکٹر بولائتھو نے شرکاء کی تعداد ۱۴ ہزار بتائی ہے۔ ناگپور کے اجلاس سے قبل کانگریس کا مسلک دستوری اور آئینی طریقوں سے قومی اتحاد کے ذریعے نظم و نسق میں اصلاح کرنا تھا۔ لیکن اس اجلاس میں گاندھی جی

---

[1] شریف الدین پیرزادہ۔ قائداعظم کے خطوط۔ ۲۰۴

نے جو قرارداد پیش کی اُس میں کہا گیا تھا کہ "انڈین نیشنل کانگریس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی عوام تمام جائز اور پرامن طریقوں سے سوراج حاصل کریں۔ محمد علی جناح نے اس بنیادی تبدیلی کی شدید مخالفت کی۔ اور اپنے مخصوص انداز میں ہندوستان کی صورتحال اور مستقبل میں پیدا ہونے والی مشکلات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی لیکن عوام اس کے حق میں نہیں تھے۔ ان کو گاندھی جی کی سحرکاری نے مسحور کر لیا تھا۔ جب محمد علی جناح اس قرارداد پر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے پہلا جملہ ہی ادا کیا کہ "میں اس قرارداد کی مخالفت کرتا ہوں" تو اُن کی آواز عوام کے شور میں ڈوب گئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ حاضرین جلسہ ان کے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن وہ اسی طرح ڈائس پر کھڑے خاموشی سے ہنگامہ ختم ہونے کا انتظار کرتے رہے جب شور و غوغا ختم ہو گیا تو پھر انہوں نے تقریر شروع کرنا چاہی لیکن ابھی انہوں نے یہی کہا تھا کہ میں اس قرارداد کی مخالفت کرتا ہوں کہ پھر ہڑبونگ شروع ہو گئی۔ مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ اور گھن گرج کے ساتھ تقریر جاری رکھی۔ اور قرارداد کی بھرپور مخالفت کی۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر کے دوران گاندھی جی کو مسٹر گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر کو مسٹر محمد علی کہہ کر مخاطب کیا۔ جس پر عوام احتجاج کرتے رہے اُن کا اصرار تھا کہ مہاتما گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر کہا جائے۔ لیکن محمد علی جناح نے اپنا تخاطب تبدیل نہیں کیا۔ اے اے رؤف نے اپنی کتاب "میٹ مسٹر جناح" میں طنزیہ انداز میں لکھا ہے کہ اس موقع پر مولانا شوکت علی کا لہو کھول گیا۔ وہ اپنے بھائی کی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ مسٹر جناح کی طرف ایک ڈنڈا لے کر بڑھے مگر عدم تشدد کے نظریات نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا[1]۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر پوری کرنے کے بعد اس آمرانہ تبدیلی کے خلاف بطور احتجاج کانگریس کی رکنیت سے استعفیٰ دیدیا۔ ڈاکٹر وحید الزماں اپنی

---

[1] اے اے رؤف صـ۲۳۵۔

کتاب "ٹوورڈز پاکستان" میں اس اجلاس کی کارروائی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
"آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس ناگپور اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ اس اجلاس میں محمد علی جناح نے کانگریس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ ایک با اصول قانون دان کی حیثیت سے وہ اُن قراردادوں کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ جو کانگریس نے اس اجلاس میں منظور کی تھیں وہ ہندوستان کے موقف کے سلسلے میں کسی احتجاج یا سخت اقدامات کے مخالف نہیں تھے۔ لیکن وہ اس پروگرام پر یقین نہیں رکھتے تھے جسے کانگریس نے منظور کیا تھا۔ اس اجلاس میں انہوں نے مجمع کی جانب سے سخت مخالفت برداشت کی لیکن انہوں نے واضح الفاظ میں گاندھی سے کہا کہ۔
"تمہارا راستہ غلط ہے اور میرا راستہ صحیح ہے کیونکہ آئینی اور قانونی طریقہ کار ہمیشہ درست ہوتا ہے۔ محمد علی جناح اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ ایسی تحریک کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے جس میں لڑکوں کو اسکول اور کالجوں سے اٹھا کر اور اُن کا تعلیم سے ناطہ توڑ کر مظاہروں اور ہنگاموں کی راہ پر لگا دیا جائے۔ مگر راستی اور نیک نیتی پر مبنی جناح کی بات نہیں سنی گئی۔ عوام اب اس بات پر تیار نہیں تھے کہ وہ کوئی سنجیدہ بات سنیں وہ اب صرف تشدد کے ساتھ احتجاج چاہتے تھے چنانچہ محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور گاندھی جی راتوں رات لاکھوں عوام کے رہنما بن گئے۔ انہوں نے ملک گیر دورے کئے اور عوام کو یہ بات باور کرائی کہ یہ تحریک ہندو مسلم مشترکہ مقاصد کے لئے چلائی جا رہی ہے[1]

چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب شاہراہِ پاکستان میں لکھا ہے کہ اس اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کے درمیان جھڑپ ہوئی اور مولانا محمد علی جوہر نے آپ کے خلاف تقریر کی۔ محمد علی جناح اسی دن شام کی گاڑی سے مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کئے بغیر بمبئی چلے گئے۔[2]

---

[1] ڈاکٹر وحید الزماں ص ۲۵: ٹوورڈز پاکستان مطبوعہ یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور۔ مارچ ۱۹۶۴ء
[2] چودھری خلیق الزماں۔ ص ۲۴۸

بعد میں مسلم لیگ کا تیرھواں سالانہ اجلاس ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ترک موالات کی قرارداد منظور کر لی گئی۔ کیونکہ کانگریس کے اجلاس کی کامیابی کے بعد مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اس قرارداد کی مخالفت ناممکن ہو گئی تھی۔ [۱]

[۱] ۔ عبدالعزیز، بی، ایس، سی۔ ص ۱۰۵

سنہ ۱۹۲۱ء

محمد علی جناح کی زندگی میں سنہ ۱۹۲۱ء ایک نہایت اہم موڑ تھا۔ جب وہ ہندوستان کی سیاست سے کسی حد تک دلبرداشتہ ہو گئے تھے۔ اب وہ صرف ایک سیاسی جماعت کے رکن تھے اور وہ تھی مسلم لیگ جو بعد میں محمد علی جناح اور برصغیر کے مسلمانوں کی تمناؤں اور آرزوؤں کا محور ثابت ہوئی۔ خود ہندوؤں کے لئے یہ بات بڑے تجسس کا باعث تھی۔ کہ کل تک جس شخص کو گاندھی کا بیٹا سفیر اور امن کا نقیب کہا جا رہا تھا۔ وہ آج اس قدر دور جہ سفیر کیوں بن گیا ہے لیکن جذبات کے تیز دھارے نے غور و فکر کے لمحات عوام سے چھین لئے تھے۔ چاروں طرف کانگریس اور خلافت کانگریس کے مشترکہ موقف کی دھوم تھی۔

مسٹر گاندھی نہایت ذہین اور نفسیاتِ انسانی کے بہت بڑے ماہر تھے۔ انہیں مسئلہ خلافت اور مسلمانوں کے جذبات کا احساس تھا چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے مسئلہ خلافت کو صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ سارے اہل ہند کا مسئلہ قرار دیدیا مولانا محمد علی جوہر بھی اپنی تمام تر ذہانت و فراست اور علم و فضل کے باوجود بنیادی طور پر جذباتی انسان تھے اور ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے۔ کہ وہ مسٹر گاندھی کی چال کو نہ سمجھ سکے اور خلافت جیسی اسلامی تحریک کی باگ ڈور ایک کٹر ہندو کے ہاتھ میں دے بیٹھے۔[۱] ایسی صورتحال میں محمد علی جناح کی آواز کون سنتا۔ وہ آئینی اور قانونی سیاسی جدوجہد کی بات کر رہے تھے۔ جبکہ گاندھی جی نے پورے ہندوستان کو گھیراؤ اور جلاؤ کی نذر کر دیا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ دور بڑا پُرآشوب دور ہے کیونکہ اس دور میں مسلمانوں کو اپنے

---

[۱] پیام شاہجہاں پوری ص ۱۸۷

غلط فیصلوں کی بناء پر شدید جانی مالی اور ذہنی نقصانات اٹھانا پڑے ترک موالات نے اُن کو نہ صرف تعلیمی اداروں اور ملازمتوں سے محروم کر دیا تھا۔ بلکہ ہجرت کے اعلان کے بعد وہ شدید مشکلات میں گھر کر رہ گئے۔ افغانستان کی جانب ہجرت کرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کچھ تو سفر اور دشوار گذار راستوں کی صعوبتیں برداشت نہ کر کے موت کا شکار ہوئے جو افتاں و خیزاں افغانستان کی سرحد پر پہنچے انہیں افغانی حکومت نے ملک میں داخل ہونے سے روک دیا کیونکہ اوّل تو افغانستان اور حکومت برطانیہ میں معاہدہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے حلیف کی حکومت سے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دیکر حکومتِ برطانیہ سے تعلقات خراب نہیں کرنا چاہتی تھی دوسرے اس مسئلہ کا اقتصادی پہلو بھی یہی تھا کیونکہ تیس ہزار افراد کی خوراک۔ قیام اور روزگار کا مسئلہ حل کرنا افغانستان جیسے پسماندہ ملک کے بس کی بات نہیں تھی۔ ۱۹ر فروری کی شب سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی نے برصغیر کے اعتدال پسند رہنا گوکھلے کی چھٹی برسی کا بمبئی میں اہتمام کیا۔ اس تقریب کی صدارت مسٹر آر پی پرنجے پائی کر رہے تھے۔ جبکہ تقاریر کرنے والوں میں محمد علی جناح۔ مسٹر ایم آر جے اور پروفیسر واڈیا شامل تھے۔ جب محمد علی جناح تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے تو چاروں طرف سے اُن کا زبردست خیر مقدم کیا گیا کیونکہ محمد علی جناح اپنے سیاسی نظریات سے قطع نظر بمبئی کے عوام کے درمیان بڑے ہر دلعزیز تھے اور عوام اُن کو لارڈ ولنگڈن کو شکست دینے کے بعد بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر کی ابتداء میں گوکھلے کی زندگی اور خدمات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے اُن کے اوصاف بیان کئے۔ انہوں نے کہا کہ محب وطن گوکھلے نے قومی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور وہ اپنی آخری سانس تک اس موقف پر قائم رہے۔ ہم کو گوکھلے کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہوئے ملک و قوم کی خدمت کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ محمد علی جناح نے گوکھلے کی ایسے وقت میں موت پر بھی اظہار افسوس کیا جبکہ ملک و قوم کو اُنکی شدید ضرورت تھی۔
گوکھلے کے بارے میں اظہار عقیدت محمد علی جناح کا حق تھا۔ کیونکہ انہوں نے گوکھلے کو نہ صرف

بڑے قریب سے دیکھا تھا بلکہ گوکھلے اُن کے لئے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتا تھا۔ محمد علی جناح نے کہا کہ آج شام گوکھلے کے بارے میں اظہار عقیدت کرنے والا کوئی شخص بھی موجودہ صورتحال کو نظر انداز نہیں کر سکتا چنانچہ میں آپ سے اجازت چاہوں گا کہ چند الفاظ مجھ کو موجودہ صورتحال کے بارے میں بھی کہنے دیئے جائیں۔

محمد علی جناح نے گاندھی جی کے سیاسی کردار اور ناگپور کے اجلاس کانگریس کے بارے میں بہت کھل کر اظہار خیال کیا جس پر سامعین جو بہر صورت بمبئی کے باشندے ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کی موجودہ سیاسی رو کا خود بھی شکار تھے۔ جز بز ہونے لگے۔ انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا لیکن محمد علی جناح اپنی بات کہنے کا کوئی موقع گنوانے کیلئے تیار نہ تھے چنانچہ انہوں نے تمام تر مخالفت کو برداشت کرتے ہوئے بھی اپنی تقریر جاری رکھی۔ گاندھی جی کی تحریک ترک موالات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ گاندھی غلطی اور انتہائی غلطی کر رہے ہیں۔ میں اُن کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن وہ ملک کو غلط راستے پر ڈال رہے ہیں۔ اگر مجھے گاندھی کے پروگرام سے اتفاق ہوتا تو میں عدم تعاون کی تحریک اور بائیکاٹ کی جدوجہد میں اُن کا ساتھ دیتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم کو ایک ایسی سیاسی تحریک اور پروگرام کی ضرورت ہے جسکی بنیاد حقیقی سیاسی اصولوں اور جذبہ حب الوطنی پر ہو جس سے ہر ہندوستانی سرشار ہو۔ جب تک یہ بنیاد موجود نہیں ہے ہمارا پروگرام ادھورا رہے گا۔ اگر ہم انتخابات میں حصہ لیتے تو امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں ہمارے تقریباً ۳۰ بہترین آدمی منتخب ہو جاتے۔ اور ہم حکومت کو اپنے تمام اہم مسئلوں پر عوام کے حقیقی احساسات و خواہشات سے واقف کرا سکتے تھے۔ ان تیس اراکین کی موجودگی میں حکومت کے لئے معاملہ اتنا آسان نہ رہتا اور اُسے کونسل توڑنے پر مجبور ہونا پڑتا میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسل میں جا کر نوکر شاہی سے دو بدو جنگ کرنے پر کیوں تیار نہیں ہیں اس لئے کہ وہ آئینی اور سیاسی اصولوں کے منافی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

محمد علی جناح نے اس موقع پر روس کی مثال دی جہاں مطلق العنان زار نے یہ محسوس کر کے اسمبلی توڑ دی تھی کہ وہ اُس کی مرضی اور خواہش کے مطابق کام نہیں کر رہی ہے۔ اسی طرح حکومت ہند کو بھی کونسل کو توڑنا پڑتا اگر وہ اُسکی مرضی اور منشاء کے مطابق کام نہ کرتی۔ اگر ہم کونسل میں ہوتے تو ضرور گاندھی کی قرارداد کو اسمبلی میں زیر بحث لاتے اور اُس وقت تک دیگر قانون سازی کا کام نہ ہونے دیتے جب تک کہ حکومت اس مسئلہ پر بات چیت نہ کر لیتی۔ آپ خود دیکھیں کہ رولٹ ایکٹ کے مسئلہ پر اراکین نے کونسل سے باہر آ کر کس جرأت اور ہمت کا ثبوت دیا اور عملی طور پر رولٹ ایکٹ کو ناقابل عمل بنا دیا۔

اس کے برعکس گاندھی نے ہمارے نوجوانوں اور طالب علموں کو دعوت دی ہے کہ وہ اسکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کر دیں لیکن انہوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ لوگ بائیکاٹ کے بعد کیا کریں گے۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے متعدد دوستوں سے مذاکرات کئے لیکن کوئی بھی مجھے تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ گاندھی نے کہا ہے کہ پہیہ روک دو۔ اور خود کو ہندی تعلیم کے لئے وقف کر دو۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حقیقتاً یہ سیاسی تحریک نہیں ہے۔ کسی ملک کے لئے سب سے بڑی اور ضروری چیز ہے کہ وہ پہلے عوام کو منظم کر کے حکومت کو اس کی کارکردگی سے روکنے کی جدوجہد کرے۔ جرمنی نے جنگ سے قبل چالیس سال تک عوام کو منظم کیا جاتا رہا ہے۔ اور ہندوستان کی قوت کیا ہے مسٹر گاندھی نے یہ تو کہہ دیا کہ اسکولوں اور کالجوں سے باہر آ جاؤ اور دیہاتوں میں جاؤ۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ وہاں جا کر کریں کیا۔ محمد علی جناح نے کہا کہ اگر ہم ہندوستان میں عدم تشدد اور عدم تعاون کے ذریعہ حالات کو سنوارنا چاہتے ہیں تو ہم انسانی فطرت کو نظر انداز کر رہے ہیں وہ یہ بھول رہے ہیں کہ وہ انسان ہیں دیوتا نہیں۔ اگر وہ اس مرحلہ پر واقعی اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی سیاسی تحریک کو اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جاری رکھیں کہ اُن کو اپنے ملک کے عام آدمی کا معیار بلند کرنا ہے لیکن مسٹر گاندھی کا پروگرام روحانی قوت کے نظریہ پر مشتمل

ہے اور یہ دراصل ایک روحانی تحریک ہے اس طرح کے اصول اور نظریئے جن کی تبلیغ مسٹر گاندھی کر رہے ہیں ایک عام آدمی کی فطرت کے منافی ہیں جن میں خود میں بھی شامل ہوں لاکھوں میں سے ایک آدمی بھی گاندھی جی کے نظریات پر عمل نہیں کرسکتا۔ جو انسانی احساسات کے منافی ہیں۔ عدم تعاون اور عدم تشدد کی تحریک اس وقت تک کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے جب تک کہ ہم طالب علموں اور نوجوانوں کو متبادل اسکول اور کالج فراہم نہ کریں۔

محمد علی جناح نے طویل استدلال اور حقائق کی پردہ پوشی کے بعد اپنی تقریر کے آخر میں کہا کہ مجھے یقین ہے کہ گاندھی ہمیں غلط راستے پر ڈال رہے ہیں اس لئے میں کسی بھی صورت میں ان کے عدم تعاون کے مسلک کی حمایت نہیں کرسکتا۔[۱] محمد علی جناح کی اس تقریر کو قوم پرست اخبارات نے خوب اچھالا کیونکہ ایسے دور میں جبکہ گاندھی آندھی اور طوفان کی طرح پورے ملک پر چھائے ہوئے تھے۔ اُن کے مسلک اور نظریئے کے خلاف اتنی جرأت اور حق گوئی کا مظاہرہ کرنا کسی ہندوستانی رہنما کے بس کی بات نہیں تھی۔ محمد علی جناح کی تقریر کا مکمل متن "بمبئی کرانیکل" نے اپنی ۱۲ر فروری ۱۹۲۱ء کی اشاعت میں نقل کیا جسکو مطلوب الحسن سید نے اپنی کتاب میں اسی اخبار سے اخذ کیا ہے۔

۱۹ر جنوری ۱۹۲۱ء کو گاندھی نے ینگ انڈیا میں محمد علی جناح کے الزامات کی خود تصدیق کی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا کہ "ہم ایک روحانی جنگ میں مصروف ہیں۔ ہم معمولی زمانہ میں زندگی بسر نہیں کر رہے ہیں۔ معمولی سرگرمیاں ہمیشہ غیر معمولی زمانوں میں رک جاتی ہیں۔ اگر ہم ایک سال میں سوراج حاصل کرنے کے درپے ہیں تو ہمیں تمام امور سے قطع نظر کرکے اپنی تمام توجہات کو اپنے نصب العین پر مرکوز رکھنا چاہیئے۔ اس لئے میں ہندوستان بھر کے طلباء کو جو قومی اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مشورہ دینے کی جرأت کرتا ہوں کہ وہ ایک سال کے لئے اپنی تعلیم موقوف کرکے اپنا وقت ہاتھ سے کاتا ہوا سوت تیار کرنے کے لئے وقف کردیں یہ مادر وطن کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ اور حصول سوراج میں سب سے زیادہ فطری امداد ہوگی۔ ہمارے

[۱] مطلوب سید، ص ۲۷۸، ۲۷۹

حکمرانوں نے گذشتہ جنگ میں جبت کی گولیاں تیار کرنے کے ہر کارخانے کو اسلحہ خانے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنی اس جنگ میں ہر نیشنل اسکول اور کالج کو مشورہ دوں گا کہ وہ قوم کی خاطر آگے بڑھے اور تاگے کی پونیاں بنانے کا کارخانہ بن جائے۔ میں تم کو چرخہ کا ہدیہ پیش کرتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ ہندوستان کی اقتصادی نجات کا دارو مدار اسی پر ہے۔[۱]

اپریل ۱۹۲۱ء میں لارڈ چیمسفورڈ کی جگہ لارڈ ریڈنگ کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف ہنگاموں اور ہندوستان کی موجودہ سیاسی صورتحال کے پیش نظر لارڈ چیمسفورڈ کا تبادلہ ناگزیر ہوگیا تھا کیونکہ اُن کے بارے میں ایک عام تاثر یہ تھا کہ وہ جمہوریت نواز شخص ہیں۔ اور انہوں نے اپنے دور حکمرانی میں ہندوستانی عوام کو خاص مراعات فراہم کیں جن کی بنا پر ہندوستانی عوام کو بڑے بے لگام ہوگئے ہیں۔ اس پروپیگنڈے میں پنجاب کے گورنر اوڈوائر اور لارڈ سڈنہم کافی پیش پیش تھے۔

۱۱ مئی ۱۹۲۱ء کو الٰہ آباد میں مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی یہ وہ دور تھا کہ بظاہر ہندو مسلم اتحاد کے باوجود متعصب ہندو رہنماؤں کی ایک جماعت ایسی تھی جو مسلمانوں پر کسی صورت میں اعتماد کے لئے تیار نہیں تھی۔ اس جماعت میں مدن موہن مالویہ۔ ڈاکٹر تیج بہادر سپرو اور راما سوامی رنگا آئر سر فہرست تھے۔ دوسری طرف اینگلو انڈین اخبار پائنیر بھی مسلمانوں کی مسلسل مخالفت پر کمربستہ تھا۔ اُس نے مولانا محمد علی جوہر پر الزام لگایا کہ وہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر افغانوں کو ہندوستان کا حاکم بنانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شاہ افغانستان امیر امان اللہ خان سے خط وکتابت کر رہے ہیں جو ہندوستان پر حملہ کی تیاریاں بھی کر رہا ہے۔ محمد علی جوہر نے اس کانفرنس میں ان الزامات کی بھی تردید کی اور کہا کہ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں نے تو افغانستان کے موجودہ امیر سے اور نہ اُن کے والد سے کوئی خط وکتابت کی ہے۔ جو آواز افغانستانی معاہدہ کے خلاف بلند ہوئی تھی وہ میری نہ تھی بلکہ ایک ہندو مہاتما گاندھی کی تھی۔ مولانا جوہر نے کہا کہ میں

---

[۱] اندولال یاجنک صفحہ ۱۱۶

آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ چند لوگوں کے شبہات کی وجہ اپنی آزادی کو نہ گنوائیں ایک کروڑ افغانی تیس کروڑ ہندوستانیوں پر کس طرح حکومت کر سکتے ہیں۔ مولانا نے اس تقریر میں لارڈ ریڈنگ کی تقریر کا بھی خیر مقدم کیا اور اُنکو مشورہ دیا کہ وہ عوام کے احساسات اور جذبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیاسی فیصلوں میں حکومت برطانیہ کو مشورہ دیں۔[1]

خلافت اور عدم تعاون کی تحریک اپنے پورے شباب پر تھی۔ ہندو اور مسلمان یک دل اور یک جان ہو کر برطانوی سامراج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ہندو اللہ اکبر کے نعرے لگاتے سنے جاتے اور مسلمان بندے ماترم کے جیکارا لاپتے میں تامل سے کام نہ لیتے۔ ہندو رہنما اپنی تقریروں میں اسلام اور قرآن کے حوالے دیتے اور مسلمان ہندو بزرگوں کی تعریف کرتے تھے۔ اسی زمانے میں یعنی ۸، ۹، ۱۰ جولائی کو کراچی خلافت کانفرنس منعقد ہوئی اور ایسی قراردادیں منظور ہوئیں جن میں ملک معظم کی فوج اور پولیس کو بغاوت پر ابھارا گیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اس کانفرنس کے صدر تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اصل قرارداد کو کانفرنس میں پیش کیا ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا نثار احمد کانپوری نے قرارداد کی تائید کی۔ سوامی شنکر اچاریہ اور پیر غلام مجدد نے اس کے حق میں تقریریں کیں۔ مولانا شوکت علی نے مرکزی خلافت کمیٹی کا سکریٹری ہونے کی حیثیت سے کانفرنس کی اس قرارداد کو طبع کروا کر اس کی اشاعت کی۔ حکومت ہند نے اس قرارداد کو باغیانہ قرار دیتے ہوئے مذکورہ رہنماؤں پر سنگین الزامات کے تحت مقدمات قائم کئے۔ مولانا محمد علی جوہر جو پورے ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے اگست میں گاندھی جی کے ہمراہ مدراس جا رہے تھے کہ گرفتار کر لئے گئے اسی طرح دوسرے رہنماؤں کو بھی مختلف مقامات سے گرفتار کر کے کراچی لایا گیا۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء کو کراچی کے خالقدینا ہال میں سٹی مجسٹریٹ کے سامنے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ مولانا محمد علی اور اُن کے ساتھیوں نے عدالت کی اس کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لیا البتہ آخر میں انہوں نے اپنے بیانات دیئے۔ اس کے بعد سٹی مجسٹریٹ نے اُن پر فرد جرم لگا کر

---
[1] رئیس احمد جعفری۔ صـ۲۵، اوراق گم گشتہ

مقدمہ سیشن سپرد کردیا۔ سیشن میں بھی رہنماؤں نے عدالت کی کارروائی میں کوئی دلچسپی نہ لی وہاں جو کچھ اُن کو کہنا تھا وہ انہوں نے آخر میں اپنے بیانات میں کہہ دیا۔ سیشن جج نے سوامی شنکراچاریہ کے سوا سب ملزموں کو قصوروار ٹھیرایا۔ اور ہر ایک کو دو دو سال قید بامشقت کی سزا دے دی۔ ل

ترک موالات اور خلافت تحریک کے نتیجہ میں پورے ہندوستان میں ہزاروں افراد گرفتار ہوئے۔ لاتعداد رہنما گرفتار کئے گئے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ سرفہرست تھے۔ اور گاندھی جی نے ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لئے عدم تشدد کی آڑ میں تشدد کا پرچار شروع کردیا تھا۔ ۱۹ اگست کو جنوبی مغربی ساحل پر مالابار کے موپلاؤں نے کارکنان خلافت کی گرفتاری کے خلاف حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کردی جس کو دبانے کے لئے حکومت کو فوج کا استعمال کرنا پڑی۔ اور موپلوں کو شدید جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ ابھی گاندھی جی اور ان کے رفقاء پورے ہندوستان میں بدیسی کپڑوں کو آگ لگا کر حکومت سے اپنی نفرت کا اظہار کررہے تھے کہ ۱۷ نومبر ۱۹۲۱ء کو پرنس آف ویلز ساحل بمبئی پر اترے کانگریس کے پلیٹ فارم سے پرنس آف ویلز سے متعلق تمام تقریبات کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان ہوچکا تھا۔ مگر ساحل پر حکام، راجاؤں، غیر ملکی باشندوں اور پارسیوں کی ایک بڑی تعداد استقبال کے لئے موجود تھی۔ اوسط درجے اور نیچے طبقے کے لوگوں نے استقبال کا مقاطعہ کررکھا تھا۔ انہوں نے استقبال کو کامیاب ہوتا دیکھا تو بے قابو ہوگئے۔ انہوں نے استقبال کا تماشہ دیکھنے والوں کو راستے میں چھیڑنا شروع کردیا۔ ہوتے ہوتے جھگڑا بڑھ گیا۔ عوام کے اژدہام نے ٹرام گاڑیوں کو آگ لگادی۔ شراب خانوں کو تباہ کردیا اور کچھ پارسی خواتین سے چھیڑ چھاڑ بھی کی۔ مہاتما گاندھی اتفاق سے بمبئی میں ہی تھے اور شہر کے ایک دوسرے حصے میں جلسہ کرنے میں مصروف تھے۔ عوام کو ٹھنڈا کرنے کے لئے فوراً مقامِ واردات پر پہنچ گئے۔ مگر اس سے قبل سرکاری مشینری بھی حرکت میں آ چکی

ل پروفیسر محمد سرور صفحہ ۷۰ حوالہ ماخوذ مقدمہ کتاب "محمد علی جوہر مقدمہ کراچی" مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء

تھی۔ اُس نے بعض مقامات پر گولی بھی چلائی اور کئی جانیں ضائع بھی ہوئیں۔ ۱۸ رنومبر کو گاندھی جی نے ینگ انڈیا میں لکھا کہ ــ میرے خوابوں کی امیدوں کا مرکز بمبئی کی شہرت تھی جس پر کل دھبہ لگ گیا۔ اور کب؟ ٹھیک اُس وقت جب میں اپنی سادہ لوحی سے اہلِ شہر کو باوصف اشتعال انگیزی عدم تشدد برتنے پر مبارکباد دے رہا تھا۔

پرنس آف ویلز کے استقبال کے سلسلے میں سرکاری تقریبات ۲۵ رد سمبر کو کلکتہ میں منعقد ہونے والی تھیں اور حکومت کو یہ ڈر تھا کہ ان تقریبات کا مکمل مقاطعہ کیا جائے گا۔ چنانچہ پنڈت مدن موہن مالویہ کے ذریعہ حکومت اور کانگریس میں مفاہمت کی بات چیت شروع ہوئی کانگریس کے صدر سی آر داس ان دنوں علی پور جیل میں تھے۔ اور گاندھی جی احمد آباد میں مقیم تھے۔ اس بات چیت کے نتیجہ میں کانگریس اس بات پر تیار ہو گئی کہ بائیکاٹ کی اپیل واپس لے لی جائیگی۔ اس کے بدلے میں حکومت نے سول نافرمانی کے قیدیوں کو رہا کرنا مان لیا اور کانگریس اور حکومت کے درمیان ۲۲ رمارچ کو گول میز کانفرنس منعقد کرنے پر بھی راضی ہو گئی۔ لیکن گاندھی اور داس نے یہ مطالبہ کیا کہ کسی تفریق و امتیاز کے بغیر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ کچھ سیاسی رہنماؤں نے حکومت اور کانگریس میں مفاہمت کے لئے رابطے کے طور پر کام کیا۔ ان رہنماؤں میں محمد علی جناح اور پنڈت مدن موہن مالویہ آگے آگے تھے۔ لیکن انہیں اپنی کوششوں میں کامیابی نہ ہوئی اور پورے ہندوستان میں پرنس آف ویلز کے دورہ کی تقریبات کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا [۱]۔

۱۹۲۱ء کے آواخر میں حکومت نے ایسے رہنماؤں کو جو تحریک عدم تعاون اور ترک موالات سے علیحدہ تھے ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کی اور جب اُس نے اس سلسلہ میں محمد علی جناح سے رابطہ قائم کیا تو محمد علی جناح نے نہایت سختی کے ساتھ اسے مسترد کر دیا۔ انہوں نے اس موقع پر ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ، عدم تعاون

[۱] ۔ جی الانہ صفحہ ۲۰۵ ۔

کی تحریک عام بے چینی اور بے اطمینانی کی ایک علامت اور اس کا اظہار ہے جو عوام کی خواہشات اور ان کی جائز شکایات کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتی ہے ہر ملک میں متشدد خیالات کے حامل افراد کا ایک طبقہ ہوتا ہے لیکن یہ طبقہ اپنی کسی کارروائی کو اُس وقت تک عملی جامہ نہیں پہنا سکتا جب تک کہ عوام کی اکثریت مطمئن ہو۔ جہاں تک ہندوستان کی صورتحال کے بارے میں میرے مشاہدہ کا تعلق ہے عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا دانشور اور معقولیت پسند افراد بھی حکومت کی موجودہ پالیسی سے مطمئن نہیں ہیں۔ بارہا یہ کہا گیا ہے کہ معقولیت پسند افراد انتظامیہ پر بھروسہ کریں لیکن یہ اُن کے لئے کس طرح ممکن ہے کہ وہ حکومت کے موقف کی حمایت کریں جبکہ حکومت اُن کی کسی بات پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں ہے۔

جو وہ گذشتہ نو ماہ کے دوران لارڈ ریڈنگ اور حکومت کو باور کرا چکے ہیں۔[1]

اس سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۲۱ء کے اواخر میں حکیم اجمل خاں کی زیر صدارت احمد آباد میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا حسرت موہانی نے اپنی تجویز ہندوستان کی مکمل آزادی کے بارے میں پیش کی جو گاندھی جی کے اختلاف کے بعد نامنظور کر دی گئی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس بھی مولانا حسرت موہانی کی صدارت میں احمد آباد کے مقام پر ہوا۔ مسلم لیگ کا یہ اجلاس اس لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے بعد مسلم لیگ کا زوال شروع ہو گیا۔ مولانا حسرت موہانی نے اپنے خطبۂ صدارت میں تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ کا موقف بھی ہندوستان کی مکمل آزادی ہونا چاہیئے۔ مسلم لیگ کا یہ اجلاس نہایت بے جان رہا کیونکہ خلافت تحریک اور کانگریس کی کامیابی کے بعد مسلم لیگ کی کوئی سیاسی حیثیت باقی نہ رہی۔

---

[1] مطلوب سید ص ۲۷۹

۱۹۲۲ء

گاندھی جی نے ستمبر ۱۹۲۰ء میں کلکتہ کے اجلاس میں سوراج حاصل کرنے کا نعرہ لگایا تھا لیکن اُس وقت کانگریس کی صفوں کے اندر بہت حوصلہ شکن افتراق تھا اور بڑے بڑے رہنما اس کی مخالفت پر کمربستہ تھے اس لیے قدرتی طور پر یہ نعرہ رائج نہ ہوسکا۔ گو ابتدائی مدارج میں وہ اپنی اصل کوشش کے لیے ستمبر ۱۹۲۰ء سے ایک سال کی مدّت بتاتے رہے مگر بعد کو انہوں نے رفتہ رفتہ غیر محسوس طور پر اس مدت میں ۱۹۲۱ء کے پورے سال کی توسیع کر دی اور ۱۹۲۱ء کے آغاز سے ہی "ایک دن میں سوراج" اُن کا نعرۂ جنگ بن گیا تھا۔ مگر کٹھ پتلیوں کا ناچ نچانے والے گاندھی جی بھی چور کی طرح پاؤں کہاں رکھتے تھے۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۱ء کا سورج کہر اور خنکی میں ڈوبی ہوئی رات کے پہلو سے طلوع ہوا اور گاندھی اپنی گدڑی میں منہ ڈھانپے نئے عزائم کے تار و پود جوڑتے رہے انہوں نے کہا تھا کہ ۳۱ر دسمبر تک اگر سوراج حاصل نہ ہوا تو وہ اپنی زندگی کسی نہ کسی طریقے سے ختم کر لیں گے۔ مگر سوراج اُن سے کوسوں دور روٹھا بیٹھا تھا۔

مدن موہن مالویہ جن کا شمار ان دنوں اعتدال پسند رہنماؤں میں ہونے لگا تھا وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جلد سے جلد سوراج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی مفاہمت کرائی جائے دوسرے ان رہنماؤں کو بھی تحریک میں شامل کیا جائے جو گاندھی جی کی متشدد پالیسی سے دلبرداشتہ ہو کر سیاسی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس مقصد کے لیے ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ر جنوری کو بمبئی میں ایک کل جماعتی کانفرنس

طلب کی گئی۔ کانفرنس کے چیئرمین سر ایم ویسنز دیرایا تھے۔ جبکہ اس کے سکریٹریوں میں محمد علی جناح۔ جیکر۔ ناتھا راجن شامل تھے۔ اس کانفرنس میں ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت کی متشددانہ پالیسی کی مذمت کی گئی۔ اور کانگرس کو مشورہ دیا گیا کہ وہ باردولی میں منظور کی جانے والی اُس قرارداد سے دستبردار ہو جائے جس میں عام سول نافرمانی کے آغاز کا اعلان کیا گیا ہے کانفرنس میں حکومت کو بھی سفارش پیش کی گئی کہ قیدیوں کی رہائی۔ خلافت اور پنجاب کے مارشل لا ء کے معاملے اور سوراج کے اہم ترین مسئلے پر غور کرنے کے لئے حکومت اور کانگرس کے درمیان گول میز کانفرنس منعقد کی جائے اور اس کے انعقاد کے لئے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کی غرض سے ضابطہ فوجداری کا ترمیمی قانون اور باغیانہ اجتماعات کا قانون فوراً واپس لیا جائے۔ اور اُن تمام قیدیوں کو رہا کیا جائے جو اس قانون کے تحت گرفتار کئے گئے ہیں۔ کانفرنس میں حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ ایک کمیٹی قائم کرے جو تحقیقات کے بعد اس سلسلے میں الزامات ثابت ہونے والے افراد پر عام ملکی قوانین کے تحت مقدمات چلائے۔[۱]

اس کانفرنس میں کانگرس کی نمائندگی کے لیے گاندھی جی شریک ہوتے تھے۔ انہوں نے کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اعتدال پسندوں سے مصالحت کی طرف پیش قدمی کی جو درحقیقت حکومت کے ساتھ مصالحت کی طرف ایک قدم تھا انہوں نے کانگرس کی مجلس عاملہ کو مشورہ دیا کہ وہ کانفرنس کمیٹی کو حکومت سے گفت و شنید کا موقع دینے کے لیے کانگرس کی مجوزہ سول نافرمانی کو ماہِ رواں کی ۱۳ر تاریخ تک ملتوی کر دے کیونکہ خلوص نیت ظاہر کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ ترک موالات کے آغاز کے بعد گاندھی جی نے حکومت کے ساتھ مصالحت کی یہ سب سے بڑی کوشش کی تھی اور اب وہ جس چیز کے سائل تھے وہ کانگرس کے مطالبات کے سیاسی طور پر قبول کئے جانے کا اعلان تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ وہ درحقیقت حکومت سے اس امر کے

---

[۱] ۔ مطاوب الحسن سید۔ ص ۲۸۲

خواہاں تھے کہ وہ کانگریس کو ملک کی سب سے زیادہ نمائندہ جماعت کی حیثیت سے تسلیم کرلے اور اس کے بے مثل ترکِ موالات کا اعتراف کرلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حکومت کی طرف سے بس ایک ہمدردانہ اشارہ کی دیر تھی۔ اور گاندھی جی اپنے ہتھیاروں کو رکھ دینے پر آمادہ تھے۔ مگر جب مدن موہن مالویہ نے اپنی کانفرنس کی نہایت ہلکی اور کمزور تجاویز وائسرائے کے سامنے پیش کیں تو اس نے نہایت بے توجہی سے انہیں مسترد کردیا اس طرح گاندھی جی کو جنوری ۱۹۲۲ء کے آخر میں حکومت نے ایک بار پھر دھتکار دیا۔ آخرکار ۲ر فروری ۱۹۲۲ء کو انہوں نے اس موضوع پر وائسرائے لارڈ ریڈنگ کو اپنا تاریخی الٹی میٹم روانہ کردیا۔ [1]

بمبئی کانفرنس کے چیرمین نے کانفرنس کے اختتام پر کوئی خوشگوار بیان نہیں دیا بلکہ وہ گاندھی جی کی سی بولنے لگے۔ مگر کانفرنس کے سکریٹریوں نے جن میں محمد علی جناح بھی شامل تھے۔ اس کانفرنس کو ناکامی سے بچانے کے لیے حتی الامکان کوششیں کیں۔ ان تینوں رہنماؤں نے کانفرنس کے اختتام پر یعنی ۱۶ر جنوری ۱۹۲۲ء کو عوامی اداروں کے نام ایک مشترکہ اپیل جاری کی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ متنازعہ مسائل کے پرامن سمجھوتہ کے سلسلے میں بمبئی کانفرنس کمیٹی سے تعاون کریں تاکہ ملک میں امن اور یکجہتی کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔ اس اپیل میں اداروں کو اس بات کی بھی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے اگر کمیٹی کی خدمات درکار ہوں تو وہ بھی پیش کی جائیں گی۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۲۲ء کو کانفرنس کی تمام قراردادیں وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری کو ارسال کردی گئیں ۲۷ر جنوری ۱۹۲۲ء کو وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری کو ایک ٹیلیگرام ارسال کیا گیا جس میں وائسرائے کو کانفرنس کے بارے میں تفصیلات فراہم کی گئی تھیں۔ تاکہ وہ کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنے سے قبل صحیح صورتحال سے آگاہ ہوسکیں۔ اس ٹیلیگرام میں کہا گیا تھا کہ یہ کانفرنس نہایت عجلت میں طلب کی گئی اور صرف ۳۵۰ رہنماؤں کو

---

[1] اندولال یاجنک۔ صـ ۱۶۵

جن میں مرکزی و صوبائی مقننہ کے ارکان بھی شامل نہیں دعوت نامے ارسال کئے گئے
کانفرنس میں تین سو رہنماؤں نے جو ہندو مسلمان پارسی عیسائی اور اینگلو انڈین فرقوں
سے تعلق رکھتے تھے شرکت کی جبکہ اس سلسلے میں ملک بھر سے لاتعداد ہمدردی کے
پیغامات موصول ہوئے جن میں کانفرنس کی کامیابی کے لئے نیک خواہشات کا اظہار
کیا گیا تھا۔ اس ٹیلی گرام میں کانفرنس میں منظور کی جانے والی قراردادوں کے پس منظر اور
اُن کی سیاسی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے وائسرائے کو مشورہ دیا گیا تھا کہ حالات
کو معمول پر لانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوری طور پر گول میز کانفرنس طلب کر کے
مذاکرات کا آغاز کریں ان رہنماؤں نے ۳۰ جنوری ۱۹۲۲ء کو ایک اور ٹیلی گرام وائسرائے
کے پرائیویٹ سکریٹری کو ارسال کیا جس میں ایک مرتبہ پھر گول میز کانفرنس کے انعقاد پر
زور دیا گیا۔ اسی دن کمیٹی کے رہنماؤں نے ایک ٹیلیگرام گاندھی جی کو بھی ارسال کیا جس
میں انکو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ امکانی مذاکرات کے پیش نظر توقف سے کام لیں مگر
گاندھی جی سوراج کے رتھ پر سوار ہونے کی اس قدر جلدی میں تھے۔ کہ انہوں نے یکم
فروری کو وائسرائے کو ایک ٹیلیگرام کے ذریعے الٹی میٹم دیدیا۔ کانفرنس کمیٹی اس
صورتحال سے بڑی دلبرداشتہ ہوئی اور اس نے ۲ فروری ۱۹۲۲ء کو پھر ایک ٹیلیگرام
گاندھی جی کو ارسال کیا جس میں اُن کی اس غیر دانشمندانہ حرکت پر افسوس کا اظہار کیا۔ ۷
فروری ۱۹۲۲ء کو ان رہنماؤں نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے تمام صورتحال
کی وضاحت کی۔ ۲۴ فروری ۱۹۲۲ء کو وائسرائے کے پرائیویٹ سکریٹری نے محمد علی جناح
کو ایک خط ارسال کیا جس میں معذرت کی کہ ۷ فروری ۱۹۲۲ء کو وائسرائے کے ایما پر
انہوں نے ایک خط آپ کے نام ارسال کیا تھا جو ڈاک کے نظام میں گڑبڑ ہونے کی بنا
پر آپ تک نہیں پہنچ سکا۔ اور واپس آگیا یہ خط میں دوبارہ آپ کو ارسال کر رہا ہوں امید
ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں سے اس صورتحال کی وضاحت کردیں گے۔ یہ تمام خط و

کتابت بمبئی کانفرنس کے سکریٹریوں نے محمد علی جناح کے پتہ یعنی مالا بار ہل سے کی اور تمام جوابات بھی اسی پتہ پر موصول ہوئے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محمد علی جناح اس خط وکتابت کے سلسلہ میں بڑی مؤثر حیثیت رکھتے تھے۔[1]

اس الٹی میٹم میں گاندھی جی نے کہا تھا کہ سات دن کے اندر اندر کانفرنس کی تجاویز کے سلسلہ میں واضح اعلانات کیے جائیں ورنہ ہم انتہائی اقدام سے گریز نہیں کریں گے۔ مگر وقت کے پاؤں میں گھنگرو باندھنے کی یہ خواہش بھی پوری نہ ہو سکی اور اس الٹی میٹم کی مدت پوری ہونے سے قبل ہی ایک شدید حادثہ پیش آیا جس نے گاندھی جی کے اوسان خطا کر دیے۔

۵ فروری ۱۹۲۲ء کو ضلع فرخ آباد یوپی کے ایک گاؤں چوری چورا میں ایک جلوس اور پولیس میں تصادم ہو گیا۔ مشتعل ہجوم نے پولیس تھانہ کو نذر آتش کر دیا اور تقریباً بائیس پولیس والوں کو زندہ جلا دیا۔ جیسے ہی گاندھی جی کو اس ہولناک سانحہ کی اطلاع ملی انہوں نے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا جلسہ بلا کر یہ طے کر دیا کہ عام سول نافرمانی بند کر دی جائے کیونکہ ابھی تک ہند میں وہ پرامن اور صداقت پرستانہ ماحول پیدا نہیں ہوا جو عام نافرمانی کا جواز پیش کر سکتا۔

ستیہ گرہ اور ترک موالات کی تحریک کے ملتوی ہوتے ہی گاندھی جی ایک مرتبہ پھر ایسے آتش فشاں بن گئے جو بجھ سا گیا ہو۔ انہوں نے تمام صوبائی کمیٹیوں کو ہدایت کی کہ وہ ہر قسم کی انفرادی سول نافرمانی بھی روک دیں۔ وہ کوئی بڑا جلسہ بھی نہیں چاہتے تھے۔ نہ کوئی جلوس نہ ہڑتال نہ کسی قسم کی شورش۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ موجودہ مرحلے میں کسی قسم کی بھی نافرمانی کیوں نہ ہو وہ پرامن نہیں رہ سکتی بلکہ مجرمانہ بن جائے گی۔

گاندھی جی نے اپنی گرفتاری سے ایک دن قبل یعنی ۹ مارچ ۱۹۲۲ء کو ینگ انڈیا میں "اگر میں گرفتار ہو گیا" کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم کیا۔ اور لوگوں کو تاکید کی کہ امن

۱۔ شریف الدین پیرزادہ۔ قائد اعظم جناح کرسپانڈنس۔ ص ۸ تا ۳

کی گرفتاری کی صورت میں وہ کوئی زیادتی فساد بلکہ کسی قسم کا مظاہرہ بھی نہ کریں۔

۱۰ مارچ ۱۹۲۲ء کی شب گاندھی جی کو سابرمتی آشرم سے گرفتار کر لیا گیا اُن پر ہندوستانی ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت ملک میں حکومت کے خلاف بغاوت اور بے اطمینانی پھیلانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ مقدمہ کی کارروائی احمد آباد شہر سے تین میل کے فاصلے پر دریائے سابرمتی کے کنارے سرکٹ ہاؤس شاہی باغ میں شروع ہوئی اور چند ہی ساعتوں کے بعد اُن کو چھ سال قید کی سزا سنادی گئی۔

محمد علی جناح اس مدت میں حسبِ معمول نہایت خاموشی سے بدلتے ہوئے حالات اور گاندھی جی سیاست کا جائزہ لے رہے تھے۔ اصولی طور پر انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنا زیادہ وقت وکالت میں صرف کرنا شروع کر دیا تھا اس مدت میں اُن کا اٹھنا بیٹھنا زیادہ تر اپنی بیگم کے پارسی احباب و اقارب کی محفلوں میں تھا۔ اور پارسی من حیثیت الجماعت گاندھی جی کی سیاست کے خلاف اور اُن کے اٹھائے ہوئے ہنگامے سے پریشان تھے خصوصاً پرنس آف دیلز کے استقبال کے موقع پر بمبئی میں جس طرح پارسی عورتوں کی بے حرمتی کی گئی تھی اُس نے پارسی عوام کو بڑی حد تک کانگریس سے بھی متنفر کر دیا تھا" حکومت ہند کے سیاسی سکریٹری نے اپنی خفیہ رپورٹ میں پارسیوں کے رجحانات کے متعلق تحریر کیا تھا کہ پرنس آف دیلز کے دورہ کا سب سے زیادہ اہم سیاسی اثر یہ ہوا کہ حکومت کے ساتھ پارسیوں کی وفاداری زیادہ استوار ہو گئی ہے۔ اس فرقہ کے عوام نے بالعموم اور اس کے اکابرین نے بالخصوص یہ محسوس کر لیا ہے کہ اُن کے اجتماعی مفاد کا تقاضا یہی ہے کہ عدم تعاون اور بدامنی کی قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔[۱] پارسیوں میں نشست و برخاست کے باوجود محمد علی جناح کی سوچ و فکر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی وہ اب بھی اپنے موقف پر قائم تھے۔ اور اُن کا خیال تھا کہ خود مختاری حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے

---

[۱] - بولا ئتھو - صفحہ ۱۲۹

کہ آئینی طریقے اختیار کر کے حکومت سے مزاحمت کی جائے۔

اس برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے دو افراد ہی سر فہرست تھے ایک مولانا محمد علی اور دوسرے محمد علی جناح۔ مولانا حسن ریاض اپنی کتاب پاکستان ناگزیر تھا میں لکھتے ہیں کہ، لیکن محمد علی جناح اور مولانا محمد علی کے درمیان عظیم فرق تھا۔ مسٹر محمد علی جناح اس وقت تک کونسلوں اور اسمبلیوں کے ایوانوں سے اتر کر عوام کے ہجوم میں نہیں آئے تھے۔ اور مولانا محمد علی نے اپنی سیاست اور قومی زندگی کا آغاز عوام کے ہجوم سے کیا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر نہایت جذباتی۔ اشتعال پذیر، اشتعال انگیز زندگی اور موت سے لاپرواہ۔ ہر اس بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے تیار جس میں فساد ہو۔ ہر اس طاقت سے تصادم کے لئے بے قرار جو اسلام اور مسلمانوں کے مقاصد کے خلاف ہو۔ جنگجو اور۔ دلاور، زلزلوں۔ طوفانوں اور طغیانی عناصر کی سہ صورت کا آمیز ایک پیکر انسانی میں، مسٹر محمد علی جناح سخت معقول ہر معاملے کو عقل و دلیل کے معیار پر پرکھنے والے۔ تعمیر کے لئے بنے تھے۔ اور تعمیری مزاج رکھتے تھے۔ مسٹر جناح کے لئے اس وقت یہ ممکن تھا کہ میدان سیاست چھوڑ کر انتظار میں بیٹھ جائیں کہ وقت خود انکو آواز دے۔[1]

اس سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ۲۵ دسمبر ۱۹۲۲ء کو گیا میں دیش بندھو داس کی صدارت میں ہوا۔ یہ اجلاس اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں کانگریس دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ پنڈت موتی لال نہرو کا اور دوسرا گروہ راج گوپال اچاریہ کا تھا۔

اس سال مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد نہیں ہوا بلکہ اس کی جگہ گیا ہی میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر انصاری نے کی جبکہ اس میں دیگر مسلمان رہنماؤں کے علاوہ چودھری خلیق الزماں اور مولانا مسعود علی ندوی وغیرہ نے شرکت کی۔

---

[1] ۔ مولانا حسن ریاض۔ ص ۱۲۹

۱۹۲۳ء

مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرنے کے بعد میثاقِ لکھنؤ تک محمد علی جناح کی سیاسی جدوجہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں محمد علی جناح کی کارکردگی اور سیاسی بصیرت سے متاثر ہو کر سروجنی نائیڈو اور گوکھلے نے محمد علی جناح کو اتحاد کا پیغامبر قرار دیا تھا۔ دراصل برصغیر کی سیاسی تاریخ میں یہ دور منافقت سے پاک تھا۔ اور ابھی اُن رہنماؤں کو کھل کر سامنے آنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جنہوں نے بعد میں برصغیر کی فضا کو منافقت اور تعصب جیسے مہلک مرض عطا کیے۔ دراصل ان افراد نے بظاہر تو محبِ وطن کی حیثیت سے کام کیا لیکن یہ سیاسی عمل کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ ان رہنماؤں کی نیت پر اگرچہ شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جذباتیت سے کام لیتے ہوئے اچھے اور برے میں تمیز نہیں کیا۔ اس سیاسی افراتفری اور بے عملی کے دور میں صرف چند ہی رہنما ایسے تھے جنہوں نے اس طوفان کے اترنے کا انتظار بڑے صبر و سکون کے ساتھ کیا۔
محمد علی جناح نے بھی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے خود کو ان تمام غیر آئینی کارروائیوں سے علیحدہ رکھا اور پھر جب ۱۹۲۲ء کے آخر میں افراتفری کی فضا ختم ہوئی تو ایک مرتبہ پھر وہ نئے عزائم کے ساتھ میدانِ سیاست میں واپس آ گئے۔

آل انڈیا نیشنل کانگریس گاندھی جی کے جیل جانے کے بعد اختلافات کی آماجگاہ بن گئی۔ موتی لال نہرو اور سی آر داس کی رہنمائی میں ایک گروپ برابر کونسل کے انتخابات میں شمولیت کی حمایت کر رہا تھا جبکہ دوسرا گروپ شمولیت کا مخالف تھا۔ اور چاہتا تھا کہ سول نافرمانی کی تحریک کو جاری رکھا جائے اس سلسلے میں کئی مرتبہ مفاہمت کی کوشش کی گئی

لیکن تمام بیکار ثابت ہوئیں اور دونوں گروپ اپنی اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ ستمبر ۱۹۲۳ء کے تیسرے ہفتہ میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا ایک خصوصی اجلاس مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں دہلی کے مقام پر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ترک موالات کے اصولوں کی توثیق کی گئی اور اُن افراد کو جنہیں انتخابات میں حصہ لینے کے سلسلہ میں کوئی مذہبی اور روحانی مذ نظر نہیں آتا تھا۔ انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دیدی گئی[1]

کراچی کے مقدمہ بغاوت میں سزا پانے کے بعد بیجاپور کی جیل سے اگست ۱۹۲۳ء میں مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی اور مولانا نثار احمد کانپوری کو رہا کر دیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں شرکت کی لیکن کسی کارروائی میں حصہ نہیں لیا۔ بقول چودھری خلیق الزماں کو کونسل کے پروگرام کی مخالفت ان افراد نے نہیں کی لیکن اُن کی ذاتی رائے یہ تھی کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہتر تھا۔"

دراصل مولانا محمد علی کو رہائی کے بعد ہندوؤں کی جانب سے یہ پہلا صدمہ پہنچا تھا، کیونکہ گاندھی جی کے جیل جانے کے بعد ہندو مسلم مناقشات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور مولانا محمد علی جوہر نے اس اجلاس میں اس کی بو باس محسوس کر لی تھی۔ اس اجلاس میں حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری، مولانا آزاد، اور دیگر مسلمان رہنماؤں کی آواز کو قصداً دبایا گیا تاکہ وہ سیاسی جدوجہد کی راہ میں کٹ کر رہ جائیں اور ہندو گاندھی جی کی تیار کردہ سیاسی فضا سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ ادھر نومبر ۱۹۲۳ میں کونسلوں کے انتخابات شروع ہو گئے۔

محمد علی جناح نے بھی ان انتخابات میں ایک آزاد رکن کی حیثیت سے حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ۱۹ ستمبر ۱۹۲۳ء کو اپنا انتخابی منشور جاری کیا جو بمبئی کے حلقہ میں رائے دہندگان کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ اس منشور میں انہوں نے اپنے فیصلے کی بڑی جامع وضاحت کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ:۔

"مجھے علم ہے کہ ملک میں اس مسئلہ پر اختلافات رائے موجود ہے۔ انڈین نیشنل

---

[1] بی آر نندا۔ صفحہ ۲۰۷

کانگریس اور خلافت کانفرنس اس وقت دہلی میں خصوصی اجلاس منعقد کر رہی ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ جلد ہی اُن کے فیصلے قوم کے سامنے آجائیں گے۔ لیکن کونسل میں شمولیت کے بارے میں اُن کا فیصلہ انکار میں ہو یا اقرار میں بہرصورت میں ہمیشہ کی طرح اب بھی اس بات پر قائم ہوں کہ ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم کونسلوں میں اپنے نمائندے بھیجیں میں نے آپ کے حلقے سے اسمبلی کے لئے اپنی نامزدگی داخل کی ہے۔ دراصل میں رائے دہندگان کے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں جن کو آخر کار اس سوال کو حل کرنا ہوگا۔ میں آپ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کے دعوے نہیں کرنا چاہتا کیونکہ ۱۹۰۶ کے اجلاس کانگریس سے لیکر اب تک کی میری سیاسی زندگی اور سرگرمیاں آپ کے سامنے ہیں۔ میں نے اب تک حتی المقدور عوام کی تمناؤں کی تکمیل کے لئے نہایت خلوص اور نیک نیتی سے خدمات انجام دی ہیں۔ ایک بات جس کا میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عوامی مقاصد اور ہندوستان کی فلاح میرا نصب العین ہوگا۔ جس طرح سے کہ ماضی میں بھی یہی اصول میرا سرمایہ رہے ہیں۔ میں حکومت سے کسی خطاب یا عہدے کا خواہاں نہیں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنی تمامتر صلاحیتیں ملک کی خدمت کے لئے وقف کردوں۔ [1]

دہلی میں کانگریس کے خصوصی اجلاس کے بعد ترمیم پسندوں کے گروپ نے جو سوراج پارٹی کی صورت میں سامنے آیا تھا انتخابات میں کھل کر حصہ لیا۔ ان انتخابات میں انکو جو بڑی سہولت حاصل تھی وہ یہ کہ انہوں نے کانگریس کے وسائل سے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ محمد علی جناح کی کانگریس سے علیحدگی متعصب ہندوؤں کیلئے بڑی جان گسل تھی۔ وہ اسے اپنی سیاسی شکست تصور کرتے تھے کیونکہ صرف محمد علی جناح ہی ایک ایسے سیاست دان تھے۔ جن کو وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ورنہ محمد علی جوہر اور مولانا حسرت موہانی جیسے دانا اپنی ساکھ کو داؤں پر لگا چکے تھے۔ محمد علی جناح کی جانب سے انتخابات میں حصہ لینے کے اعلان

---

[1] مطلوب سید صہ ۲۹۳

سے پرانے زخم پھر تازہ ہو گئے۔ اور سوراج پارٹی نے فوراً ہی ان کے مقابلے پر ایک امیدوار کھڑا کر دیا۔ جبکہ ایک اور امیدوار بھی اسی حلقے سے انتخاب میں حصہ لے رہا تھا سوراج پارٹی کی یہ منافقت بمبئی کے مسلمانوں اور خصوصاً اعتدال پسند حلقوں کو ایک آنکھ نہ بھائی اور انہوں نے سوراج پارٹی کے اس فیصلے کی بڑی کھل کر مذمت کی بمبئی کے کانگریسی اخباروں نے بھی محمد علی جناح کی انتخابی مہم میں کھل کر حمایت کی۔ ان اخبارات میں روزنامہ آزاد اور بمبئی کرانیکل سرفہرست تھے۔ بمبئی کرانیکل نے اپنے ایک اداریہ میں محمد علی جناح کی انتخابی مہم کے بارے میں تحریر کیا کہ "اس شہر سے مسلمان رائے دہندگان جو قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں اُن کی ذمہ داریاں بڑی واضح ہیں وہ مکمل حمایت محمد علی جناح کی کریں گے۔ اگرچہ محمد علی جناح اس وقت کانگریس میں شامل نہیں ہیں لیکن قوم اُن کو اپنے ایک مخلص اور وفادار خادم کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ ہمارے اُن سے گذشتہ دو تین سال کے دوران اختلافات رہے ہیں لیکن انہوں نے اس تمام عرصہ میں کئی دوسرے افراد کی طرح نہ تو کبھی ملک کے مفاد سے غداری کی اور نہ کانگریس سے اپنے اختلافات کو بنیاد بنا کر ذاتی مفاد کے لئے سودے بازی کی۔ اُن کا شاندار ماضی اُن کی مستحکم حب الوطنی اُن کی حریت پسندی اُن کے کردار کے ایسے عناصر ہیں جن کے پیش نظر بمبئی کا کوئی دوسرا فرد اُن کے مقابلے پر نظر نہیں آتا۔ یہ ایک بہت بڑی بدقسمتی ہوگی اگر اتنے عظیم رہنما کو ملک کی خدمت کا موقع نہیں دیا گیا۔[1]

بمبئی کے تمام اخبارات انتخابی سرگرمیوں کی بڑی واضح اشاعت کر رہے تھے جبکہ کچھ لوگ منافقت سے کام لیتے ہوئے برابر اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ کسی صورت سے محمد علی جناح کو ہرا دیا جائے۔ اس سلسلے میں جناح کے مخالف امیدواروں کی مالی اعانت بھی کی گئی۔ لیکن بمبئی کے جیالے شہری محمد علی جناح کی مخالفت کو کفر تصور

---

[1] مطلوب سید۔ صفحہ ۲۹۵

کرتے تھے۔ وہ محمد علی جناح پر کسی کو فوقیت دینے پر تیار ہی نہیں تھے۔ کیونکہ انہوں نے محمد علی جناح کی سیاست کا بڑے قریب سے جائزہ لیا تھا۔ وہ ولنگڈن کے استقبالیہ میں محمد علی جناح کی تندی اور تیزی کا منظر اور پرنس آف ویلز کے استقبال پر اُن کا صبر و تحمل بھی دیکھ چکے تھے۔ ہر قدم پر محمد علی جناح آئینی اور قانونی اقدامات کرتے اور کبھی قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرتے تھے۔ اور یہی ایک بہتر اور اعلیٰ ظرف سیاستدان کی پہچان ہے۔ اس لئے یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ محمد علی جناح کے مقابلے پر کسی اور کو ترجیح دیتے انتخابی مہم کے آخری ایام میں مخالف امیدواروں کو اس بات کا پوری طرح احساس ہو گیا کہ اگر انہوں نے انتخاب میں حصہ لیا تو وہ بری طرح ناکام ہوں گے۔ اس لئے اُن امیدواروں کے حوصلے بڑے پست تھے۔ اسی اثنا میں بمبئی کے شہریوں نے ان امیدواروں سے مطالبہ کیا کہ وہ مقابلہ سے دستبردار ہو جائیں۔ چنانچہ ان دونوں امیدواروں نے اسی میں عافیت سمجھی اور مقابلے سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اس طرح محمد علی جناح ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو بلا مقابلہ قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔

اسی سال کینیا میں ہندوستانی آبادکاروں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جا رہا تھا اس پر ہندوستان کے اخبارات نے شدید احتجاج کیا۔ اور یہ ایک قومی مسئلہ بن گیا۔ اس مسئلے پر محمد علی جناح کو بمبئی کرانیکل کے نمائندے نے کینیا کے معاملے پر روشنی ڈالنے کی دعوت دی تو محمد علی جناح نے کینیا کے ہندوستانی باشندوں کے ساتھ برطانوی حکومت کے رویے کی سخت مذمت کی انہوں نے کہا کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کو خواہ کہیں بھی ہوں اُس وقت تک کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جب تک یہ برطانیہ کے محکوم ہیں۔ خود مختاری کی یادداشتیں پیش کرنے سے خود مختاری نہیں مل سکتی۔ ہم کو ہر قیمت پر اپنے اندر اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔ ہم کو خالص سیاسی بنیادوں

پر یہ اعلان کرنا چاہیئے ہندوستان ہندوستانیوں کا ہے محمد علی جناح کا یہ پہلا طویل ترین انٹرویو تھا۔ جس میں انہوں نے قومی اور بین الاقوامی سیاست پر کھل کر اظہار رائے کیا۔ ادھر ترکی میں جولائی ۱۹۲۳ء کے اواخر میں لوزان کانفرنس اختتام کو پہنچ گئی اور اتحادیوں نے ترکی کی قومی حکومت کو تسلیم کر لیا ۱۳ نومبر کو ترکی کی قومی اسمبلی نے خلافت اور حکومت کا دائرہ عمل تقسیم کر دیا۔۔۔ یہ کارروائی ہندوستان کے مسلمانوں اور خصوصاً خلافت کانفرنس کے لئے بڑی تشویشناک تھی لیکن مولانا محمد علی جوہر نے کسی قسم کی بظاہر کوئی تشویش ظاہر نہ کی اور سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہے اسی سال کانگرس کا سالانہ اجلاس کوکناڈا میں محمد علی جوہر کی زیر صدارت منعقد ہوا کونسل میں شمولیت کے متعلق اجلاس میں تقریباً دہلی ہی کی قرارداد رکھی گئی۔ اور مقاطعہ کا ضابطہ بھی جوں کا توں رہا۔ اجلاس کے سامنے یہ مسئلہ بھی پیش ہوا کہ کانگرس کے بنیادی مسلک میں ترمیم کر کے ہندوستان کی تمام سیاسی جدوجہد کا نصب العین مکمل آزادی قرار دیا جائے لیکن ترمیم پسندوں اور غیر ترمیم پسندوں کی اکثریت نے اس کو مسترد کر دیا۔

۱۹۲۳ء میں مسلم لیگ رجعت اور اعتدال پسندوں کے ہاتھوں میں چلی گئی جن کے دلوں میں قومی جذبہ تو ضرور تھا لیکن اپنے آرام کو خطرے میں ڈالنا ناقابل برداشت مصیبت سمجھتے تھے۔ سیلاب کا رخ اُس وقت حکومت کی مخالفت تھا۔ ملک میں ترک موالات، سول نافرمانی ہجرت وغیرہ کا دور دورہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لیگ بالکل مردہ ہو گئی۔ مارچ ۱۹۲۳ میں ایک جلسہ جناب غلام محمد بھرگڑی کی زیر صدارت لکھنؤ میں ہوا لیکن وہ بھی کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہو گیا۔ بعد میں ایک پرائیویٹ جلسے میں کونسلوں میں شمولیت اور نوآبادیات سے متعلق دو قرار دادیں منظور کی گئیں۔[1]

---

[1] عبدالعزیز بی ایس سی۔ ص ۱۰۷

۱۹۲۴ء

برصغیر کی تاریخ میں ۱۹۲۴ء کو تین بڑے واقعات کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ واقعات ایسے تھے جنہوں نے برصغیر کی سیاست پر بڑے دوررس نتائج مرتب کئے۔ پہلا واقعہ محمد علی جناح کی مرکزی قانون ساز اسمبلی میں شرکت۔ دوسرا گاندھی جی کی قبل از وقت قید سے رہائی اور تیسرا واقعہ سقوط خلافت ترکیہ کا تھا۔

۳۱ جنوری ۱۹۲۴ء کو دہلی میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کا افتتاح لارڈ ریڈنگ نے کیا اور اسمبلی کی کارروائی یکم فروری سے شروع ہوئی۔ ۵ فروری ۱۹۲۴ء کو دیوان بہادر ٹی رنگاچاریہ نے ایک قرارداد اسمبلی میں پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کو مکمل ذمہ دار حکومت کا درجہ اور صوبوں کو خود مختاری دینے کے لئے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء میں ضروری ردوبدل کی خاطر فوری اقدامات کئے جائیں۔ انہوں نے قرارداد میں کہا کہ اس ایکٹ کے تحت جو انتظامی مشینری فراہم کی گئی ہے وہ قطعی ناقص ہے اور اس کے خلاف ملک کے ہر طبقہ کی جانب سے آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ ہوم ممبر سر مالکم ہیلی نے کہا کہ ملک کے مختلف طبقوں کے درمیان پائی جانے والی بے چینی سے جو سیاسی صورتحال پیدا ہوئی ہے وہ اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتی کہ اس سلسلے میں فوری طور پر کوئی قدم اٹھایا جائے۔ بہرحال انہوں نے تجویز پیش کی کہ مذکورہ ایکٹ کی کارکردگی کے بارے میں تحقیقات کے لئے ایک سرکاری کمیٹی تشکیل دی جا سکتی ہے۔ پنڈت موتی لال نہرو نے ۸ فروری کو ایک ترمیم پیش کی جس میں انہوں نے مطالبہ کیا کہ گورنمنٹ آف

انڈیا ایکٹ پر نظرثانی اور ہندوستان میں مکمل ذمہ دار حکومت کے قیام کے سلسلے میں ایک جامع اسکیم تیار کرنے کیلئے گول میز کانفرنس طلب کی جائے جو مختلف اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے اپنی سفارشات مرتب کرے جن کو کونسل کی منظوری کے بعد برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر غور نے تجویز پیش کی کہ اس مقصد کے لئے ایک کنونشن طلب کیا جائے۔ محمد علی جناح نے پنڈت موتی لال نہرو کی ترمیم کی حمایت اور سر سلیکم ہیلی و ڈاکٹر غور کی تجاویز پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ میں ایوان کا زیادہ وقت لئے بغیر ہوم ممبر کی تجویز کو ایک اہم اور نزاع و اقدام قرار دیتا ہوں لیکن انہوں نے اپنی تجویز کے سلسلہ میں کسی صراحت اور وضاحت سے کام نہیں لیا جس کی بناء پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ لفظوں سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ جبکہ اس قسم کی مضحکہ خیزی اُن جیسے سمجھدار شخص سے متوقع نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اس تجویز کو صرف وقت گذاری کے لئے ایوان کے سامنے پیش نہیں کیا بلکہ اُن کے پاس اس سلسلہ میں اقدامات کے لئے ایک واضح منصوبہ ہوگا۔ مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس منصوبے کی رپورٹ میں بھی وضاحت کرتے تاکہ شک و شبہ کی فضا پیدا نہ ہوتی اور اُن کی اس یقین دہانی کو خلوص پر مبنی تصور کیا جاتا۔ جہاں تک ڈاکٹر غور کی ترمیم کا سوال ہے انہوں نے موتی لال نہرو کی ترمیم میں استعمال کئے جانے والے لفظ گول میز کانفرنس کے جواب میں کنونشن کا لفظ استعمال کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر غور اس لفظ کے آئینی اور قانونی مطالب و معنیٰ سے واقف نہیں ہیں۔ اور انہوں نے جواب آں غزل کے طور پر یہ ترمیم پیش کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہوم ممبر موتی لال نہرو کی ترمیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی یقین دہانی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے [1]

دراصل کونسل میں سوراج پارٹی کے اراکین نے آزاد اراکین کے ساتھ مل کر ایک مستقل گروپ قائم کرلی تھی۔ کونسل میں شرکت کے بعد سوراج کے نمائندوں نے خلافت کے سوال کو بھی ایک طرف کر دیا اور انہوں نے اپنی سرگرمیاں آئینی حدود کے اندر رہتے ہوئے ملکی مسائل کے حل تک

[1] - رفیق افضل ص ۱۱۳ تا ۱۲۱

مسترد کر دی تھیں۔ یہ طرزِ عمل محمد علی جناح کے لئے ناقابلِ قبول تھا کیونکہ وہ صرف ایسی ہی سرگرمیوں کو جائز تصور کرتے تھے۔ جو آئینی حدود کے اندر ہوں چنانچہ اسمبلی میں سوراج پارٹی کی حمایت کرنا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ محمد علی جناح مرکزی کونسل کے اجلاس کی کارروائی میں حصّہ لے رہے تھے۔ کہ دہلی میں مارچ ۱۹۲۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے انعقاد کا بنیادی مقصد دراصل یہ تھا کہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی کے آئینی سربراہ مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنی سابقہ یقین دہانیوں کے باوجود خلافت کے ادارے کو ختم کر کے مکمل طور پر قومی حکومت کا اعلان کر دیا تھا۔ مصطفےٰ کمال کا یہ عمل برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بڑا سوہانِ روح ثابت ہوا۔ کیونکہ وہ تو خلافت کو قائم رکھنے اور اس کے تحفظ کے لئے مہم چلا رہے تھے۔ بقول چودھری خلیق الزماں اس اعلان کو سن کر برصغیر میں مسلمان رو پڑے۔ خصوصاً اعلان کے فوراً بعد کلکتہ میں خلافت کمیٹی کے اجلاس کے موقع پر تو گریہ و ماتم کا وہ سماں تھا کہ اللہ اکبر۔ ناامیدی اور مایوسی کے اس عالم میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس مئی ۱۹۲۴ء یعنی دو ماہ بعد لاہور میں منعقد ہوگا۔ اور اس کی صدارت کے لئے محمد علی جناح کو دعوت دی جائے گی اس خبر سے ایک مرتبہ پھر محمد علی جناح کے مخالفین میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ یہ بات اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھی کہ محمد علی جناح جن کو ایک عرصہ سے تمام سرگرمیوں سے کاٹ دیا گیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر کسی عوامی جماعت کے پلیٹ فارم پر نمودار ہوں۔ اکثر حلقوں سے اس بات کا بھی مطالبہ کیا گیا کہ محمد علی جناح مسلم لیگ کی صدارت قبول کرنے کے سلسلے میں اپنے موقف کی وضاحت کریں چنانچہ محمد علی جناح نے ۱۲ مئی ۱۹۲۴ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کے ایک نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کے مجوزہ اجلاس کے انعقاد کا مقصد دراصل ہندوستان کے آئین میں ترامیم کرنے پنجاب میں ہندو مسلم صورتحال کو معمول پر لانے اور میثاقِ لکھنؤ کی طرز پر ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ایک مکمل سمجھوتہ کرنے کے بارے میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنا ہے۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے مسلم لیگ کوئی ایسا انتہائی پروگرام یا پالیسی اختیار کرنے کے حق میں نہیں ہے جو کانگرس، خلافت کانفرنس اور جمعیت العلماء کے خلاف ہو۔ مسلم لیگ ایسے فیصلے کرے گی جو عمومی طور پر قومی مفاد میں اور خصوصی طور پر مسلمانوں کے مفاد میں ہوں گے۔ ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ طرفین کے مابین دوستانہ اور پرخلوص جذبات کو فروغ دیا جائے۔ بدقسمتی سے حال ہی میں شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں، گاؤکشی اور مسجدوں کے قریب باجے بجانے کے سوال پر جو فسادات ہوئے ہیں وہ قابلِ مذمت ہیں ہر چند یہ مسائل مستقل نوعیت کے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ طرفین ان فسادات کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے جیو اور جینے دو کی پالیسی پر عمل کریں۔ محمد علی جناح نے کہا کہ یہ مقاصد صرف اُس صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جب ہم آل انڈیا مسلم لیگ کو ایک منظم اور فعال سیاسی جماعت بنائیں جیسا کہ یہ پہلے تھی۔ اور اس کی پورے ملک میں شاخیں قائم کریں کیونکہ اسی صورت میں رہنما پورے وثوق کے ساتھ کوئی بات کر سکیں گے۔ اور کسی ایسے تصفیہ پر پہنچ سکیں گے جو مسلمانوں کو بھی قبول ہو۔ دریں اثناء ہم آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک کمیٹی تشکیل دیں گے جس کو مخالف جماعتوں مثلاً کانگرس یا ہندو مہا سبھا کی مقرر کردہ کمیٹیوں سے مذاکرات کا اختیار حاصل ہوگا۔ انہوں نے خلافت کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ بلاشبہ خلافت اسلام کا ایک جزو لازم ہے۔ یہ کوئی علاقائی مسئلہ نہیں اور نہ صرف ایک ملک سے وابستہ ہے یہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب مسلمان عالمی سطح پر جمع ہو کر اس مسئلہ پر غور کریں گے تو وہ ضرور کسی نتیجہ پر پہنچیں گے

آخر میں محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کے تمام اراکین سے اپیل کی کہ وہ اس پیچیدہ موڑ پر جب کہ ہندو مسلم تصفیہ اور مزید اصلاحات کے امکانات ہیں بڑی تعداد میں لاہور کے جلسہ میں

شرکت کر کے اسے کامیاب بنائیں۔ میں لیگ کے اراکین کے علاوہ بھی تمام ممتاز مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس جلسہ میں شرکت کر کے ہمیں اپنی مفید آراء سے سرفراز کریں۔

محمد علی جناح نے اسمبلی میں گاندھی جی کی رہائی کے سلسلے میں بھی ایک قرارداد پیش کی جس کے بعد ۵ر فروری ۱۹۲۴ء کو سزا کی میعاد پوری ہونے سے قبل حکومت نے گاندھی جی کو یراودا جیل سے رہا کر دیا۔ اور وہ بمبئی کے قریب جوہو کے فرحت افزا مقام پر قیام پذیر ہوئے۔[1]

گاندھی جی چونکہ علیل تھے اس لئے انہوں نے فوری طور پر کسی قسم کی سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن وہ تمام حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ سوراج پارٹی کے اراکین کو اسمبلی میں بڑی کامیابی حاصل ہو رہی تھی جو گاندھی جی کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ انہوں نے رو بصحت ہوتے ہی ۳ر اپریل کو ینگ انڈیا کی ایڈیٹری کا کام شروع کر دیا اور اپنے افتتاحی مقالہ میں ہی اس بات کی نشاندہی کر دی کہ ان کے مسلک میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے اور وہ اب بھی سہ گانہ مقاطعہ کے حامی ہیں۔ میدان سیاست میں گاندھی جی کی اس اچانک مداخلت نے سوراجیوں کے لئے بہت نازک صورتحال پیدا کر دی۔ موتی لال نہرو اور داس نے فوری طور پر گاندھی جی سے ملاقات کی اور کسی نہ کسی طرح ان کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ جون ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتہ میں احمد آباد میں منعقد ہونے والے کانگرس کے اجلاس تک سوراجیوں کو بدستور اسمبلی میں اپنا کام جاری رکھنے دیں۔

۲۴ر مئی ۱۹۲۴ء کو لاہور کے گلوب تھیٹر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پندرھواں ملتوی شدہ اجلاس محمد علی جناح کی صدارت میں شروع ہوا۔ انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں برصغیر کی سیاسی صورتحال کا ایک مدبر اور سیاستدان کی حیثیت سے نہایت تفصیل کے ساتھ حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا۔ رولٹ ایکٹ کی منظوری کے بعد سے ہندوستان میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں اور سرگرمیوں کی نشاندہی کی اور ان کے اثرات پر روشنی ڈالی۔ درحقیقت محمد علی جناح

---

[1] بی آر نندا۔ صفحہ ۲۳۴۔

کی یہ تقریر ہندوستان کے اس عہد کی تاریخی دستاویز تھی۔ ہندوستان میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے سلسلے میں کی جانے والی جدوجہد کا بھی انہوں نے بڑی باریک بینی سے تجزیہ کیا اور خود مختاری کے حصول کے لیے اپنی ایک سکیم بھی پیش کی۔ محمد علی جناح نے اپنی اس تقریر کے آغاز میں مسلم رہنما غلام محمد بھرگڑی کی خدمات کو بھی خراج عقیدت پیش کیا جن کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا۔ انہوں نے خلافت کے مسئلہ پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا اور کہا کہ مذکورہ اسمبلی کے حالیہ فیصلہ کے بعد جو مصطفےٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا کی رہنمائی میں کیا گیا ہے فوری طور پر اس سلسلہ میں کوئی حل تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ محمد علی جناح نے خود مختاری کے حصول کے سلسلے میں بھی حکومت پر زور دیا کہ وہ فوری طور پر اس سمت میں اقدامات کرے تاکہ ملک میں پائی جانے والی بے چینی دور ہو۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں سے بھی اپیل کی کہ وہ مقاصد کے حصول کے لئے متحد ہو جائیں اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ملک کے تمام وسائل کو مجتمع کریں [1]

جیسا کہ محمد علی جناح مسلم لیگ کے اس اجلاس کی کارروائی کے بارے میں اپنے ابتدائی بیان میں کہہ چکے تھے۔ ایک کمیٹی اجلاس کے دوران تشکیل دی گئی تاکہ وہ مرکزی حکومت کے لئے ایک دستور کے بارے میں دوسرے ہندوستانی اداروں سے مشورہ کرے اس کمیٹی کے اراکین میں محمد علی جناح۔ میاں سر فضل حسین، سر مقبول محمود، آغا محمد صفدر مشیر حسین قدوائی، سید ظہور احمد، سید رضا علی، چودھری خلیق الزماں، فضل الحق، آصف علی، نواب سرفراز حسین خان، عبدالعزیز، شعیب قریشی، مولوی سید مرتضیٰ ترچناپلی اور چودھری شہاب الدین شامل تھے۔ اس اجلاس میں ایک اور کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ جسے یہ اختیار دیا گیا کہ وہ خلافت کمیٹی سے گفتگو کر کے مسلمانوں کی تنظیم کے لئے راہ عمل متعین کرے [2]

---

[1] ۔ مطلوب سید۔ صفحہ ۳۰۹

[2] ۔ خلیق الزماں صفحہ ۲۸۳

ہندوستان میں پبلک سروسز کے مسئلہ پر حکومت نے ایک شاہی کمیشن جزل کمیشن" کے نام سے مقبول ہوا۔ ہندوستان کی مرکزی قانون ساز اسمبلی کے مشورہ کے بغیر نومبر ۱۹۲۳ء میں قائم کر دیا تھا۔ یہ کمیشن اپنے قیام کے بعد سے برابر ملازمتوں کے مسئلہ پر اپنی سفارشات مرتب کر رہا تھا۔ ان سفارشات پر مشتمل ایک رپورٹ ہوم ممبر سر الیگزنڈر مڈی مین نے ۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء کو اسمبلی میں پیش کی اور ان سفارشات کے حق میں ایک طویل تقریر کی۔ محمد علی جناح نے ۱۲ ستمبر ۱۹۲۴ء کو اس رپورٹ کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہوم ممبر نے یہ رپورٹ نہایت نیک نیتی اور پرخلوص الفاظ کے ساتھ پیش کی ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مخمل کے دستانوں کے اندر ایک آہنی ہاتھ چھپا ہوا ہے۔ مگر مجھے یہاں یہ بات کہتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ آسامیوں کے ڈھانچے میں تبدیلی سے آسامیوں کے سلسلے میں مسلمانوں کی دیرینہ خواہشات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ دراصل مسلمان اور کچھ نہیں چاہتے وہ صرف اپنا جائز حصہ اور اپنے خصوصی حقوق چاہتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس ایوان میں ایک بھی ہندو رکن ایسا نہیں ہوگا جسے اس سلسلے میں کوئی اختلاف ہو۔ جبکہ ہوم ممبر نے بھی اس امر کو اپنی تقریر میں تسلیم کیا ہے اس کے بعد محمد علی جناح نے لی کمیشن کی رپورٹ کی آئینی اور قانونی حیثیت پر ایک طویل تقریر کی جس میں انہوں نے اس رپورٹ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ اور امید ظاہر کی کہ ایوان کرنل کرافورڈ کی تمام یقین دہانیوں کے باوجود اس رپورٹ کو مسترد کر دے گا۔

۱۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو ڈاکٹر ایس ایچ غور نے اسمبلی میں ایک تحریک پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ ایوان انڈین کرمنل لاء امینڈمنٹ ایکٹ ۱۹۰۸ء کی بعض دفعات پر غور کرے۔ سر الیگزنڈر مڈی مین، ایچ ای ہوم، کیپٹن ہیرا سنگھ اور اے سی چیٹرجی نے اس تحریک کی مخالفت کی جبکہ محمد علی جناح نے اس تحریک کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے ـــــ حکومت پر سخت نکتہ چینی کی۔ انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں کہا کہ جنگ کے

خاتمہ پر ہماری خدمات و خلوص کا صلہ ہم کو رولٹ ایکٹ کی صورت میں دیا گیا تھا اور اب ایک مرتبہ پھر ہم پر کالے قوانین مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ اے سی چٹرجی نے محمد علی جناح کی تقریر کے دوران انکو مشورہ دیا کہ وہ اسمبلی سے مستعفی ہو جائیں ۔ لیکن محمد علی جناح نے فوراً ان کو جواب دیا ۔ نہیں اب ایسا نہیں ہوگا ۔ اب من مانی کارروائی کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی ۔ اب عوام کو ان کا جائز حق مل کر رہے گا ۔ اور ہم ایوان میں عوام کے حقوق غصب کرنے کی ہر سازش کے خلاف مکمل مزاحمت کریں گے ۔ یہ بل دوسری خواندگی کے لئے ایوان میں جب دوبارہ پیش ہوا تو ایک مرتبہ پھر محمد علی جناح نے اس بل کی مذمت کی ۔

اجلاس لاہور کی تیاریوں کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوگیا ۔ جب گاندھی جی نے یہ کہا کہ مجھے محمد علی جناح کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر خود مختاری حاصل نہیں ہو سکتی تو محمد علی جوہر نے اس پر شک و شبہ کا اظہار کیا اور کہا کہ آیا مسلم لیگ اور محمد علی جناح کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق کس نے دیا ہے ۔ محمد علی جناح نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں اپنے ہندو دوستوں سے اپیل کروں گا کہ وہ مسٹر محمد علی جوہر کی باتوں سے گمراہ نہ ہوں آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں کس حد تک قوم پرست ہوں ۔ میں اگر مسلمانوں کو منظم کرنا چاہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا مقصد قومی ترقی یا قومی مفاد کے خلاف کوئی کام کرنا ہے مولانا محمد علی جوہر اس بیان پر بالکل اکھڑ گئے اور انہوں نے کئی ایک بیانات ایسے دے ڈالے جن میں مسلم لیگ اور محمد علی جناح پر کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی ۔ مگر محمد علی جناح نے اختلافات کو مزید ہوا دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی ۔ [1]

اسی سال دسمبر ۱۹۲۴ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس سید رضا علی کی زیر صدارت بمبئی میں منعقد ہوا ۔ جس میں صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات جاری کرنے پر زور دیا گیا ۔

---

[1] محی الاشر صفحہ ۲۲۸

ایک قرارداد کے ذریعے اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ مختلف مسلم سیاسی ادارے باہمی صلاح و مشورے و گفت و شنید کے ذریعہ ایک مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں۔ اس تجویز کے محرک مولانا شوکت علی تھے۔ جبکہ اس کی تائید مولانا ظفر علی خاں۔ محمد علی جناح اور صاحبزادہ آفتاب احمد نے کی۔ اس اجلاس میں پبلک سروسز کے بارے میں ایک تجویز محمد علی جناح نے پیش کی جس کی تائید ملک برکت علی نے کی۔

دسمبر ۱۹۲۴ء کو بیلگام کے مقام پر گاندھی جی کی صدارت میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں بڑے حیرت انگیز فیصلے کئے گئے۔ ایک قرارداد کے ذریعے ترک موالات اور مقاطعہ کو باضابطہ ملتوی کر دیا گیا۔ سوراج پارٹی کو اس کے کونسل پروگرام کے ساتھ کانگریس کا غالب عنصر تسلیم کر لیا گیا۔ اور گاندھی جی کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ کل ہند چرخہ سنگھ کا افتتاح کر کے اپنی پسندیدہ خانگی صنعت کو سارے ملک میں منظم کریں۔ اس اجلاس میں گاندھی جی نے جو خطبہ صدارت پڑھا اس کے بارے میں اندولال یاجنک نے اپنی کتاب میں بڑا دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جہاں تک حقیقی سیاست کا تعلق ہے جسے دنیا سیاست سمجھتی ہے اس سارے خطبے میں اس کا شائبہ بھی موجود نہیں تھا۔ [1]

---

[1] اندولال یاجنک صفحہ ۲۲۵

۱۹۲۵ء

کونسلوں کے انتخابات شروع ہوتے ہی ہندو مسلم فسادات بھی پورے برصغیر میں شروع ہو چکے تھے۔ پورے ہندوستان میں کوئی شہر یا کوئی گاؤں ایسا نہ بچا ہوگا جہاں مار پیٹ یا آگ لگانے کی وارداتیں نہ ہوئی ہوں۔ کونسل کا رکن منتخب ہونے اور لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے بعد محمد علی جناح ایک مرتبہ پھر ہندوستان کی سیاسی فضا کو معمول پر لانے کے اخلاقی طور پر پابند ہو گئے تھے۔ ہر چند کہ اس سلسلے میں تحریک خلافت اور کانگریس سے وابستہ مسلمانوں کا رویہ بڑا معاندانہ تھا۔ لیکن محمد علی جناح نے ہمت نہیں ہاری اور وہ مستقل اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کسی صورت سے ہندو مسلم اتحاد کی کوئی سبیل پیدا ہو۔ تاکہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کے لیے موثر انداز میں جدوجہد کی جا سکے۔ دریں اثنا ایک موقع محمد علی جناح کے ہاتھ آیا۔ گاندھی جی نے فسادات کی آگ سے گھبرا کر ۱۸ ستمبر ۱۹۲۴ء کو اکیس دن کی بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان نے سارے ملک میں سنسنی پیدا کر دی، چنانچہ مشترکہ طور پر ۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کو بمبئی میں ایک اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے انعقاد میں محمد علی جناح نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تمام فرقوں کے نمائندوں نے کانفرنس میں شرکت کی کئی دن کے غور و خوض کے بعد کئی قراردادیں منظور کیں۔ کانفرنس نے چند ہندوؤں پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی جس کا صدر گاندھی جی کو مقرر کیا گیا۔ اس کانفرنس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ حال میں جتنے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں اُن کی تفتیش کر کے تمام جھگڑوں کو ختم کرانے کی کوشش کی جائے۔ اس قومی کمیٹی کا اجلاس ۲۴ جنوری ۱۹۲۵ء کو

گاندھی جی کی صدارت میں دہلی میں شروع ہوا۔ کمیٹی نے سیاسی اور فرقہ وارانہ یکجہتی کے علاوہ خود مختاری حاصل کرنے کیلئے غور وخوض کیواسطے ایک سب کمیٹی تشکیل دی۔ اس سب کمیٹی کا اجلاس ۲۵ جنوری کو ہوا۔ اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے فرقہ وارانہ فسادات کی وجوہات پر بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ فرقہ وارانہ کشیدگی اور اختلافات دراصل ملک کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں یہ صرف ہندو اور مسلمانوں کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے ضمیر سے سوال کریں بلکہ یہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اس رکاوٹ کو دور کئے بغیر وہ سیاسی ترقی کی سمت میں گامزن نہیں ہوسکتے۔ محمد علی جناح نے کہا کہ ہم سب افراد یہاں پر اپنے اپنے فرقوں کی نمائندگی کر رہے ہیں اس لئے ہم کو اس مسئلہ پر سر جوڑ کر فیصلہ کرنا چاہیے اس اجلاس میں محمد علی جناح نے پنڈت مدن موہن مالویہ اور پنڈت موتی لال نہرو کی گذشتہ روز کے اجلاس میں پیش کردہ تجاویز پر بھی بحث کی اور میثاق لکھنؤ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ میثاق لکھنؤ خود مختار حکومت کے قیام کی جانب ایک قدم تھا۔ اور اس کی بنیاد پر اقلیتوں کے مسئلے کو فی زمانہ حل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اب مسائل کی نوعیت مختلف ہے محمد علی جناح نے اپنی تقریر کے اختتام پر کہا کہ میں مسلمانوں کیجانب سے اس امر کا اعادہ کرتا ہوں کہ بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کو اقلیتوں میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا اور یہی اصول دوسرے صوبوں کی اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ ملازمتوں میں نمائندگی کا سوال علیحدہ سے زیر بحث لایا جانے چاہئے۔ محمد علی جناح کی اس مدبرانہ تقریر نے ایک مرتبہ پھر ہندوؤں کو بغلیں جھانکنے پر مجبور کردیا۔ خصوصاً موتی لال نہرو اور پنڈت مدن موہن مالویہ کی سیاسی چالوں کو بیکار کردیا۔[1]

ادھر ۲۰ جنوری ۱۹۲۵ء کو دہلی میں اسمبلی کا اجلاس شروع ہوچکا تھا۔ دو دن تک گورنر جنرل نے اسمبلی کے سامنے تقریر کی اور اپنی حکومت کی پالیسی کا تذکرہ کیا۔ ۲۲ جنوری کو

---

[1] رفیق افضل صفحہ ۱۵۳

اسمبلی میں مسٹر ایس ای مانٹیگو کے انتقال کی خبر سنائی گئی۔ جس کے بعد اسمبلی میں مسٹر مانٹیگو کے لیے جو سکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہند رہ چکے تھے۔ تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔

۲۳ جنوری کو اسمبلی کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی اور بنگال کریمنل لا امینڈمنٹ آرڈیننس زیر غور آیا۔ یہ آرڈیننس بڑا نزاعی اور جذباتی تھا۔ چنانچہ اس کی مخالفت ہر طرف سے کی گئی ۲۸ جنوری کو مسٹر دورائی سوامی آئنگر نے ایک تحریک پیش کی جس میں اس آرڈیننس کو ایکٹ کی شکل دینے پر احتجاج کیا۔

سر الیگزنڈر موڈی مین نے آرڈیننس کو تحفظ فراہم کرتے ہوئے ایک طویل تقریر کی۔ محمد علی جناح نے تحریک کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے اس رجحان کی مذمت کی جس کے تحت اس آرڈیننس کا نفاذ عمل میں لایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی طویل ترین تقریر کے آخر میں کہا کہ حکومت کو اس آرڈیننس پر نظرثانی کرنا چاہیئے۔ وہ اسے اپنے وقار کا مسئلہ نہ بنائے اور ہم سے مذاکرات کرکے یہ پتہ چلائے کہ ہندوستان کیا چاہتا ہے اور اُسکی وجوہات کیا ہیں۔ تشدد کی میں بھی مذمت کرتا ہوں۔ مگر اس کا علاج جوابی تشدد نہیں ہے۔

۱۷ فروری ۱۹۲۵ء کو ڈاکٹر ایس ایچ غور نے ایک تحریک پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ سول مقدمات کے ڈسپوزل کے لئے جو اس وقت پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی جھگتاتی تھی۔ ہندوستان میں ایک سپریم کورٹ قائم کی جائے جس کو انتہائی نوعیت کے جرائم کے مقدموں کے سلسلے میں اپیلوں کی سماعت کا بھی اختیار حاصل ہو۔ ڈاکٹر غور کی اس تحریک کی سر ہنری اسٹینیون نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کے قیام کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے جبکہ اس کے قیام سے صوبائی ہائی کورٹوں کا وقار مجروح ہوگا اس کے علاوہ پریوی کونسل کے مقابلہ میں سپریم کورٹ میں مقدمات کا ڈسپوزل تیزی کے ساتھ نہیں ہوسکے گا۔ پنڈت موتی لال نہرو اور ہوم ممبر الیگزنڈر موڈی مین نے بھی اس

تحریک کی مخالفت کی۔ اس موقع پر محمد علی جناح نے ایک ماہر قانون کی حیثیت سے اس تحریک کی مخالفت کرنے والے اراکین کے دلائل کو سختی سے مسترد کر دیا۔ انہوں نے اپنی تقریر کی ابتدا میں سر ہنری اسٹینیون کے اس مفروضہ کو غلط قرار دیا کہ سپریم کورٹ کے قیام سے وکیلوں کی آمدنی بڑھ جائے گی۔ محمد علی جناح نے کہا کہ جب تک یہ دنیا قائم ہے وکلاء باقی رہیں گے اور اُن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا جہاں تک صوبائی ہائی کورٹوں کے وقار مجروح ہونے اور اُنکی اہمیت کم ہونے کا سوال ہے یہ مفروضہ بھی میری سمجھ سے باہر ہے اس عدالت کے بینچ میں وہی جج شامل ہوں گے جو ہندوستان میں رہ چکے ہیں پھر کس طرح سے صوبائی ہائی کورٹوں کا وقار کم ہوگا۔ محمد علی جناح نے تحریک کے مخالفین کی تقاریر کا ایک ایک نکتہ ایوان کے سامنے پیش کیا اور پھر اُس کو مسترد کرتے چلے گئے۔ خصوصاً انہوں نے پنڈت موتی لال نہرو کو اس تحریک کے سلسلے میں حکومت کی گود میں بیٹھ جانے پر شدید مسترد کیا اور اُنکو مشورہ دیا کہ وہ مخالفت کرتے وقت یہ ضرور سوچ لیا کریں کہ آیا یہ مسئلہ ملک کے مفاد میں ہے یا حکومت کے۔ میں اس تحریک کی حمایت کرتا ہوں کیونکہ یہ ہندوستان کے ۲۲ کروڑ عوام کی آواز ہے اور وہ اعلیٰ سطح پر انصاف کے خواہاں ہیں۔ ۱۸ر فروری ۱۹۲۵ء کو مسٹر بی وینکا تا پتی راجو نے ایوان میں بحث کے لئے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ ایوان گورنر جنرل سے سفارش کرے کہ ہندوستانی فوج میں کمیشن کے عہدوں کے لئے ہندوستانیوں کی تربیت کے واسطے مناسب مقام پر تمام ضروریات سے لیس ایک ملٹری کالج شروع کرنے کے سلسلے میں ضروری اقدامات کئے جائیں اور اس سلسلے میں ابتدائی کام کے لئے ضروری رقم مختص کی جائے۔ اسی قسم کی ایک قرارداد قانون ساز اسمبلی نے ۱۹۲۱ء میں پاس کی تھی جس پر ۱۹۲۳ء میں حکومتِ ہند نے اپنی مکمل منظوری دیدی تھی۔ مسٹر راجو نے اپنی طویل تقریر میں اُن اعتراضات کا جواب دیا

جو ہندوستان میں ملٹری کالج کے قیام کے خلاف اٹھائے گئے تھے۔ اس قرارداد کے جواب میں حکومت ہند کے ملٹری سکریٹری مسٹر برڈون نے تقریر کرتے ہوئے ۱۹۲۱ء کے ان حالات کا حوالہ دیا جن میں یہ قرارداد منظور کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک قبل از وقت اسکیم ہے۔ قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے محمد علی جناح نے اس سلسلے میں حکومت ہند کے موقف کی مخالفت کی۔ انہوں نے ہندوستانی مسائل کی جانب سے حکومت ہند اور برطانوی ارباب اقتدار کے غیر منصفانہ اور مایوس کن رویہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ: آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کے عوام کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حکومت ہر تجویز کو اس قدر تنگ و شبہ کی نظر سے دیکھنے کی عادی ہو گئی ہے کہ جب تک وہ اس سلسلہ میں ایک طویل مدت تک غور و خوض نہ کر لے وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔ محمد علی جناح نے کہا کہ قرارداد میں سینڈھرسٹ کے نمونے پر جس فوجی ٹریننگ کالج کے قیام کی تجویز پر بحث کی دعوت دی گئی ہے وہ ایک جائز مسئلہ ہے اور اس پر ایوان میں بحث ضروری ہے۔ انہوں نے کمانڈر انچیف پر جو اس کارروائی میں شریک تھے۔ الزام لگایا کہ انہوں نے ہندوستان کے عوام کو فوجی تربیت میں خود کفیل ہونے کے سلسلے میں کوئی پرخلوص اور نیک نیتی پر مبنی کوشش نہیں کی۔ وہ صرف خوبصورت جواز لیکر ایوان میں آئے ہیں جبکہ انہوں نے ہندوستان کے عوام کو اسلحہ سے محروم کر دیا ہے اور وہ اعتماد کی فضا بحال نہیں ہونے دیتے محمد علی جناح نے کہا کہ آج ہندوستان اور برطانیہ کی تمام فوج کے افسر انگریز ہیں جبکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستانی فوج کو خالص ہندوستانی فوج بنایا جائے۔ اس اسکیم کو قبل از وقت قرار دینا بھی حماقت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ اسکیم قبل از وقت کیوں ہے؟ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا فوجی کمانڈر انچیف ہو۔ میرے فوجی ماہرین ہوں میرے سیاستدان ہوں اور میرے سول سرونٹ کے اراکین ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلے میں

فوری طور پر غور کیا جائے گا۔ اور اعتماد کی فضا بحال کی جائے گی۔

محمد علی جناح کی تقریر نے اسمبلی میں کھلبلی مچادی۔ حکومت برطانیہ کے ذمہ دار ارکان پر اس قدر دیدہ دلیری سے تنقید کا تصور نہ تو انگریز اور نہ ہی کونسل کے مقامی ارکان کر سکتے تھے چنانچہ اس تحریک پر بحث و تمحیص کے بعد حکومت ہند نے ایک کمیٹی اس مقصد کے لئے مقرر کی تاکہ وہ فوج میں ہندوستانی افسروں کی بھرتی اور سینڈھرسٹ کے نمونہ پر ہندوستان میں فوجی تربیت کے کالج کے قیام کی بابت حکومت کو مشورہ دے۔ اس کمیٹی کا محمد علی جناح کو بھی رکن منتخب کیا گیا۔ اور بعد میں انہوں نے اس سلسلہ میں انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک کا دورہ بھی کیا۔[1] ۲۵ فروری کو اسمبلی میں ریلوے بجٹ کے تحت مطالبات پر بحث شروع ہوئی۔ پنڈت موتی لال نہرو نے مطالبہ کیا کہ ریلوے بورڈ چونکہ ایک غیر ذمہ دار اور ناکارہ ادارہ ہے اس لئے بورڈ کے لئے مختص کی جانے والی ۹ لاکھ ۸۶ ہزار روپے کی رقم منسوخ کر دی جائے۔ انہوں نے ریلوے میں ہندوستانی ملازمین کی بھرتی پر بھی زور دیا اور کہا کہ سوراج پارٹی کو اس سلسلہ میں شدید تشویش ہے وہ اس ضمن میں فوری فیصلے چاہتی ہے۔ محمد علی جناح نے آزاد پارٹی کے رہنما کی حیثیت سے اس تحریک پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ موتی لال نہرو ہر مسئلہ کو اپنا اور سوراج پارٹی کا مسئلہ بنا لیتے ہیں جبکہ تمام مسائل عوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے ریلوے بورڈ اور ریلوے کی کارکردگی کے بارے میں جس عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے وہ کسی حد تک درست ہے لیکن ہر مسئلہ کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر انتہائی اقدام کی دھمکی دینا قطعی مناسب نہیں۔ مجھے امید ہے تمام شکایات پر گفتگو کی جائے گی۔ اور میں بذات خود ان شکایات کے حل کے لئے اپنی پوری کوشش کروں گا۔ محمد علی جناح کی جانب سے موتی لال نہرو کی تحریک پر تنقید نے اسمبلی میں ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اور تقریر کے دوران محمد علی جناح سے متعدد سوالات کئے گئے۔ اُن کو موضوع سے ہٹانے کے لئے فقرے بازی کی گئی لیکن وہ حسب عادت جب تک اُن کی بات

---

[1] ہیکٹر بولائتھو۔ صفحہ ۱۴۱

ختم نہ ہوگئی تقریر کرتے رہے۔

محمد علی جناح نے ۱۴ر مارچ ۱۹۲۵ کو سوراج حاصل کرنے کے سلسلہ میں اور پھر ۱۸ر مارچ ۱۹۲۵ء کو مالیاتی بل کی منسوخی کے سلسلہ میں موتی لال نہرو کی تحریکوں پر تقاریر کیں۔ ان تقاریر کے دوران بھی محمد علی جناح کو سوراج پارٹی کے اراکین کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جبکہ ۱۴ر مارچ کی تحریک کے حق میں محمد علی جناح نے تقریر کی تھی۔ ۲۰ر مارچ کو ایوان میں یہ خبر سنائی گئی کہ ہندوستان کے سابق وائسرائے لارڈ کرزن کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ تعزیتی قراردادوں کی منظوری کے بعد کارروائی اگلے دن تک کے لئے ملتوی کردی گئی۔

۲۳ر مارچ ۱۹۲۵ کو ہوم ممبر سر الیگزنڈر موڈی مین نے بنگال کرمنل لا امینڈمنٹ ایکٹ سپلیمنٹری بل اسمبلی میں پیش کیا تو محمد علی جناح کا جذبہ قومیت ایک مرتبہ پھر بھڑک اٹھا۔ انہوں نے اس بل کو تشدد آمیز قرار دیتے ہوئے اسمبلی کے ہندوستانی اراکین کو اس کی باریکیوں سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ ایک خطرناک اقدام ہے اسلئے تمام ہندوستانی اراکین کو حب الوطنی اور عوام دوستی کے پیش نظر اس کی مذمت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس بل کی دفعہ ۳ اور ۲ کو ایوان نے مسترد کردیا۔

۲۴ر مارچ کو گورنر جنرل لارڈ ریڈنگ کی جانب سے ایک پیغام موصول ہوا جس میں ایوان سے کہا گیا تھا کہ وہ بنگال کرمنل لا امنڈمنٹ سپلیمنٹری بل کو منظور کرلے چنانچہ ایک مرتبہ پھر ہوم ممبر نے اس بل کو ایوان میں پیش کیا۔ محمد علی جناح نے اس سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے حکومت کی پالیسی کی شدید مذمت کی اور ایوان سے اپیل کی کہ وہ اس کو مسترد کردے۔ انہوں نے حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ میں ایک مرتبہ پھر اس ایوان میں یہ کہتا ہوں کہ حکومت عوام کے لئے ہی مشکلات پیدا نہیں کررہی ہے بلکہ وہ خود اپنے لئے بھی عظیم ترین مسائل کو جنم دے رہی ہے۔

۲۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو اسمبلی کی کارروائی اگست تک کے لئے ملتوی کردی گئی لیکن محمد علی جناح کی سرگرمیاں برقرار رہیں ایک طرف وہ آئینی اصلاحات کے لئے جدوجہد کرتے رہے دوسری طرف ہندو مسلم اتحاد کے لئے مذاکرات جاری رکھے۔ ہندوستان میں سینڈھرسٹ کے نمونہ پر فوجی تربیت کے کالج کے قیام کے لئے جو کمیٹی قائم کی گئی تھی اُس نے اپنی ابتدائی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ اس کمیٹی نے جس میں محمد علی جناح بھی شامل تھے۔ اگست تک ہندوستان میں شہادتیں جمع کیں جس کے بعد ایک ذیلی کمیٹی محمد علی جناح کی قیادت میں قائم کی گئی تاکہ یہ یورپ کے ممالک کا دورہ کرکے اپنی رپورٹ مرتب کرے۔

اس عرصہ میں محمد علی جناح نے اتحاد اور سیاسی عمل کی بقا کے لئے اپنی دیا نتدارانہ کوششوں کو بھی جاری رکھا انہوں نے ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء کو مسٹر ایم آر جیکار کو ایک خط تحریر کیا جس میں لکھا کہ میں نے اپنے دوستوں اور دیگر افراد کے خیالات کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس وقت رہا گرم ہے اور اتحاد و باہمی مفاہمت کے سلسلہ میں تھوڑی سی بھی کوشش بڑی کامیاب ثابت ہوگی چنانچہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس سلسلہ میں عملی اقدام کریں۔ محمد علی جناح نے اس ضمن میں ایک اجلاس بھی اپنی رہائش گاہ پر طلب کیا اور اس میں شرکت کی مسٹر جیکار کو دعوت دی۔ مسٹر جیکار نے اپنی کتاب "میری زندگی کی کہانی" میں لکھا ہے کہ جب مجھے یہ دعوت نامہ اور اس سے منسلک محمد علی جناح کا پروگرام ملا تو مجھے بڑی امید تھی کہ کل ہند بنیاد پر نہیں تو صرف بمبئی کی بنیاد پر ہی قوم پرست رہنماؤں کے درمیان اتحاد کی کوئی صورت نکل آئے گی اور ہم محمد علی جناح کے پیش کردہ پروگرام کے مطابق کوئی کام کرسکیں گے۔ لیکن یہ امید اُس وقت خاک میں مل گئی جب میں نے یہ محسوس کیا کہ سوراج پارٹی کے ارکان محمد علی جناح کی طرف سے عناد رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں میری محمد علی جناح سے کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن "اے بسا کہ آرزو خاک شدہ"۔[۱]

---

[۱] شریف الدین پیرزادہ ص ۱۲۸۔

۲۰ اگست کو اسمبلی کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ محمد علی جناح نے جزوی طور پر اس کارروائی میں شرکت کی کیونکہ وہ کمیٹی کے کاموں میں مشغول تھے۔ ۱۴ ستمبر کو اراکین کے کمرہ میں اسمبلی کے مسلم اراکین کا ایک اجلاس ہوا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایک مسلم پارٹی بنائی جائے اور اس میں اسمبلی کے تمام مسلمان اراکین شریک ہوں اور اُن پر یہ پابندی ہو کہ اُن معاملات میں جو مسلمانوں سے متعلق ہوں ایک ساتھ رائے دیں۔ محمد علی جناح نے اس کی مخالفت کی اور اپنی پارٹی (آزاد پارٹی) کے ہندو اور پارسی اراکین سے علیحدگی پر رضامند نہیں ہوئے۔ محمد علی جناح کی عدم رضامندی کی وجہ سے یہ تجویز ناکام ہوگئی[1]۔ ۷ ستمبر ۱۹۲۵ء کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہوگیا۔ اس دن اجلاس سے لارڈ ریڈنگ نے خطاب کیا۔ ستمبر ۱۹۲۵ء کے اواخر میں محمد علی جناح کمیٹی کے وفد کے ہمراہ انگلستان اور یورپ کے دیگر ممالک کے دورہ پر روانہ ہوگئے۔ محمد علی جناح کے اس سفر کی تفصیلات کسی بھی کتاب میں تفصیل کے ساتھ نہیں ملتی ہیں۔ خود مطلوب الحسن سید جنہوں نے محمد علی جناح کی ایما پر اُن کی سیاسی سوانح لکھی ہے اس باب میں خاموش ہیں۔ برطانوی سوانح نگار ہیکٹر بولائیتھو نے صرف اس دورہ پر مختصر سی روشنی ڈالی ہے انہوں نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ درج کیا ہے جو اُن ہی کے الفاظ میں یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

"کمیٹی کے دورہ کے سلسلے میں انتظامی امور ایک نوجوان افسر کپتان گریسی کے سپرد تھے جو بعد میں جنرل سر ڈگلس گریسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ راقم الحروف کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران جنرل گریسی نے بتایا کہ جو افسر کمیٹی کے وفد کے سامنے شہادت دینے آئے اُن کی طرف محمد علی جناح کا رویہ بڑا حاکمانہ تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی عدالت میں مخالف گواہوں پر جرح کر رہے ہیں۔ اُن کا یہ رویہ اتنا نامناسب تھا کہ بالآخر مجھے انہیں ٹوکنا پڑا۔ میں نے کہا کہ آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جو افسر کمیٹی کے سامنے پیش ہو رہے ہیں انہوں نے اپنی خوشی سے یہ خدمت قبول کی ہے تاکہ وہ کمیٹی کے کام میں مدد

[1] یاسین خان صفحہ ۲۶۰

دے سکیں۔ آپ لوگوں کو ان سے اچھی طرح پیش آنا چاہیے اور ان کا لحاظ کرنا چاہیے۔"
اس احتجاج پر محمد علی جناح دھیمے پڑ گئے۔ اس واقعے کے برسوں بعد مجھے اُن سے بڑی مختلف حیثیت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اُس زمانے میں بھی اُن کی اس خوبی سے متاثر ہوا کہ جب بھی اُن کی طرف سے زیادتی ہوتی اور انہیں اس پر ٹوک دیا جاتا تو وہ فوراً اپنی غلطی محسوس کر لیتے اور پھر اُسے درست کر لیتے۔ سب سے بڑی خوبی اُن میں یہ تھی کہ بات کبھی دل میں نہ رکھتے۔ سینڈھرسٹ میں میں نے جس سختی سے اُن کو ٹوکا تھا وہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اور اگر جناح کی طبیعت میں چھوٹا پن ہوتا تو وہ میری اس گستاخی کو کبھی معاف نہیں کرتے اور اس کی تلخ یاد ساری عمر اُن کے دل میں رہتی لیکن وہ ایسے نہ تھے۔ اور ان کا ذہن ان چیزوں سے بالاتر تھا۔ چنانچہ آزادی کے بعد جب میرا نام پاکستان کی فوج کی سپہ سالاری کے لئے تجویز کیا گیا تو انہوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور خندہ پیشانی سے میرا خیر مقدم کیا۔ میں انہیں اچھی طرح یاد تھا لیکن انہوں نے کبھی کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔[1]

دسمبر ۱۹۲۵ء کے آخری عشرہ میں محمڈن اورنٹیل اینگلو کالج کی گولڈن جوبلی علیگڑھ میں شروع ہوئی تو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس بھی اس شہر میں طلب کیا گیا۔ محمد علی جناح سینڈھرسٹ کا دورہ مکمل کرنے کے بعد یورپ کے دورہ سے وطن واپس آ چکے تھے۔ گزشتہ چند سالوں کے دوران گاندھی جی اور موتی لال نہرو نے جو رویہ اختیار کر رکھا تھا اُس سے ہر چند محمد علی جناح بڑے بددل تھے لیکن ابھی تک انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں کو ترک نہیں کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس اجلاس میں بھی ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ایک قرارداد پیش کی۔ رئیس احمد جعفری نے خطباتِ قائداعظم میں لکھا ہے کہ اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا: لازم ہے کہ پہلے ہم خود آپس میں کوئی فیصلہ کر لیں۔ حکومت سے ہمارا صرف یہی مطالبہ ہے کہ موجودہ آئین پر

---
[1] ۔ ہیکٹر بولائتھو۔ صد ۱۴۱

نظر ثانی کرتے ہوئے، ایک قانون مرتب کرنے کے لئے کوئی ایسی اسکیم بنائی جائے جس میں ہندوستان کی ترقی کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔" ووٹنگ کے لئے جب اس قرارداد کو پیش کیا گیا تو دو ووٹوں کی بڑی تعداد سے یہ پاس ہوگئی۔ اجلاس کی صدارت سر عبدالرحیم کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندوؤں سے علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی۔ لیکن محمد علی جناح نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔

نواب مزمل اللہ خان کی رہائش گاہ پر بعد میں ایک جلسہ ہوا جس میں مرکزی و صوبائی اسمبلیوں میں مسلم پارٹی بنانے کی تجویز پیش ہوئی۔ نواب مزمل اللہ خان اور ڈاکٹر ضیاء الدین اس کے موافق تھے۔ سر عبدالرحیم کو بھی اس تجویز سے اتفاق تھا لیکن محمد علی جناح کی شرکت کے بغیر انہوں نے اس تجویز کو ناقابل عمل قرار دیدیا۔[1]

اس اجلاس کی کارروائی میں محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی بھی شریک تھے۔

اس سال کانگریس کا اجلاس مسز سروجنی نائیڈو کی زیر صدارت کانپور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں کانگریس اور سوراج پارٹی کے اختلافات ختم ہوگئے۔ بقول اندولال یاجنک کہ تحریک ترک موالات کے پیغمبر اعظم نے سوراجی پروگرام کی کرم خوردہ اور سڑی ہوئی لاش پر فوراً اپنا سفید کھدر کا مقدس لبادہ ڈال دیا۔ اجلاس میں کئی فیصلے کئے گئے جن میں کہا گیا تھا کہ سوراج پارٹی کی پارلیمانی پالیسی کی مکمل حمایت کی جائے اور دوسری سیاسی جماعتوں کو بلا قید مسلک و عقیدہ کانگریس میں شریک ہونے کی دعوت دیجائے۔[2] اس اجلاس میں ہندو رہنما سی آر داس کے انتقال پر ایک تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئی۔ جو ۱۶ جون ۱۹۲۵ء کو دارجلنگ میں طویل بیماری کے بعد چل بسے تھے۔

اس سال مسلم لیگ کے مقتدر رہنما اور مسلم لیگ کی بہار شاخ کے بانی بیرسٹر مظہر الحق انتقال کر گئے۔ وہ خلافت تحریک کی ناکامی کے بعد گوشہ نشین ہوگئے تھے۔

---

[1] نواب یامین خان صـ ۲۶۳

[2] اندولال یاجنک صـ ۲۵۱

سنہ ۱۹۲۶ء

سنہ ۱۹۲۶ء میں بھی محمد علی جناح بلا تامل ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ دراصل اتحاد کے سلسلہ میں محمد علی جناح کی جدوجہد بڑی معنی خیز تھی۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوؤں سے اتحاد کی جس قدر بات چیت کی جائے گی اُسی قدر کھل کر اُنکی متعصب ذہنیت سامنے آئے گی کیونکہ وہ تو کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کو سیاسی عمل میں ابھرنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہتے تھے۔ محمد علی جناح گذشتہ سالوں میں کئی مرتبہ ہندوؤں کی مفاد پرست ذہنیت کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے۔ اس لئے اُن کی سیاسی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں ہندوؤں کے ہی پلیٹ فارم سے مطالبہ کرایا جائے۔ ہر چند کہ اس جدوجہد میں اُن کو بعض افراد کی شدید مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور جہاں بھی اتحاد کی بات شروع ہوئی نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔

اس سال قومی اسمبلی جب شروع ہوئی تو اُس میں سوراج پارٹی کی جانب سے بڑا زور باندھا گیا کیونکہ سوراج پارٹی کے رہنما پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکے تھے۔ کہ انہیں بجٹ کے موقع پر اسمبلی سے واک آوٹ کرنا ہے۔ بجٹ پر ۳ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو اسمبلی میں بحث شروع ہوئی اور دو دن برابر جاری رہی ۸ مارچ کو بجٹ کے تفصیل مطالبات پیش ہوئے۔ محاصل درآمد کے التوا سے متعلق ایک قرارداد محمد علی جناح نے پیش کی تو اسے منظور کر دیا گیا۔ سوراج پارٹی نے یہ موقع غنیمت جانا اور پنڈت موتی لال نہرو ایوان میں

تقریر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ باعزت تعاون کے لئے سٹوراج نے جو شرائط پیش کی تھیں حکومت نے انکو حقارت کے ساتھ ٹھکرادیا۔ سوراج پارٹی نے ڈھائی سال تک اصلاحات کو چلایا۔ اور انتہائی ذلت برداشت کی لیکن ہم حکومت کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس کی یہی بے اعتنائی برقرار رہی تو وہ دیکھے گی کہ ملک کے طول و عرض میں خفیہ انجمنوں کا جال بچھ جائے گا۔ پنڈت موتی لال نہرو اپنی تقریر ختم کر کے اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ ایوان سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ سوراجیوں کے واک آؤٹ کے بعد سر الیکزنڈر موڈی مین نے حکومت کی جانب سے ایک مختصر سی جوابی تقریر کی جس کے بعد اسمبلی کے صدر مسٹر وی جی پٹیل نے اجلاس ملتوی کر دیا۔

۱۱ مارچ ۱۹۲۶ء کو اسمبلی کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ تو فنانس ممبر سر باسل بلیکٹ نے اسمبلی میں ایگزیکٹو کونسل کے مطالبے کی تحریک پیش کی۔ محمد علی جناح نے انڈیپنڈنٹ پارٹی کی جانب سے اس تحریک کے ایک سقم کی نشاندہی کی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ سوراج پارٹی کے واک آؤٹ کے بعد اصلاحات کے سلسلے میں حکومت کی پالیسی کے بارے میں اسمبلی میں ایک متفقہ قرارداد مذمت منظور کی جائے۔ اس ضمن میں انہوں نے تقریر کرتے ہوئے اصلاحات کی تاریخ اور اُن کے اثرات پر روشنی ڈالی۔ آئین پر نظر ثانی کے مطالبہ اور مطالبات کے سلسلے میں حکومت کے رویّہ کا بھی تذکرہ کیا۔ محمد علی جناح نے ایک شاہی کمیشن کے قیام کا مطالبہ کرتے ہوئے نامزد ارکان سے اپیل کی کہ وہ اُنکی تحریک کے حق میں رائے دیں اور یہ ثابت کر دیں کہ وہ اس سنگین صورتحال میں حکومت کے ہاتھوں میں تماشا نہیں بننا چاہتے۔ محمد علی جناح کی یہ تقریر پارلیمانی تقاریر کا ایک شاہکار تھی۔ جس میں قانونی نکتہ آرائی اور باریک بینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس تقریر کے مکمل متن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ محمد علی جناح کا رویّہ حکومت کے ساتھ بڑا تلخ تھا اور وہ نہایت بے باکی کے ساتھ حکومت کے کردار پر حرف زنی کرتے تھے

اور ایوان میں عوامی نمائندوں کے علاوہ نامزد ارکان کو بھی دعوت دیتے تھے۔ کر وہ حکومت پر اپنی گرفت مضبوط رکھیں تاکہ تاریخ میں اُن کا تذکرہ اچھے الفاظ کے ساتھ محفوظ رہے۔[1]

۱۶ فروری ۱۹۲۶ء کو مسلم لیگ کے ایک رکن سید مرتضیٰ نے صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کے بارے میں ایک قرارداد پیش کی تھی جس میں اقلیت کے حقوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئینی اصلاحات اور وزراء کی تقرری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس قرارداد کی سوراج پارٹی کے ارکان نے مخالفت کی خصوصاً پنڈت مدن موہن مالویہ نے بڑی مخالفانہ تقریر کی چنانچہ جب اس قرارداد پر دوبارہ اسمبلی میں بحث شروع ہوئی تو ۸ مارچ ۱۹۲۶ء کو محمد علی جناح نے قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ کسی چیز کی مخالفت تو جائز ہے لیکن ہر بات کو ہندو مسلم رنگ دے کر اختلافات کو ہوا دینا قومی بددیانتی کے مترادف ہے۔ ادھر تعاون پسند افراد نے اجلاس دہلی کے بعد ۳ اپریل کو بمبئی میں ایک کانفرنس طلب کی تاکہ اعتدال پسندوں اور انڈیپنڈنٹ پارٹی والوں کو ملا کر ایک نئی قومی جماعت تشکیل دی جائے۔ اس کانفرنس میں سر تیج بہادر سپرو، محمد علی جناح، پنڈت مدن موہن مالویہ اور مسٹر جیکار نے شرکت کی اور ایک نئی جماعت انڈین نیشنل پارٹی تشکیل پا گئی جس کا مقصد یہ قرار پایا کہ سوراج یا اس قسم کی مکمل ذمہ دارانہ حکومت جیسی سلطنت برطانیہ کی نوآبادیات میں قائم ہے جلد سے جلد ہندوستان میں بھی قائم کی جائے اور اس میں اقلیتوں اور پسماندہ اقوام کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔" سوراج پارٹی جو مطلق العنانی کی حد تک خودسر اور خود پسند ہو گئی تھی اس قسم کی کسی سیاسی تنظیم کو کیسے برداشت کر سکتی تھی چنانچہ پنڈت موتی لال نہرو نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس پارٹی کو محض سوراجیوں کا زور کم کرنے کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ پنڈت نہرو نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس جماعت کے کچھ افراد کو ملانے کی کوشش بھی کی اور اتحاد کی سبیل پیدا کرنے کے لئے ۲۱ اپریل کو گاندھی جی کے سابرمتی آشرم میں ایک جلسہ بھی منعقد کر ڈالا۔[2]

---

[1] رفیق افضل ص ۲۳۵۔ [2] اندولال یاجنک ص ۲۵۴

کانگریس اور سوراج پارٹی گاندھی جی کی جلد بازی اور منافقت آمیز سیاست کے نتیجہ میں ردعمل کا بری طرح شکار ہو چکی تھی۔ اس ردعمل کے خاتمے کے لئے انڈین نیشنل پارٹی بھی کوئی مثبت کردار ادا نہ کر سکی۔ اور یا بھی ادھر ہی کنارے لگ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر جو ابھی تک اصولی انداز میں اس ردعمل اور گاندھی جی کی سیاست سے کنارہ کش نہ ہوئے تھے جب اکتوبر ۱۹۲۶ میں سفر حجاز سے وطن واپس پہنچے تو سیاست اور طفلان سیاست کی شعبدہ بازیوں کے متحمل نہ ہو سکے چنانچہ انہوں نے نیشنل پارٹی کی سخت مخالفت کی اور اپنے روزنامہ ہمدرد میں کئی ایک کالم لکھ دیئے اس سلسلہ میں پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کی کھلکر دھجیاں بکھیر دیں۔ اور ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو لکھا کہ میں آج اس نئی جماعت یعنی انڈین نیشنل پارٹی کی تحریک پر بالتفصیل تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ جہاں تک اس جماعت کا اولین مقصد یعنی ہندوستان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور نفاق و انتشار کو دور کرنے اور ایک مختلف الاجزاء مگر متحد ہندوستانی قومیت پیدا کرنے کا سوال ہے کوئی وطن پرور بلکہ کوئی ذی عقل ہندوستانی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا جہاں تک میرے امکان میں ہے اور جہاں تک میرا حلقہ اثر ہے ہمیشہ اس کی کوشش کروں گا کہ لوگوں میں قومیت، حب الوطنی اور یگانگت کے جذبات پیدا ہوں اور ترقی کریں لیکن افسوس پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ۳۱ جولائی کو جو اعلان کیا ہے اس سے ہر وہ شخص جو کچھ بھی مذہبی اور ملی احساس رکھتا تھا۔ اپنی جگہ پر خائف ہو گیا اور سمجھنے لگا کہ یہ نئی مجلس ہندوستان میں وجود قومیت کی خواہاں نہیں بلکہ وجود مذہب و ملت کی دشمن ہے۔ اٹلی کے مشہور شاعر ڈانٹے اور انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن نے دوزخ کی جو تصویر کھینچی ہے اس کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس کے دروازہ پر کندہ ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو وہ امید کو باہر چھوڑ آئے پنڈت موتی لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بنا پر ایک نئی جہنم پیدا کرنا چاہی تھی جسکے

دروازہ پرکندہ ہو کر جو اس میں داخل ہونا چاہے وہ ملّت و مذہب کو باہر چھوڑ آئے۔[1]

نومبر ۱۹۲۶ء میں حکومت کی طرف سے اسمبلیوں کے لئے دوبارہ انتخابات کی تاریخ کا اعلان ہوتے ہی سوراج اور کانگریس کے رہنماؤں میں باہمی رنجشوں نے زور پکڑ لیا۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور پنڈت موتی لال میں زبردست ٹھن گئی۔ اور وہ کھل کر ایک دوسرے کے خلاف میدان میں آگئے۔ یہ سیاسی اختلافات نہ صرف کانگریس بلکہ سوراج پارٹی کے لئے بھی بڑے مضرت رساں ثابت ہوئے اور جب انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو پورے ہندوستان میں سوراج پارٹی کو صرف ۴۵ نشستیں حاصل ہوئیں اور خصوصاً یوپی میں اس کا زور بالکل ٹوٹ گیا محمد علی جناح نے بھی انتخابات میں بمبئی صوبہ سے حصہ لیا اور اُن کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ جناح کی اس کامیابی کا سبب دراصل اُن کی متوازن سیاست تھی۔ جس کو بمبئی کے عوام بہت پسند کرتے تھے۔ ہر چند کہ انتخابات کے دوران اور اُس کے چند ماہ قبل سے محمد علی جناح ہندوستانی سیاست سے کس حد تک دلبرداشتہ نظر آتے تھے۔ اور مسلم لیگ کے معاملات میں بھی ذرا کم ہی مخل ہوتے تھے۔ لیکن ہندوستان کی آزادی کے لئے جو لگن اُن کے دل میں موجود تھی اُس کی تڑپ اور اُس کا اثر ہر جگہ ظاہر ہوتا تھا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۲۶ء کے آخری عشرہ میں دلّی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت سر عبدالقادر نے کی۔ مولانا حسن ریاض نے اپنی کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" میں تحریر کیا ہے کہ اس زمانہ میں ملک کی آزادی کے شوق میں محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کے لئے اُن سے التجائیں کرتے اور اس معاملے میں انہوں نے اپنی طبعی خودداری اور جذبہ عزت نفس کو بھی سختی سے دبا کر رکھا۔ مگر تابکے ۱۹۲۶ء کے اجلاسِ مسلم لیگ میں اُن کو یہ صاف کہنا پڑا کہ صرف مخلوط انتخاب سے قومیت پیدا نہیں ہو سکتی۔[2]

---

[1] - پروفیسر محمد سرور ص ۲۵، "مولانا محمد علی جوہر" مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۶۲ء

[2] - سید حسن ریاض۔ ص ۱۵۶

اس اجلاس میں مسٹر جناح نے ایک اہم تجویز پیش کی اور بعد ازاں اپنی تقریر میں اس کے بعض نکات پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ تجویز یہ تھی کہ لیگ کا اصل مقصد مکمل ذمہ دار حکومت کا حصول ہے۔ محمد علی جناح نے کہا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ خواہش ہے کہ ہندوستان کے موجودہ آئین میں کچھ ترمیمات کی جائیں۔ اس لئے وہ حکومت سے استدعا کرتی ہے کہ بغیر کسی پس و پیش کے فوراً ایک شاہی کمیشن مقرر کیا جائے تاکہ تحقیقات اور جانچ پڑتال کے بعد کمیشن کوئی ایسی اسکیم مرتب کرے جس کی رو سے ہندوستان میں بہت جلد ذمہ دار حکومت قائم کرنے کی شرائط شامل ہوں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں کسی قسم کا آئین مرتب کرتے وقت حسب ذیل اساسی اصولوں کے تحفظ کا خاص طور سے خیال رکھنا لازمی ہے۔

- ملک کی ہر مجلس مقننہ یا دیگر منتخب جماعتوں میں اقلیت کی مناسب نمائندگی کا سامان کیا جائے اور کسی صوبے کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات کے درجہ پر نہ تبدیل کیا جائے۔
- اقلیت کی نمائندگی کے لئے جداگانہ انتخابات قرار دیئے جائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ کسی خاص وقت یا موقع پر مشترکہ انتخابات کو بھی زیر عمل لا سکے۔
- اگر کسی وقت علاقوں کو دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس وقت بنگال، پنجاب و شمال مغربی سرحدی صوبہ کے مسلمانوں کی اکثریت کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔
- ہر جماعت کو مذہبی معاملات عقائد اور عبادات اور اشاعت تعلیمات میں مکمل آزادی ہونا چاہیئے۔
- اگر کسی جماعت کے تہائی ممبر کسی قانون یا تجویز کی اس بنا پر مخالفت کریں کہ یہ

ان کے حق میں ضرر رساں ہے تو اس حالت میں یہ قانون یا تجویز پاس نہ کیا جائے ۔
محمد علی جناح نے کہا کہ اس ضمن میں لیگ ایک کمیٹی مقرر کرتی ہے کمیٹی کا یہ فرض ہوگا کہ ہندوستان کے دیگر سیاسی اداروں سے تبادلہ خیال کرتے ہوئے ایک اسکیم مرتب کر کے لیگ کی مجلس عاملہ کے پاس غور و خوض کیلئے بھیجے ۔ جسے لیگ کی نظر ثانی کے بعد شاہی کمیشن کے پاس بھیجا جائے گا ۔ نیز لیگ ہر صوبہ میں اس قسم کی کمیٹیاں مقرر کرتی ہے تاکہ وہ بھی آئینی اصلاحات کے متعلق ایک اسکیم مرتب کر کے سینٹرل کمیٹی کے پاس روانہ کریں ۔ محمد علی جناح نے اس تجویز کے بارے میں مزید کہا کہ مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے بہت پریشان اور نالاں ہیں ۔ ہندوؤں اور کانگرسیوں کا رویہ مسلمانوں کے بالکل منافی ہے مشترکہ انتخابات سے قومیت پیدا نہیں ہو سکتی ۔ تاریخ شاہد ہے کہ کنیڈا میں جداگانہ انتخابات سے ملکی نظام میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا میری یہ تمنا ہے کہ کانگرس اور ہندو مہا سبھا کے لیڈر ہمیں بھی اپنا شریک کار بنائیں اور ہمارے ساتھ دوستانہ تعلق اور ربط پیدا کریں ۔ آج جس تجویز کی میں نے تحریک پیش کی ہے اس کی نقل کانگرس کے سکریٹری کے پاس بھیجی گئی ہے لیکن لیگ سخت ناامید ہوئی جب کہ کانگرس نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا خیر جو کچھ گذر گیا وہ گذر گیا ہمیں چاہیئے کہ ماضی کو بالکل بھول جائیں اور اپنے مطالبات کے حصول کے لئے آپس میں متفق ہو کر ایک مشترکہ پالیسی کے تحت کام کریں ۔

ڈاکٹر کچلو نے اسی موقع پر کہا کہ اگر ہندو ہماری تجاویز کے اصولوں کو تسلیم کر لیں تو دونوں فرقوں کی باہمی کشمکش فوراً دور ہو جائے ۔ چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ہے اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو راضی کر کے ان کے دلوں کو موہ لیں [1]

کانگرس اور ہندو رہنماؤں کی مسلسل روش نے محمد علی جناح کو ہر چند بددل کر دیا تھا لیکن وہ اس کا اظہار قبل از وقت مناسب تصور نہیں کرتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے

[1] ۔ رئیس احمد جعفری صفحہ ۶۶ ۔ خطبات قائد اعظم

۱۹۲۶ء سے قبل ہندوؤں کے اجتماعی رویہ پر بھی تنقید نہیں کی۔ مسلم لیگ کا اجلاس دہلی پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنی تجویز کی تشریح میں ہندوؤں کے رویے کو مخالفانہ قرار دیا۔ محمد علی جناح ہندوستان کی سیاسی صورتحال سے بھی کس قدر اس زمانے میں بددل نظر آتے تھے۔ اس کا ثبوت سر عبدالقادر کے اس مضمون سے ملتا ہے جو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال کے بعد تحریر کیا اور جس میں انہوں نے اجلاس دہلی کے موقع پر گفتگو نقل کی ہے۔ سر عبدالقادر نے لکھا ہے کہ "مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ۱۹۲۶ء میں دہلی میں ہوا۔ میں اور محمد علی جناح صاحب دو تین دن سے ایک کیمپ میں فروکش تھے۔ مجھے انہوں نے از راہ کرم اس اجلاس کی صدارت کے لئے تار دے کر بلایا تھا اور میں حاضر ہو گیا۔ حسن اتفاق سے ان دنوں مجھے مرحوم کی طبیعت کا ایک رنگ دیکھنے کا موقع ملا جس کا مجھے اس سے پہلے احساس نہ تھا۔ میں اُن کی اعلیٰ قانون دانی اور فصاحت و بلاغت سے واقف اور اُن کی بے نظیر قابلیت کا مداح تھا۔ مگر یہ نہ جانتا تھا کہ اس لباس کے نیچے جو اس زمانے میں اُن کے زیب تن تھا (یعنی خالص انگریزی وضع کا سوٹ) ایک انتہا درجہ کا مومن دل پوشیدہ ہے، جو ملت اسلامیہ کے درد سے بھرا ہوا ہے۔ پہلے جلسے کے اختتام کے بعد مرحوم شام کے کھانے سے فارغ ہو کر میرے کمرے میں تنہا تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ اُن کا ارادہ ہو رہا ہے کہ ہندوستان سے نقل مکانی کر کے لندن میں اقامت پذیر ہوں۔ وہاں پریوی کونسل کے مقدمات میں بھی پیش ہوتے رہیں اور ملک ہند کی آزادی کے لئے بھی کوشش کرتے رہیں۔ اس غرض سے وہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جو مسلم لیگ کا کام اُن کی غیر حاضری میں سنبھال سکے۔ یہ بات کہتے وقت اُن کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں اس خدمت کے لئے آمادہ ہو سکتا ہوں۔ بدقسمتی سے میرے ذاتی حالات اُس وقت ایسے نہیں تھے جس کی وجہ سے میں اپنے آپ میں یہ بار امانت اٹھانے کی طاقت نہیں پاتا تھا۔ میں نے نہایت عجز سے معذرت کرتے ہوئے

یہ کہا کہ میں ایک کثیر العیال آدمی ہوں فکر معاش سے مجبور ہوں اور اب سیاسی کام ایسا نہیں رہا کہ اور کاموں کے ساتھ نبھ سکے۔ اپنی معذوری بیان کرتے ہوئے میں نے اُن کی خدمت میں باادب یہ مشورہ دیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مسلم لیگ پوری کامیابی حاصل کرے تو آپ سے بہتر اس کو کوئی نہیں سنبھال سکتا۔ آپ ولایت جانے کا ارادہ ترک فرمائیں یا کوئی عارضی انتظام اپنی غیر حاضری کے زمانے کے لئے کر جائیں۔ اور پھر واپس آکر لیگ کو سنبھال لیں۔ اُس وقت تو وہ اس جواب سے قدرے مایوس ہو گئے۔ لیکن بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ لیگ کیلئے اُن کا اسے سنبھالنا لیگ کی ذلیت اور حد سے زیادہ کامیابی کا موجب ثابت ہوا۔ [1]

اس سال ۲۰ جنوری کو لکھنؤ میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی ۲۰ جولائی کو بمبئی میں قائداعظم کے دوست اور مسلم لیگی رہنما عمر سوبانی اور وسط نومبر میں "جان بیٹا خلافت پہ دیدو" کا نعرہ لگانے والی خاتون علی برادران کی والدہ آبادی بیگم المعروف "بی اماں" انتقال کر گئیں

اس سال آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس گوہاٹی میں سری نواس آئنگر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اسی سال لارڈ ریڈنگ کی جگہ لارڈ ارون کو وائسرائے ہند مقرر کیا گیا۔

---

[1] سر عبدالقادر صفحہ ۱۹۱ - قائداعظم رحمتہ اللہ علیہ مضمون مطبوعہ ماہ نو کراچی نومبر ۱۹۴۸ء

۱۹۲۷ء

۱۹۲۷ء میں محمد علی جناح نے اپنی ذاتی مساعی سے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کو اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ اگر وہ متحد ہو کر اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں تو نہ صرف آزادیٔ ہند کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی بلکہ مسلمانوں کے حقوق کا آئین میں بہتر تعین ہو سکے گا۔ اس عرصہ میں بظاہر محمد علی جناح ہندوستان کی سیاسی جدوجہد میں تن تنہا نظر آتے ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر جن کی دعوت پر محمد علی جناح نے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ کی رکنیت قبول کی تھی۔ میثاق لکھنؤ کے بعد سیاسی طور پر محمد علی جناح سے کٹ گئے تھے۔ اور تقریباً دس سال تک یہ دوری بڑی شدت کے ساتھ برقرار رہی تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات سے محمد علی جناح کی عدم دلچسپی اُن کے لئے سوہانِ روح تھی لیکن جب گاندھی جی کی بد باطنی عیاں ہوئی تو محمد علی جوہر کو اس بات کا احساس ہوا کہ اُن کا ساتھ غلط افراد سے رہا جبکہ محمد علی جناح اس حقیقت سے قبل از وقت آشنا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ گاندھی جی کی سیاست دراصل منافقت کی ایک خوبصورت شکل ہے جس کے سحر میں مولانا محمد علی جوہر جیسا مجاہد مسلمان گھر گیا ہے اور پھر یہی ہوا جب یہ سحر ٹوٹا تو مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی جی کے راستے بڑے مختلف تھے۔ محمد علی جناح مسلم لیگ میں نئی روح پھونک چکے تھے اور ایک مرتبہ پھر فعال قیادت کے روپ میں سامنے آرہی تھی۔ چنانچہ مولانا محمد علی جوہر نے بھی عملی طور پر اس تنظیم کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ نتیجتاً محمد علی جناح اور مولانا محمد علی جوہر ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ اور پھر یہ قربت مولانا محمد علی جوہر کے انتقال تک برقرار رہی۔

۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو دہلی میں قومی اسمبلی کے نئے تعمیر ہال کا ہندوستان کے وائسرائے

لارڈ ارون نے افتتاح کیا۔ اور نومنتخب اسمبلی کی باقاعدہ کارروائی ۱۹ جنوری سے شروع ہوئی۔ چونکہ التواء میں پڑے ہوئے مسائل اور تجاویز اسمبلی کے سامنے تھے۔ اس لئے محمد علی جناح جو ان دنوں دہلی ہی میں مقیم تھے۔ اس کارروائی میں جستہ جستہ حصہ لیتے رہے۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس گوہاٹی کے صدر سری نواس آئنگر جو محمد علی جناح کے ذاتی دوستوں میں شامل تھے اور محمد علی جناح کو نہایت معقولیت پسند سیاست دان تصور کرتے تھے انہوں نے ہندوستان کی فرقہ وارانہ کشیدگی کو ختم کرنے کے لئے اجلاس کے بعد چند تجاویز مرتب کر کے محمد علی جناح کو ارسال کیں تاکہ اس کشیدگی کا کوئی مستقل اور پائیدار حل تلاش کر کے خون خرابے کی فضا کو ختم کیا جا سکے۔

محمد علی جناح نے سری نواس آئنگر کی تجاویز کو بڑی اہمیت دی اور ان پر مسلم لیگ کے متعدد رہنماؤں سے تبادلہ خیال کیا۔ آئنگر کی تجاویز اس نقطۂ نگاہ سے مرتب کی گئی تھیں کہ ۱۹۱۶ کے میثاق لکھنؤ میں ترمیم و تنسیخ کر کے ملک میں مخلوط انتخاب کو جاری کیا جائے۔ محمد علی جناح نے ان تجاویز پر غور کرنے کے لئے ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ کو ہندوستان کے تیس سربرآوردہ اور مختلف الخیال مسلمان رہنماؤں کو دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں مدعو کیا جہاں محمد علی جناح اپنی رفیقہ حیات رتی بائی کے ہمراہ مقیم تھے۔ ان رہنماؤں میں راجہ صاحب محمود آباد، سر محمد شفیع، صاحبزادہ عبدالقیوم، مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، سر محمد یعقوب، مولوی شفیع داؤدی، نواب سماعیل خان، میاں شاہنواز، سر عبدالرحیم، سردار محمد نواز خان، عبدالمتین چودھری سر عبدالعزیز، نواب سر ذوالفقار علی خان، ڈاکٹر ایل کے حیدر، مولوی سید مرتضیٰ، امام صاحب جامع مسجد دہلی، ڈاکٹر سر عبداللہ المامون سہروردی، سید آل نبی، اور شاہ محمد زبیر وغیرہ شامل تھے۔ اصولی طور پر تمام رہنماؤں کی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح سے اتحاد و اتفاق کی سبیل پیدا ہو تاکہ آزادی کے کاز کو آگے بڑھایا جائے۔ چنانچہ تمام رہنماؤں نے متفقہ طور پر اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں مختصراً مسلمانوں کے مطالبات کی نشاندہی کی گئی تھی یہ قرارداد محمد علی جناح نے رہنماؤں کے سامنے پیش کی جس کو بعد میں تجاویز دہلی کے نام سے مقبولیت حاصل ہوئی۔

اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ اگر سندھ کو احاطہ بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جدا صوبہ بنا دیا جائے۔ شمال مغربی صوبہ سرحد اور بلوچستان میں دیگر صوبجات ہند کی طرح اصلاحات رائج کر دی جائیں۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی ایوان کی ایک تہائی تعداد سے کم نہ ہو۔ پنجاب اور بنگال کی مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی اُن کی آبادی کے تناسب سے مقرر کی جائے۔ مسلمانوں کی اقلیت کے صوبوں میں ان کا تحفظ برقرار رکھا جائے۔ تو مسلمان ہندوستان کے مرکز اور صوبوں میں مخلوط انتخاب قبول کرنے پر تیار ہوں گے۔

اس قرارداد میں پیش کردہ تجاویز کو پورے ہندوستان میں بڑی اہمیت دی گئی۔ ہر چند کہ کچھ لوگ جداگانہ انتخاب کے شروع سے حامی تھے۔ ان تجاویز سے متفق نہیں تھے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت ان تجاویز کو قبول کرنے پر آمادہ تھی۔ نواب سر یامین خاں نے اپنی سرگزشت "نامۂ اعمال" میں لکھا ہے کہ یہ تجاویز دراصل محمد علی جناح کے ۱۴ نکات کا پیش خیمہ تھیں جو انہوں نے دو سال بعد پیش کئے۔ ان تجاویز کی اشاعت کے بعد ہندوؤں کے ایک طبقے نے تجاویز کو غلط مفہوم پہنانا شروع کر دیے چنانچہ محمد علی جناح نے ۲۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو ان تجاویز کی وضاحت میں ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ان تجاویز کے جملہ پہلوؤں پر اچھی طرح غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کا ابہام اور تقاضے سامنے آسکیں۔ اس بیان میں محمد علی جناح نے تجاویز کے سلسلے میں ہندو رہنماؤں کی طرف سے مثبت جواب موصول ہونے کی صورت میں اپنے آئندہ پروگرام کا بھی اعلان کیا اور کہا کہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتیں کی ایک نمائندہ کمیٹی تشکیل دی جائے گی۔ جو اس بارے میں کانگریس ہندو سبھا اور ملک کی دوسری سیاسی انجمنوں کے نمائندوں سے گفت و شنید کر سکے گی۔

۱۵ مئی ۱۹۲۷ء کو سری نواس آئنگر کی صدارت میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں ہوا جس میں محمد علی جناح کی تجاویز دہلی کو من و عن منظور کر لیا گیا۔ اور سارا ہندوستان تہنیت و مبارکباد کے نعروں سے گونجنے لگا۔ اجلاس سے خطاب کرتے

ہے سری نواس آئنگر، پنڈت موتی لال نہرو، ڈاکٹر انصاری، مسز سروجنی نائیڈو، اور مولانا محمد علی جوہر نے تجاویز دہلی کو خوش آئند قرار دیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے یقین ہے کہ آنے والی نسلیں ہمارے اس فیصلہ (یعنی تجاویز دہلی) پر ہمیشہ فخر کریں گی۔ بعض ہندو رہنماؤں اور اخبارات نے مسلم لیگ اور کانگریس کے فیصلے پر شدید اعتراضات کئے جس کی وجہ سے محمد علی جناح نے ۳۰ر مئی ۱۹۲۷ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے جان بوجھ کر غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ یہ بات واضح ہو جانا چاہیئے کہ مسلمان صرف اُسی صورت میں مخلوط حلقہ انتخاب اور تحفظ نشست کے اصول کو قبول کریں گے جب ہندو قرارداد دہلی کی دوسری تمام تجاویز پر بھی صاد کردیں۔ [1]

عین اس وقت جبکہ تجاویز دہلی وقت کا اہم ترین موضوع بنی ہوئی تھیں سر محمد شفیع نے پنجاب صوبائی مسلم لیگ کی جانب سے ان تجاویز کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ جداگانہ انتخاب کے مطالبہ کو کبھی ترک نہیں کریں گے۔ سر محمد شفیع ۲۰ مارچ کو دہلی کے اجلاس میں شریک تھے۔ لیکن اُس وقت انہوں نے ان تجاویز پر نکتہ چینی نہیں کی بلکہ بعد میں یہ موقف اختیار کیا جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کسی خاص اشارے پر ایسا کرنے کیلئے مجبور ہوتے تھے۔

تجاویز دہلی کے سلسلے میں ابھی بحث و مباحثہ جاری تھا کہ ۱۷ اگست سے شملہ میں اسمبلی کا سیشن شروع ہو گیا۔ اُس وقت اسمبلی کے لیڈر (یعنی سرکاری پارٹی کے قائد) سر بیسل بلیکٹ وزیر مال تھے۔ کانگریس کی سوراج پارٹی کے قائد پنڈت موتی لال نہرو تھے۔ لیکن اُس کی عدم موجودگی کی بنا پر سری نواس آئنگر نے کام کیا۔ نیشنل پارٹی کے قائد پنڈت مدن موہن مالویہ تھے ـــــ انڈیپنڈنٹ پارٹی کے قائد مسٹر محمد علی جناح تھے۔ اس سال بھی مسٹر جناح مسز جناح کے ہمراہ شملہ کے سیسل ہوٹل میں مقیم تھے۔ شام کو مسز جناح ایک کتے کو رکشا میں بٹھا کر ساتھ لاتی تھیں، اور

---

[1] بولائنہ۔ ص ۲۳۸

مال روڈ پر حسین بخش جنرل مرچنٹ کی دوکان پر جا کر لیٹ خرید کر کے کو کھاتی تھیں اور لوہر
بازار میں جا کر چاٹ خرید کر جو پتے پر ملتا ہے خود کھاتی تھیں۔ ایک دن ایک دوست نے اعتراض
کیا تو جواب میں بولیں کہ تم جیسوں کو جو رسومات کے پابند ہیں چڑانے کو ایسا کرتی ہوں۔ یہ بہت
آزاد طبیعت تھیں۔ ڈاکٹر لیگل لاج میں جب فنکشن میں جاتیں تو والسرائے کی تعظیم میں کھڑی نہ
ہوتیں۔ اور کہتی تھیں کہ آخر کو وہ مرد ہے۔ میں عورت اس کی تعظیم کو کیوں کھڑی ہوں؟[1]

اسمبلی کی کارروائی کے دوران ۲۵ اگست کو مہاسبھائی رہنما ڈاکٹر مونجے نے ایک قرارداد
پیش کی کہ سینڈھرسٹ کمیٹی کی رپورٹ کا وہ جز جو متفقہ علیہ ہے یعنی ۱۵ سال میں ہندوستانی
فوج کے تمام افسر نصف ہندوستانی ہو جائیں گے منظور کیا جائے۔ اس پر کانگریس کے رہنما
سری نواس آئنگر نے ایک ترمیم پیش کی اور کہا کہ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہندوستان کی
حفاظت کے واسطے آئندہ اسکیم بنے گی اور اس کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے کہ ابھی تک انگریز افسروں
کی بھرتی ہندوستانی رجمنٹوں میں جاری رکھنے پر زور دیا جا رہا ہے جس کی ملک کی رائے عامہ
خلاف ہے فی الحال یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سینڈھرسٹ کمیٹی کی رپورٹ منظور کر کے
اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ اس ترمیم پر صاحبزادہ عبدالقیوم اور محمد علی جناح نے بڑی مدلل
تقاریر کیں کیونکہ یہ دونوں ارکان مذکورہ کمیٹی کے رکن تھے۔ محمد علی جناح نے ترمیم کے
جواب میں کمانڈر انچیف اور کرنل کرافورڈ کی تقریر کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے انہوں نے کمیٹی کی
رپورٹ پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ دراصل حکومت اصلاحات کے نفاذ میں مخالفت سے
کام لے کر عوام کو دل برداشتہ کرنا چاہتی ہے جبکہ کمیٹی کی رپورٹ میں بعض سفارشات ایسی ہیں
جو حکومت کے حق میں ہیں۔ انہوں نے ایوان کے سامنے کمانڈر انچیف کی یقین دہانی کا ذکر
کرتے ہوئے کہا کہ اس مرحلہ پر ضروری ہے کہ فوری طور پر کمیشن کی سفارشات کو قبول کر لیا جائے
تاکہ عوام کسی قسم کی بدگمانی کا مزید شکار نہ ہوں محمد علی جناح نے کمانڈر انچیف سے امید ظاہر کی کہ
وہ اس مسئلہ کو جلد سے جلد حل کرائیں گے۔ اور زیادہ دیر ہندوستان کے عوام کی قسمت سے

---

[1] نواب سر امین خان۔ ص ۲۲۹

کھیلنے کا شغل جاری نہیں رکھیں گے۔ ؎۱

۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو اسمبلی کا شملہ سیشن ختم ہو گیا اور نومبر ۱۹۲۷ء کو وزیرِ ہند لارڈ برکن ہیڈ نے ہندوستان کو بعض سیاسی مراعات دینے کے سلسلے میں ایک شاہی کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا۔ نومبر کے آخر میں کمیشن کے اراکین کے ناموں اور اُن کے دائرہ کار کا اعلان کر دیا گیا۔ سر جان سائمن اس کمیشن کے سربراہ مقرر کئے گئے اور اس کے اراکین میں کسی ایک ہندوستانی کو شامل نہیں کیا گیا۔ اس سے قبل جب وائسرائے ہند لارڈ ارون کی حکومت نے اس کمیشن کی منظوری کا اعلان تو وائسرائے کی کونسل کے واحد رکن سر محمد حبیب اللہ نے نہایت جرأت اور قومی حمیت سے کام لے کر اس کمیشن کی ہیئتِ ترکیبی پر سخت اعتراض کیا۔ اور اس میں کسی ہندوستانی کو شامل نہ کرنے کے خلاف پرزور احتجاج کیا۔ اس احتجاج میں سر حبیب اللہ تنہا نہ تھے۔ بلکہ ہندوستان کے تمام قابلِ ذکر سیاسی رہنماؤں مثلاً قائداعظم محمد علی جناح، سر تیج بہادر سپرو، لالہ لاجپت رائے، سر عبدالرحیم، سر چمن لال سیتل واد، سر علی امام، سر سوامی آئر، ایچ پی موڈی، اور سر پرشوتم داس ٹھاکر وغیرہ نے بھی اس کمیشن کی پرزور مخالفت کی جس میں کسی ایک ہندوستانی کو بھی نمائندگی نہیں دی گئی تھی کمیشن کی آمد سے کئی ماہ قبل ہندوستانی لیڈروں کی کوشش سے جن میں قائداعظم محمد علی جناح کا نام سرفہرست ہے۔ اس کمیشن کے خلاف اہلِ ہند کی رائے عامہ بیدار ہو چکی تھی۔ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو قائداعظم نے کمیشن کے خلاف بمبئی میں ایک جلسۂ عام طلب کیا۔ اس جلسہ کی صدارت سر ڈنشا پٹیٹ نے کی۔ سائمن کمیشن کے خلاف یہ پہلا جلسۂ عام تھا قائداعظم نے اس جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ایک قرارداد پیش کی جو متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ "اہالیان بمبئی کا یہ عوامی جلسہ اس کمیشن کے خلاف پرزور احتجاج کرتا ہے جس کے تقرر کا حال ہی میں اعلان کیا گیا ہے۔ اس کمیشن کو اہلِ ہند ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ جس میں ملک کے متوقع آئین کی ترتیب و تشکیل میں ہندوستانی عوام کی شرکت مساویانہ

؎۱۔ رفیق افضل ص ۲۵۴-۶۶

نیابت کے حق کو پامال کر دیا گیا ۔ یہ عوامی جلسہ اس امر کا بھی اعلان کرتا ہے کہ ان حالات میں ہندوستان کے لوگ اس کمیشن کی سفارشات قبول کرنے کے پابند نہ ہوں گے ۔[1]

سر محمد شفیع تجاویز دہلی کو ٹھکرانے کے بعد لاہور میں صوبائی مسلم لیگ کو ایک علیحدہ مسلم لیگ کی شکل دینے میں مصروف تھے جبکہ سر فضل حسین در پردہ اُن کی اعانت کر رہے تھے یہی وہ موقع ہے جب ڈاکٹر سر محمد اقبال شاعر مشرق نے پہلی مرتبہ سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور لیگ کے سکریٹری کا عہدہ قبول کر لیا ۔ سر محمد شفیع نے تجاویز دہلی کو مسترد کرنے کے ساتھ سائمن کمیشن کی بھی حمایت شروع کر دی ۔ محمد علی جناح جو پہلے ہی برصغیر کی سیاست سے کسی حد تک دلبرداشتہ تھے اس صورت حال سے مزید پریشان ہو گئے دراصل وہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی متفقہ تنظیم کی حیثیت میں دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس تفریق نے اُن کے حوصلے پست کر دیئے ۔ دسمبر ۱۹۲۷ میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہونا تھا ۔ لیکن سر محمد شفیع نے اس اجلاس میں شرکت کے بجائے لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس طلب کر لیا ۔ اس اجلاس میں جن رہنماؤں نے شرکت کی اُن میں قابلِ ذکر رہنما علامہ اقبال نواب ذوالفقار علی خاں اور مولانا حسرت موہانی تھے ۔ اجلاس میں تجاویز دہلی کی مخالفت اور سائمن کمیشن کی حمایت میں تجاویز پاس کی گئیں ۔ اخبارات نے اس موقع پر مسلم لیگ کے ان دھڑوں کو شفیع لیگ اور جناح لیگ لکھنا شروع کر دیا ۔ چنانچہ جناح لیگ کا جلسہ سر محمد یعقوب کی صدارت میں کلکتہ میں منعقد ہوا اس اجلاس میں جن قابلِ ذکر رہنماؤں نے شرکت کی اُن میں مولانا محمد علی ، مولانا شوکت علی ، مولانا ظفر علی خاں ، ملک برکت علی ، ڈاکٹر سیف الدین کچلو ، ڈاکٹر محمد عالم ، مولانا ابوالکلام آزاد ، سر عبدالرحیم ، سر علی امام ، مہاراجہ محمود آباد ، مسٹر چھاگلا اور مولوی فضل الحق وغیرہ شامل تھے ۔

مسلم لیگ میں پیدا ہونے والے اختلافات کی روئیداد مولانا محمد علی جوہر نے بڑی تفصیل کے ساتھ ۱۵ر جنوری ۱۹۲۹ء کے "ہمدرد" میں رقم کی ہے ۔ یہاں پر ضروری معلوم

---

[1] پیام شاہجہاں پوری ۔ ص ۱۹۸

ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کی اس تنقیص کے کچھ اقتباسات درج کیے جائیں تاکہ معاملہ کی نوعیت کھل کر سامنے آسکے۔ مولانا جوہر نے لکھا ہے کہ:۔

"کلکتے" میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے پہلے اعضائے مسلم لیگ میں ایک سخت تنازعہ واقع ہوچکا تھا۔ اور آخر وقت تک یہ امر مشتبہ تھا کہ مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوگا بھی کہ نہیں۔ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے کہ کانگریس والے تو اس اصول کے قائل ہی نہ تھے کہ ہندوستان کا دستور اساسی سوائے ہندوستان والوں کے کوئی دوسرا بنائے۔ اس لیے وہ تو ایسے کمیشن کو بھی قبول نہیں کرسکتے تھے جس کے تمام اعضاء ہندوستانی نہ ہوں لیکن جب سائمن کمیشن کے سب کے سب اعضاء انگریز مقرر ہوئے تو لبرل فیڈریشن اور مسلم لیگ کے صدر نے بھی اس کے بائیکاٹ کی ٹھان لی مگر سر محمد شفیع اب بھی اس پر راضی نہ ہوئے۔ انہوں نے اور ان کے رفقاء نے لاہور میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کرانا چاہا۔ اور لطف یہ کہ ان کے رفقاء کار نے انہیں کو اس اجلاس کا صدر بنانا چاہا۔ حالانکہ دستور یہ ہے کہ جس صوبے میں مسلم لیگ کا یا کانگریس کا اجلاس ہوا کرتا ہے اس صوبے کے کسی عضو کو صدر نہیں بنایا جاتا۔ مسلم لیگ کے دیگر اعضاء نے سر آغا خان کو صدر بنانا چاہا اور گو مسٹر جناح نے پسند کیا کہ مسلم لیگ کا اجلاس مدراس میں منعقد ہو جہاں ہندو مسلم تنازعات کا فیصلہ باہمی مفاہمت سے ہوجاتا تاہم انہوں نے کلکتے کی دعوت کو قبول کرلیا۔ اور اس کا امکان ہوگیا کہ مدراس کے اجلاس کانگریس سے فارغ ہوتے ہی ہم کانگریس والے مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوجائیں اور اس کا اجلاس بھی بڑے دنوں کی تعطیل ہی میں منعقد ہوجائے۔ مقام اجلاس اور صدارت کے انتخاب کے بارے میں مسلم لیگ کی کونسل میں جو تنازعات واقع ہوئے اس کا دہرانا ضروری نہیں۔ صرف اس قدر عرض کردینا کافی ہوگا کہ سر محمد شفیع اور ان کے رفقاء کار نے کلکتہ کے اجلاس میں شرکت کو گوارا نہ کیا۔ اور خود لاہور میں ان کی صدارت میں مسلم لیگ کے اجلاس کے نام سے ایک جلسہ منعقد کیا۔ اس کے باعث مسٹر جناح سخت پریشان تھے کہ کلکتے

میں مسلم لیگ کا اجلاس ہو بھی سکیگا یا نہیں۔ اور ہم کانگریس والے مسلمانوں کی اعانت کے محتاج تھے۔ عین وقت پر سر عبدالرحیم کو بھی حکومت پرستوں نے توڑ لیا تھا۔ اور سخت اندیشہ تھا کہ مسلم لیگ کی کونسل کلکتے کے اجلاس کے خلاف فیصلہ نہ کر دے۔ اب اس اجلاس کی داستان بھی سن لیجئے اور سمجھ لیجئے کہ دقت کے ساتھ میں نے باوجود مسٹر جناح اور ان کے دست و بازو اور وطن پرست مسٹر چاگلا کے تذبذب بلکہ ایک حد تک مخالفت کے، مسلم لیگ کو مشروط مخلوط انتخاب پر راضی کیا تھا۔ مسٹر جناح سر محمد شفیع کی کارروائی سے سخت پریشان ہو رہے تھے۔ اور جب میں نے مشروط مخلوط انتخاب کی تجویز پیش کرنی چاہی تو انہوں نے مجھے روکنا چاہا اور کہا کہ مسلم لیگ میں یوں ہی تفریق ہو گئی ہے اور اس کا ٹکڑا لاہور میں اجلاس کر رہا ہے اگر ہم نے مخلوط انتخاب کا نام بھی لیا تو یہاں دوسرے ٹکڑے میں بھی سخت اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اور ہماری جماعت بھی منتشر ہو جائے گی۔ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ مخلوط انتخاب کا مسئلہ پیش نہ کیا جائے۔ صرف سائمن کمیشن کے مقاطعے کی تجویز ہی یہاں پیش کر دی جائے۔ میں نے کہا مسلمان اس وقت ہدایت کے محتاج ہیں آپ اگر ان کے ہادی ہیں تو ہدایت سے کنارہ کشی نہ کیجئے۔ وہ تمام دلائل و براہین جو گذشتہ مارچ میں سربرآوردہ مسلمانوں کے سامنے دہلی میں پیش کی گئی تھیں اور جنہوں نے سر محمد شفیع تک کو قائل کر دیا تھا آج اعضائے مسلم لیگ کے سامنے پیش کر دیں جائیں تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی دہلی کی تجاویز کو منظور کر لیں گے۔ اگرچہ مسٹر جناح بھی اس پر مذبذب رائے تھے۔ مگر میں نے وہ پوری تجویز سبجیکٹ کمیٹی کے سامنے پیش کر دی۔ جس کو مدراس کانگریس منظور کر چکی تھی۔ میں نے اس وقت اس پر تقریر نہ کی اور اپنے حق تقریر کو محفوظ رکھ کر سر علی امام سے اس کی تائید کرائی جناب موصوف نے اس کی تائید میں کوئی پرزور تقریر نہیں فرمائی۔ تاہم یہ تجویز باضابطہ طور پر پیش ہو گئی۔ پنجاب کے ملک برکت علی صاحب سر محمد شفیع کی جماعت سے کسی باعث علیحدہ ہو چکے تھے۔ مگر اس وقت تک وہ اہل پنجاب کی طرح مخلوط انتخاب کے

نام سے بھی لرزتے تھے انہوں نے اس تجویز کی مخالفت کی ایک نہایت زوردار تقریر کی چونکہ رات زیادہ گزر چکی تھی میری تقریر دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔[1]

اس اجلاس میں تجاویز دہلی کی حمایت میں ملک برکت علی نے اور سائمن کمیشن کی مخالفت میں مسٹر محمد علی کریم چھاگلہ نے قرارداد پیش کی۔ تجاویز دہلی کی حمایت میں جب قرارداد پیش ہوئی تو تائید کرنے والوں میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں، اور محمد علی جناح شامل تھے۔ محمد علی جناح نے اس قرارداد کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "یہ تجاویز بہت سے دماغوں کے مجموعی غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ آپ یہ توقع نہ رکھیے کہ ہر شخص کو اس طویل قرارداد کے ایک ایک لفظ یا ایک ایک جملہ سے اتفاق ہوگا۔ لیکن جہاں تک اُس روح کا تعلق ہے جو اس قرارداد میں جاری و ساری ہے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ تجویز ہندوستان کی دونوں قوموں کے لئے جائز، معقول اور منصفانہ ہے اس ایوان کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم ملک کی اکثریت کو بھی اپنے ساتھ شامل کر سکیں گے۔ اگر قوم کی اکثریت بھی ہماری ہم نوا بن جائے تو مجھ سے بڑھ کر اور کسی کو مسرت نہ ہوگی بہرحال یہ امر بھی تصفیہ طلب ہے اور آئندہ ہمارا فرض ہوگا کہ ہم عوام کو اُس کی صداقت کا یقین دلا کر اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کریں۔ جہاں تک غرض و غایت اور مفاد کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کے لئے اس قرارداد سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی۔"[2]

چودھری خلیق الزماں نے اپنی سرگزشت "شاہراہ پاکستان" میں معلوم کن مصلحتوں کی بناء پر حقائق پر پردہ ڈالنے کی شعوری کوشش کی ہے چنانچہ انہوں نے مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کی تفصیلات درج کرتے ہوئے اس اجلاس سے محمد علی جناح کو غیر حاضر بتایا ہے جبکہ مولانا محمد علی جوہر کی درج کردہ تفصیل اور ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے حوالے سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ محمد علی جناح نہ صرف اس اجلاس میں موجود

---

[1] - پروفیسر محمد سرور ص ۱۲-۲۰۹
[2] - ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی ص ۲۱۳

تھے۔ بلکہ انہوں نے تقاریر بھی کیں۔ ایک اور محقق رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب خطباتِ قائدِ اعظم میں ۱۹۲۷ء کی تفصیلات درج کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ :۔

مسلم لیگ کی روئیداد سے پتہ چلتا ہے کہ اس اجلاس میں پنڈت مدن موہن مالویہ نے بھی تقریر کی اور کہا کہ ہم لوگ اگر آج سے اپنے کو پہلے ہندوستانی اس کے بعد ہندو سمجھیں تو چٹکی کے اشارے پر سوراج حاصل کر لیں گے۔ جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے فرمایا کہ پنڈت جی نے جو آج دعوت دی ہے اُس سے میری خوشی کی حد نہیں رہی۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہندو مسلم اپنے اپنے اختلافات کو فراموش کر کے آپس میں مل جائیں۔[1]

جب کلکتہ اور لاہور میں مسلم لیگ کی دو شاخیں علیحدہ علیحدہ آوازیں بلند کر رہی تھی انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں مدراس میں منعقد ہوا۔ اور وہاں بھی تجاویز دہلی کی حمایت میں ایک زبردست قرارداد منظور کی گئی۔

---

[1] رئیس احمد جعفری۔ ص۳۰۲

سنہ ۱۹۲۸ء

سائمن کمیشن کے مقاطعہ کی تحریک پشاور سے لیکر راس کماری تک بڑی سرعت کے ساتھ عام ہو گئی۔ اصولی طور پر مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد یہ پہلی سیاسی تحریک تھی جس کو نہایت مختصر سی مدت میں جلد مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہر چند سر محمد شفیع کی قیادت میں پنجاب لیگ سائمن کمیشن کی حمایت کر رہی تھی لیکن محمد علی جناح کی قیادت میں لیگ کا جو عنصر کام کر رہا تھا وہ پوری سیاست پر غالب آگیا تھا۔ کانگریس کے سالانہ اجلاس مدراس میں کمیشن کے مقاطعہ کی قرارداد منظور ہو جانے کے بعد اس تحریک کی ہمہ گیری میں مزید اضافہ ہو گیا یوں بھی مسلم لیگ اور محمد علی جناح ایک عرصے سے اس طرح ملزوم و پیوست ہو گئے تھے کہ ان کو علیحدہ کرکے دیکھنا اور ان کو دو عناصر تصور کرنا دشوار تھا اس لئے سر محمد شفیع کی قیادت میں پنجاب مسلم لیگ برصغیر کی سیاست میں عضو معطل ہو کر رہ گئی سر محمد شفیع بھی اس حقیقت سے پوری طرح آشنا تھے لیکن پنجاب کے بااثر رہنما میاں فضل حسین کے آگے وہ بھی مجبور تھے۔ اس لئے اس علیحدگی پر قائم رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۲۸ء کے شروع میں جب مولانا محمد علی لاہور گئے تو آپ نے لاہور کے ایک جلسہ عام میں سر محمد شفیع کو چیلنج دیا کہ وہ اگر سائمن کمیشن کی حمایت کرنا چاہتے ہیں تو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال سے باہر نکل کر آئیں تاکہ بر سر عام عوام اُن کے دلائل سن سکیں مگر سر محمد شفیع خاموش رہے جبکہ جناح لیگ روز بروز اپنے لائحہ عمل کو آگے بڑھانے میں مصروف تھی۔

۱۹۲۸ء کے شروع ہی سے واقعات لحظہ بہ لحظہ تیزی کے ساتھ متغیر ہو رہے تھے۔ برطانوی حکومت کو ہندوستان میں ایسے افراد کی تلاش تھی۔ جو سائمن کمیشن کے خلاف سیاسی مزاحمت

کو ختم کرا سکیں۔ اور حکومت کمیشن کے سلسلہ میں عوام کی حمایت حاصل کر سکے۔ مسلمانوں میں محمد علی جناح کا جو اثر و رسوخ تھا، اُسے نقصان پہنچانے کے لئے پنجاب اور بنگال میں حکومت کو کچھ حمایتیں مل گئے تھے۔ اور ان لوگوں نے محمد علی جناح کیجانب سے سائمن کمیشن کے خلاف دیتے جانے والے بیانات کی مخالفت میں آواز بلند کرنا شروع کر دی تھی۔ ان افراد کے پروپیگنڈہ کا زور توڑنے کے لئے محمد علی جناح نے ۱۱ دسمبر ۱۹۲۷ء کو اخبارات کے نام ایک منشور بھی جاری کیا تھا۔ جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مجھے یقین ہے کہ مسلمان ایسی کوئی راہ اختیار نہیں کریں گے۔ جو قومی مفاد اور مادرِ وطن سے غداری کے مترادف ہو۔

محمد علی جناح کے موقف کو ہر خاص و عام بڑی اہمیت دے رہا تھا چنانچہ حکومت کی جانب سے پھوٹ ڈالوانے کی بھی شعوری کوششیں کی گئیں۔ فروری میں لارڈ برکن ہیڈ نے وائسرائے کے نام ایک مکتوب میں اس پالیسی کا تذکرہ کیا کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے کے لئے ضروری ہے کہ کمیشن کے سلسلہ میں یہ پروپگنڈہ کیا جائے کہ اگر ہندو مقاطعہ کی تحریک پر قائم رہے تو کمیشن پر مسلمان غالب آجائیں گے اور ہو سکتا ہے یہ کمیشن جو رپورٹ پیش کرے اُس سے ہندوؤں کی حیثیت متاثر ہو۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو گی اور محمد علی جناح بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

۲ر فروری کو وائسرائے ہند لارڈ اردن نے لیجسلیٹو اسمبلی کے دہلی سیشن کا افتتاح کرتے ہوئے ایوان سے سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کی اپیل کی۔ اس اجلاس میں ہندوستان کے دیگر منتخب ارکان کے علاوہ محمد علی جناح بھی شریک تھے۔

۳ر فروری کو سائمن کمیشن کے ارکان بذریعہ جہاز بمبئی پہنچے تو ساحل سمندر سے اُن کی قیام گاہ تک کھڑے ہوتے ہزاروں افراد نے سیاہ جھنڈیوں سے اُن کا استقبال کیا شہر میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ اور سائمن واپس جاؤ کے نعرے لگائے گئے۔ بعض مقامات پر پولیس اور مظاہرین کے درمیان جھڑپیں بھی ہوئیں۔ جس میں پولیس نے گولی چلائی کئی افراد ہلاک

اور زخمی ہوگئے۔ ہندوستان آمد کے بعد یہ وفد مدراس، دہلی، لاہور، لکھنؤ، پٹنہ، کلکتہ اور کئی شہروں میں شہادتیں حاصل کرنے گیا لیکن ہر جگہ عوام نے کمیشن کے خلاف اپنی نفرت کا بھرپور اظہار کیا۔ دہلی میں چونکہ اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا اس لئے کمیشن بمبئی سے روانہ ہو کر سیدھا دہلی پہنچا مگر اس کو وہاں بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۶ر فروری کو سرجان سائمن نے ایک تجویز اخبارات میں شائع کرائی جس میں کہا گیا تھا کہ اُن کی صدارت میں ایک مشترکہ آزاد کانفرنس ہو جس میں کمیشن کے سات برطانوی اراکین اور ہندوستان کی مجالس قانون ساز کے منتخب کئے ہوئے سات ارکان شامل ہوں چنانچہ ہندوستان کے رہنماؤں نے اس تجویز کی اشاعت کے بعد اس خدشہ کے پیش نظر کہیں ہندوستان کے سادہ لوح عوام اس نظر فریب استدلال کا شکار نہ ہوجائیں۔ فوراً ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ سرجان سائمن نے آج کے بیان میں جس طریق کار کی تجویز پیش کی ہے اس پر ہم لوگوں نے کافی غور و فکر کیا ہے لیکن جن اصولوں کی بناء پر ہم نے کمیشن کی ہیئت ترکیبی اور اس کی پالیسی پر اعتراضات کئے ہیں وہ اپنی جگہ پر بدستور باقی رہتے ہیں۔ ان حالات میں ہم کو اپنے فیصلہ پر قائم رہنا چاہیئے اور کسی حیثیت سے اور کسی منزل پر کمیشن سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہیئے۔[۱]

۱۶ر فروری ۱۹۲۸ء کو لالہ لاجپت رائے نے لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک قرارداد کے ذریعہ اعلان کیا کہ چونکہ اس ایوان کے نزدیک سائمن کمیشن کی ہیئت ترکیبی اور اسکیم قطعی ناقابل قبول ہیں۔ لہٰذا اسمبلی کو اس کمیشن سے کسی حیثیت سے اور کسی منزل پر کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوگا۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ اسمبلی کے گورنر جنرل اپنی حکومت کو اس بات سے بھی آگاہ کردیں کہ اسمبلی کو اس کمیشن پر اعتماد نہیں ہے جو انہوں نے ہندوستان کے آئین کے سلسلہ میں مقرر کیا ہے۔ محمد علی جناح نے اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے واضح طور پر اعلان کیا کہ اگر حکومت ہمارے موقف کو سمجھنے پر تیار نہیں ہے۔ تو ہم کو بھی اس بات کا اختیار حاصل ہے۔

---

[۱] اندولال یاجنک صـ ۲۶۵

کہ ہم اُس سے تعاون کریں یا نہ کریں۔ محمد علی جناح نے ہندوستان میں آئینی جدوجہد پر تفصیل روشنی ڈالتے ہوئے اپنی تقریر کے آخر میں حکومت سے کہا کہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہم کو گمراہ نہ کریں۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ اس کے ساتھ شائستہ اور حقیقی انداز آئینی مسائل میں تعاون کریں تو وہ اپنا رویہ تبدیل کرے اور اگر وہ موقع پرستوں کے سہارے حکومت کرنا چاہتی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ واضح طور پر اس امر کا اعلان کرے اور ہم سے کہہ دے کہ وہ ہم کو کسی قسم کی نمائندگی اور مساویانہ مراعات نہیں دے سکتی مگر وہ منافقت سے کام نہ لے اور غیر آئینی طریقے اختیار کر کے عوام کے غیر حقیقی نمائندوں کو چور دروازوں سے کمیشن میں نمائندگی نہ دے۔

۱۰ رمارچ ۱۹۲۸ء کو محمد علی جناح نے ایوان میں ایک تحریک التوا پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ایوان کو اسکن کمیٹی کی سفارشات پر بحث کی اجازت دی جائے۔ جن کو حکومت نے بلا غور وخوض کے مسترد کر دیا ہے۔ محمد علی جناح نے اس ضمن میں ایک طویل ترین تقریر کرتے ہوئے فوج میں ہندوستانی افسروں کی بھرتی اور اعلیٰ تربیت کے فوائد کا تذکرہ کیا۔ ۱۳ رمارچ ۱۹۲۸ء کو محمد علی جناح نے پنڈت موتی لال نہرو کی ایک قرارداد پر تقریر کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ سائمن کمیشن کے اخراجات کے لئے منظور کی جانے والی ۳ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ کی رقم میں کمی کی جائے۔ محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں کہا کہ حکومت نے یہ کمیشن ہندوستان کے عوام کے منتخب نمائندوں کے مشورہ کے بغیر مقرر کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ کمیشن کے اخراجات کے لئے منظور کی جانے والی رقم کے خلاف رائے دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے مفاد میں کمیشن نہیں ہے کیونکہ اس کمیشن کے تقرر کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ہندوستان آئینی ترقی کے قابل نہیں ہے۔ اس دن محمد علی جناح نے صوبہ سرحد کے انتظامی اخراجات کے لئے منظور کی جانے والی امداد پر بھی تقریر کی۔ اور زور دیا کہ حکومت آپس میں تفرقہ ڈلوانے والی پالیسی کو ترک کردے[۵]

۵۔ رفیق افضل ص ۲۶۷ تا ۲۸۸

ادھر سائمن کمیشن مسلسل اس امر کی کوشش کرتا رہا کہ کسی صورت اُسے ہندوستان کے چند افراد کا تعاون حاصل ہو جائے۔ مگر اُسے اپنی اس جدوجہد میں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء کو ناکام و نامراد وطن واپس لوٹ گیا۔ ہر چند ہندوستان سے روانگی سے قبل سر جان سائمن نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تمام فرقوں اور طبقوں کی آراء معلوم کی ہیں لیکن اُن کے اس دعویٰ کی تردید بعد میں کمیشن کی سرکاری رپورٹ سے ہو گئی جس میں کہا گیا تھا کہ سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں نے نہ صرف باضابطہ طور پر کمیشن کا بائیکاٹ کیا بلکہ انہوں نے سماجی اعتبار سے بھی کمیشن سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔

محمد علی جناح نے کمیشن کے ہندوستان میں قیام کے دوران اور اُس کی آمد سے قبل اپنی تمام تر توانائیاں کمیشن کی مخالفت میں صرف کر دی تھیں اور اب وہ کسی حد تک تھک گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آرام کی غرض سے لندن جانے کا پروگرام بنایا۔ ۵ مئی ۱۹۲۸ء کو محمد علی جناح پی اینڈ او کمپنی کے جہاز ایس ایس راجپوتانہ سے لندن روانہ ہوئے۔ اسی جہاز سے محمد علی جناح کے دو قریبی دوست اور سیاسی رہنما سری نواس آئنگر اور دیوان چمن لال بھی سفر کر رہے تھے۔

محمد علی جناح کی ازدواجی زندگی کشیدگی کا شکار ہو چکی تھی۔ اور اُن کی اہلیہ رتن بائی سال کے آغاز میں ہی ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ کی کوٹھی سے تاج محل ہوٹل منتقل ہو گئی تھیں۔ ہیکٹر بولائتھو نے لکھا ہے کہ میاں بیوی کی عمروں کا تفاوت اور اُن کے مزاجوں کا اختلاف رنگ لایا۔ اُن کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اور بالآخر باہمی اتفاق بالکل ختم ہو گیا۔ دونوں کی علیحدگی کے بعد ایک پارسی دوست نے دونوں میں ملاپ کرانا چاہا تو اُس پر جناح نے کہا کہ غلطی میری ہے ہمیں آپس میں جس جذباتی ہم آہنگی کی ضرورت ہے اُسے پیدا کرنے کا ہم دونوں میں سے کوئی اہل نہیں۔[۱]

---

[۱] ہیکٹر بولائتھو صفحہ ۱۱۳

محمد علی جناح کی لندن روانگی سے کچھ عرصہ قبل رتن بائی جو بیمار رہنے لگی تھیں اپنے والدین کے ہمراہ انگلستان جا چکی تھیں تاکہ مناسب طور پر اپنا علاج کرا سکیں۔

دیوان چمن لال نے جو محمد علی جناح کے رفیق سفر تھے اس سفر کی روئیداد تحریر کی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ: - یہ دن بڑی راحت اور اطمینان کے تھے: ہمارے سیاستدانوں کو شاذونادر ہی یہ نعمت نصیب ہوتی ہے لوگوں کو کھیلتے کودتے اور کھاتے پیتے دیکھنے کے لئے ہمیں فرصت ہی فرصت تھی۔ بالخصوص ہمیں اتنا وقت مل گیا تھا کہ مل بیٹھ کر تھوڑی دیر اطمینان سے گفتگو کرسکیں۔ جہاز پر ہندوستان کے دو بہترین مقرروں محمد علی جناح اور سری نواس آئنگر کی موجودگی نعمت سے کم نہ تھی۔ اگرچہ ان کا بولنا ہی پیشہ تھا مگر اس سفر میں وکالت یا سیاست سے ہٹ کر یہ لوگ بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ دیگر امور پر گفتگو کر سکتے تھے۔ اور محمد علی جناح اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ سری نواس آئنگر درجہ حرارت گر جانے اور شدید سردی کی بنا پر کچھ پریشان نظر آتے تھے۔ محمد علی جناح کی طبیعت بحال تھی۔ اور وہ برابر سری نواس آئنگر سے مذاق کر کے قہقہے بلند کرتے۔

دیوان چمن لال نے لکھا کہ " میں اس مضمون کے آغاز پر ہی یہ کہہ چکا ہوں کہ ہمیں جہاز پر بات چیت کے بے انتہا مواقع ملے۔ اس بات چیت کی نوعیت بڑی حد تک سیاسی تھی۔ یہاں مجھے اعتراف کرلینا چاہئے کہ قانون ساز اسمبلی میں سائمن کمیشن کے معاملے پر محمد علی جناح نے صورتحال کو سنبھال لیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اسمبلی میں دوستانہ انداز فکر پیدا ہو جائے تو اس سے حقیقی اتحاد پیدا ہو سکے گا۔ بدقسمتی سے وہ آج بہت مایوس اور دلبرداشتہ ہیں کیونکہ اُن کی سعی و کاوش کے ٹھوس نتیجے برآمد نہیں ہو پائے۔ سندھ کے تئیں نیز شمال مغربی سرحدی صوبہ کے لئے اکثریت کی نمائندگی اور نشستوں کی تخصیص کے معمولی مسئلوں پر وقتی طور پر ہندو

مسلم اتحاد کے تمام امکانات ختم ہو گئے تھے۔ محمد علی جناح کا اصرار ہے کہ پنڈت موتی لال نہرو۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور لالہ لاجپت رائے اگر مجھ سے ایک متحدہ پروگرام پر اتفاق کرلیں تو سوراج جیسا مجرّد تصوّر حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے۔ محمد علی جناح نے گاندھی جی کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گاندھی جی سیاست داں نہیں۔ کاش وہ ایک سیاست داں ہوتے۔[1]

ایس ایس راجپوتانہ نامی جہاز جس پر یہ تینوں سیاست داں سفر کر رہے تھے۔ جب سوئز پہنچا تو چمن لال کے اصرار پر محمد علی جناح کچھ دیر کے لئے ساحل پر اتر گئے۔ جہاز آہستہ آہستہ نہر سوئز کو پار کرنے لگا جناح اور چمن لال اس دوران ابوالہول دیکھنے چلے گئے۔ محمد علی جناح اونٹ پر سوار ہوئے اور چمن لال نے گدھے پر سواری کی۔ ابوالہول کے سامنے دونوں رہنماؤں نے تصاویر اتروائیں دیوان چمن لال لکھتے ہیں کہ ان دنوں مجھے جناح کی سیاسی الجھنوں کو بڑے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

جب جہاز ساؤتھمپٹن کی بندرگاہ پر پہنچا تو جناح آئرلینڈ چلے گئے۔ اور چمن لال پیرس روانہ ہو گئے۔ جہاں محمد علی جناح کی اہلیہ رتن بائی ایک اسپتال میں زیر علاج تھیں۔ دیوان چمن لال کو رتن بائی کی علالت کی اطلاع پیرس پہنچنے پر ملی۔ چنانچہ وہ فوری طور پر مسز جناح کو دیکھنے کے لئے اسپتال پہنچے۔ ہیکٹر بولائتھو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ دیوان چمن لال نے ایک ملاقات کے دوران اُن کو بتایا کہ "اس اطلاع کے ملتے ہی میں فوراً بھاگا ہوا اسپتال پہنچا۔ میں ہمیشہ سے رتن بائی کا بڑا مداح تھا۔ آج دنیا میں کوئی عورت حُسن اور دلکشی میں اُن کی گرد کو نہیں پہنچ سکتی۔ وہ لاڈ و پیار میں بگڑی ہوئی تھیں اور محمد علی جناح فطرتاً اُن کو نہ سمجھنے پر مجبور تھے۔ میں جب اسپتال پہنچا تو رتن بائی اس وقت بخار میں بھن رہی تھیں۔ وہ بمشکل حرکت کر سکتی تھیں لیکن اُن کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جو انہوں نے مجھے دیدی، یہ کتاب آسکر وائلڈ کی نظموں کا مجموعہ تھی، انہوں

[1] مطلوب الحسن سید ص ۱۲۶

نے ایک نظم سنانے کو کہا اور جب میں نظم سنا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ رتن بائی پر غشی طاری ہو گئی میں دوڑ کر ڈاکٹر کو بلا لایا۔ پھر میں نے محمد علی جناح کو آئرلینڈ ایک ٹیلیگرام روانہ کیا چند دن بعد جناح آئرلینڈ سے آ گئے وہ اسپتال میں رتن بائی سے ملنے گئے اور ڈھائی گھنٹے ان کے پاس رہے۔ میں باہر انتظار کرتا رہا باہر آ کر محمد علی جناح نے کہا کہ ہم ابھی اُسے موت کے منہ سے نکال سکتے ہیں۔ ہم اس کا معالج بدل دیں اور اسے کسی اور ہسپتال میں داخل کر دیں مجھے یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔

بالآخر رتن بائی صحت یاب ہو گئیں۔ اور اس کے بعد میں پیرس سے کینیڈا چلا گیا میرا خیال تھا کہ میاں بیوی میں ملاپ ہو گیا ہے۔ چند ہفتے بعد میں پھر پیرس آیا اور وہاں ایک دن مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہ تنہا ہیں۔ شام کو میں نے پوچھا رتی کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہماری لڑائی ہو گئی۔ اور وہ بمبئی لوٹ گئی۔ یہ بات انہوں نے اس قطعیت سے کہی کہ مجھے کچھ اور پوچھنے کا یارا نہ رہا۔ [1]

جی الانہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بمبئی واپس آنے کے بعد مسز جناح اپنے شوہر کے ہاں جانے کے بجائے اپنے بھائی کے ساتھ رہنے لگیں۔ شاید جذباتی اعتبار سے وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنا اختلاف رکھتے تھے کہ اُن کے لئے مل جل کر رہنا ممکن نہ تھا۔ [2]

ادھر ہندوستان میں مختلف سیاسی رہنما ایک دستورِ اساسی ترتیب دینے کے سلسلے میں برابر کوششیں کر رہے تھے۔ ان کوششوں کے لئے وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ کے اس بیان نے مہمیز کا کام کیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان متفق ہو کر اپنے ملک کا دستور وضع کرنے سے معذور ہیں۔ آخر ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء کو کانگریس کی کوششوں سے بمبئی میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کانفرنس نے دستور وضع کرنے کا کام ایک سب کمیٹی کے حوالے کر دیا۔ اس کمیٹی میں سر علی امام، شعیب قریشی،

[1] ہیکٹر بولیتھو۔ صفحہ ۱۴۵ [2] جی الانہ صفحہ ۲۲۰

پنڈت موتی لال نہرو، ایم ایس اینے، ایم آر جیکار، جی آر پردھان، سردار منگل سنگھ، سر تیج بہادر سپرو، ایم این جوشی، اور سبھاش چندر بوس شامل تھے۔ پنڈت موتی لال اس کمیٹی کے صدر تھے۔

۲۸ اگست ۱۹۲۸ء کو ڈاکٹر انصاری کی صدارت میں آل پارٹیز کانفرنس کا دوسرا اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ جہاں سب کمیٹی نے اپنے وضع کئے ہوئے دستور اساسی کی رپورٹ جسے آئندہ نہرو رپورٹ کا نام دیا جانے والا تھا، پیش کی۔ اس رپورٹ میں تجاویز دہلی سے صریحاً انحراف کیا گیا تھا بشلاً پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نشستیں آبادی کے تناسب سے مخصوص کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اس کے بجائے بالغوں کو حق رائے دہندگی عطا کر کے بالتخصیص، مخلوط انتخاب رائج کر دینے کی سفارش کی گئی تھی اس کے علاوہ مرکز میں بھی مسلمانوں کو ایک تہائی نشستیں دینے سے انکار کر کے مخلوط انتخاب کی سفارش کر دی گئی تھی۔ مولانا محمد علی اس وقت بغرض علاج یورپ گئے ہوئے تھے۔ مسٹر جناح بھی انگلستان میں تھے۔ البتہ مولانا شوکت علی اجلاس میں موجود تھے۔ انہوں نے ان تجویزوں کی مخالفت کی۔ لیکن کانفرنس نے اس شرط کے ساتھ منظوری عطا کر دی کہ دسمبر میں کانگریس کا اجلاس جب کلکتہ میں ہوگا تو ایک کنونشن منعقد کر کے نہرو رپورٹ پر آخری مہر تصدیق ثبت کی جائے گی۔ [1]

۲۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو محمد علی جناح انگلستان میں تعطیلات گذار کر رزمک نامی جہاز سے بمبئی پہنچے تو نہرو رپورٹ پورے ہندوستان میں زیر بحث تھی۔ محمد علی جناح کو بھی اخبار نویسوں نے اس سلسلہ میں اظہار خیال کی دعوت کی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر نہرو رپورٹ پر تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا کہ ابھی انکو رپورٹ کے تفصیلی مطالعہ کا موقعہ نہیں ملا ہے لیکن انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ پریشان نہ ہوں اور متحد رہیں کیونکہ مسائل حل ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

---

[1] عاشق حسین بٹالوی صہ ۲۱۸

دسمبر ۱۹۲۸ء کا آخری عشرہ اپنے نتائج کے اعتبار سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مسلم لیگ: آل انڈیا نیشنل کانگریس اور کل جماعتی کنونشن کے اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ نہرو رپورٹ پر غور وخوض کرنا تھا۔ محمد علی جناح ابتدا ہی میں یہ بات صراحت کے ساتھ کہہ چکے تھے کہ جب تک مسلم لیگ کونسل اُن کو کل جماعتی کنونشن میں شرکت کی اجازت نہیں دے گی۔ وہ اس میں شریک نہیں ہوں گے۔ چنانچہ مسلم لیگ نے اپنے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے کل جماعتی کنونشن میں جہاں نہرو رپورٹ زیر بحث آنے والی تھی محمد علی جناح کی قیادت میں ایک تیس رکنی وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

ان ہی دنوں سر محمد شفیع نے آغا خاں کی صدارت میں کل جماعتی مسلم کانفرنس کے دہلی میں انعقاد کا فیصلہ کیا۔ محمد علی جناح اس کانفرنس کے انعقاد کی سخت مخالفت کی۔ اور کہا کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقصد مسلم لیگ کی جدوجہد کو پس پشت ڈالنا ہے چنانچہ اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول کرنا ہماری غیرت۔ ہمارے وقار، اور ہمارے بنیادی اصولوں کے منافی ہے۔ محمد علی جناح نے خبردار کیا کہ اگر کانفرنس نے کوئی ایسا فیصلہ کیا جس کی زد مسلم لیگ یا لیگ کے اصولوں پر پڑی تو آل انڈیا مسلم لیگ جو مسلمانوں کی تنہا نمائندہ جماعت ہے اُس کا مقابلہ کرے گی۔

۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو بمقام کلکتہ کل جماعتی کنونشن منعقد ہوا۔ کنونشن کی فضا کافی مکدّر تھی۔ کیونکہ نہرو رپورٹ پر کانگریس کے رہنماؤں کے درمیان بھی اختلاف رائے موجود تھا۔ محمد علی جناح نے کنونشن میں نہرو رپورٹ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے تین ترامیم پیش کیں۔ پہلی ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ مرکزی اسمبلی کے منتخب شدہ ارکان میں سے ایک تہائی مسلمان ہوں۔ ۲۔ اگر پنجاب اور بنگال میں بالغ حق رائے دہندگی نہ مل سکا تو وہاں مخلوط انتخاب رائج کر کے کم از کم دس سال کے لئے

مسلمانوں کی نشستیں اُن کی آبادی کے تناسب سے مخصوص کی جائیں۔ تیسری ترمیم یہ تھی کہ اختیارات مرکزی حکومت کے بجائے صوبوں کو تفویض کئے جائیں یہ ترامیم پیش کرتے وقت محمد علی جناح نے ایک مختصر تقریر کی جو دردمندی، مصالحت آمیزی اور حب الوطنی کے جذبات سے بھرپور تھی۔ محمد علی جناح نے کہا کہ "جب ایک قوم آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہو اور فرزندانِ وطن حصولِ آزادی کے لئے بدیسی حکومت کے خلاف مصروفِ پیکار ہوں تو اس وقت آپ کو لامحالہ اقلیتوں کا مسئلہ طے کرنا پڑے گا۔ آپ جس نوع کا دستورِ اساسی چاہیں وضع کرلیں۔ جب تک اقلیتیں یہ محسوس نہیں کریں گی کہ اُن کے حقوق محفوظ نہیں اُس وقت تک وہ اُس دستور کی حمایت میں ہمیشہ تامل سے کام لیں گی۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس ضمن میں اقلیتوں کی حفاظت ہی قوم پرستی کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ میں اس وقت ایک مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے تقریر کررہا ہوں اور میری آرزو ہے کہ میں آزادی کی جدوجہد میں لوکروڑ مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھوں کیا آپ محض اس خیال سے مطمئن ہوجائیں گے کہ چند مسلمان آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں؟ کیا آپ صرف اس بات سے مطمئن ہوجائیں گے کہ جناح یہ کہتا ہے کہ "میں آپ کے ساتھ ہوں"؟ کیا آپ جناح کی شرکت کے متمنی ہیں۔ یا پوری مسلمان قوم کے اشتراک کے خواہاں ہیں؟ .... خدارا آپ یہ نہ سمجھ لیجئے کہ میں آپ کو دھمکیاں دے رہا ہوں۔ مجھے یہی اندیشہ ہے کہ میری باتوں کو غلط معنیٰ نہ پہنائے جائیں۔ اگر اقلیتوں کا یہ مسئلہ آپ نے آج حل نہ کیا تو لازماً کل کو حل کرنا پڑے گا۔ ہم ایک مادرِ وطن کے فرزند ہیں۔ ہمیں مل جل کر اسی ملک میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اور یہیں روزمرہ کا کام کاج کرنا ہے اس لئے اگر ہمارے درمیان باہمی اختلافات ہیں بھی تو ان اختلافات کی وجہ سے دشمنی اور عداوت تو مول نہ لے لیجئے۔ اگر ہم اتفاق اور یگانگت پیدا کرنے سے معذور ہیں تو کم از کم اتنا تو

کریں کہ دشمنوں کی مانند ایک دوسرے کا سر پھوڑ کر نہیں بلکہ دوستوں کی طرح آپس میں مصافحہ کر کے جدا ہوں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد اور متفق دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ اور میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ہندوستان کی ترقی ناممکن ہے اس لئے ہندو مسلم اتحاد کی تعمیر کے راستے میں کسی خیال، منطق، کسی فلسفے اور کسی کشمکش کو حائل نہ ہونے دیجئے۔ [1]

محمد علی جناح کی اس مدلل تقریر کے باوجود کنونشن نے تینوں ترمیمیں منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ مولانا محمد علی جوہر بھی کنونشن میں موجود تھے۔ لیکن کنونشن نے نہرو رپورٹ کی منظوری دیدی۔

اس سال ۷ رمارچ کو کانگریسی رہنما لارڈ سنہا اور ۲۸ ردسمبر کو ہندوستان کے عظیم سپوت اور قومی رہنما حکیم اجمل خان انتقال کر گئے۔

---

[1] عاشق حسین بٹالوی ص ۱۲۵

۱۹۲۹ء

محمد علی جناح کو ۱۹۲۹ء میں ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ہوا یوں کہ کلکتہ میں کل جماعتی کنونشن اور مسلم لیگ کے اجلاس کے افتتاح کے بعد وہ دہلی پہنچے جہاں اُن کو اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنا تھی جو ۲۸ جنوری سے شروع ہونے والا تھا۔ دہلی کی سیاسی فضا بڑی حد تک مکدر تھی۔ کیونکہ یکم جنوری کو سر محمد شفیع کی جانب سے بلائی جانے والی کل جماعتی مسلم کانفرنس کے اثرات ابھی باقی تھے۔ اس کانفرنس میں سر آغا خان کے علاوہ علامہ اقبال نے بھی شرکت کی تھی۔ اور اس بات کی مذمت کی گئی تھی کہ محمد علی جناح نے کلکتہ کے کل جماعتی کنونشن میں شرکت کرکے اور کل جماعتی مسلم کانفرنس کا بائیکاٹ کرکے نہ صرف مسلم لیگ اور بلکہ مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ نواب یامین خاں نے اپنی سرگزشت نامۂ اعمال میں اس کانفرنس کی تفصیلات درج کرتے ہوئے وہ تمام باتیں درج کردی ہیں جو اس کانفرنس میں محمد علی جناح کے بارے میں مختلف رہنماؤں نے اپنی تقاریر یا نجی مجالس میں کہی تھی چنانچہ دہلی میں محمد علی جناح بڑے دلبرداشتہ داخل ہوئے۔ فوری طور پر انہوں نے کسی قسم کے اختلافات کا کوئی تذکرہ نہ کیا اور اسمبلی کی کارروائی میں مصروف ہوگئے۔

اسی دوران محمد علی جناح کو بمبئی سے ایک ٹیلیگرام موصول ہوا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ اُن کی اہلیہ رتن بائی کی حالت خراب ہے۔ چنانچہ محمد علی جناح فوری طور پر بمبئی روانہ ہوگئے۔ بمبئی پہنچنے پر پتہ چلا کہ رتن بائی اس دارِفانی سے سفرِ آخرت اختیار

کر چکی ہیں۔ محمد علی جناح کے لیے یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ ہزاروں تکرار رنجشوں کے باوجود اُن کو رتن بائی سے بڑی محبت تھی۔ اور وہ اس محبت اور تعلق کو ہر حال میں نبھانا چاہتے تھے۔ ہیکٹر بولائیتھو نے لکھا ہے کہ جب رتن بائی کی میت قبر میں اتاری جا رہی تھی اس وقت محمد علی جناح کا صبر و تحمل قائم نہیں رہ سکا اور اپنے جذبات کو چھپانے کی جو کوشش وہ کر رہے تھے ختم ہو گئی۔ انہوں نے سر جھکا لیا اور سسک سسک کر رونے لگے [1]

رتن بائی کی تدفین میں شرکت کے بعد بمبئی محمد علی جناح کے لئے اجڑے دیار کی مانند تھا۔ چنانچہ وہ چند روز بعد پھر دلی آ گئے۔ جہاں اسمبلی کا اجلاس جاری تھا۔ اور مسلم لیگ کے ملتوی شدہ اجلاس کے انعقاد کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ اندرونی اختلافات کے سبب مسلم لیگ کا شیرازہ بری طرح بکھر چکا تھا۔ سر محمد شفیع جنہیں سائمن کمیشن کے مقاطعہ کے سوال پر لیگ کے موقف سے اختلاف تھا مخالف گروہ کے سربراہ تھے۔ ان کے علاوہ لیگ سے ایک اور گروہ علیحدہ ہو گیا تھا۔ اور اس نے آغا خان کی قیادت میں مسلم کانفرنس کے نام سے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ بنالی تھی۔ ایک تیسرا گروہ مشترکہ حلقہ ہائے انتخاب کے سوال پر مسلم لیگ سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ مسلم لیگ سے ایک اور جماعت نے علیحدگی اختیار کر کے مولانا ابوالکلام آزاد کی قیادت میں آل انڈیا نیشنلسٹ مسلم لیگ کے نام سے ایک تنظیم قائم کر لی تھی۔ یہ گروہ نہرو رپورٹ کی مکمل حمایت کر رہا تھا۔ اس کے سکریٹری ٹی اے کے شیروانی تھے۔ بعد میں ڈاکٹر انصاری کی شمولیت سے یہ گروپ مستحکم ہو گیا۔ جناح صاحب اور ان کے ساتھی بہر طور ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں تھے لیکن اب وہ ہندو مسلم اتحاد کی قیمت معقول اور مناسب حد سے زیادہ ادا کرنے پر تیار نہ تھے نہرو رپورٹ کی مخالفت سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی تھی کہ صرف یہی گروپ مسلمانوں کے حقوق و مفاد کا سچا علم بردار تھا اور یہی باضابطہ مسلم لیگ کی حیثیت سے موجود رہا

---

[1] ہیکٹر بولائیتھو۔ ص ۱۵۱۔

جناح صاحب مایوس ہو گئے تھے۔ انہوں نے یہ سوچ کر میدان سیاست میں قدم رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کے اتحاد کے لئے ایک رابطے کی حیثیت سے کام کر سکیں گے۔ اس مقصد کے لئے پہلا ضروری قدم یہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ اس کوشش میں انہیں تقریباً کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ لیکن یک لخت حالات نے پلٹا کھایا۔ مسلم لیگ افتراق کا شکار ہو گئی۔ مسلمان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور اب جناح مسلمانوں کے صرف اس چھوٹے سے گروہ کے راہ نما رہ گئے جس نے مسلم لیگ کو اپنا آخری سہارا سمجھ کر اس کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔[۱]

اس زمانے میں مولانا محمد علی جوہر اور محمد علی جناح کے درمیان ایک تفصیلی ملاقات ہوئی اس ملاقات کا احوال مولانا جوہر نے ۵ مارچ ۱۹۲۹ء کے روزنامہ ہمدرد میں بڑی تفصیل سے درج کیا ہے۔ مولانا نے لکھا کہ: "مسلم لیگ کے دستور اساسی کی بحث یا نہرو رپورٹ کی سفارشات کے بعد مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جانے اور ایک سے زائد قسم کے خیالات کی جماعتوں میں بٹ جانے کے بارے میں جو کچھ میں نے ہمدرد میں لکھا تھا اس کا کسی نے مسٹر جناح سے ان کی بمبئی سے مراجعت پر ذکر کیا تھا یا نہیں لیکن انہوں نے ۲۸ فروری کو ایک مشترکہ دوست کو میرے پاس بھیجا اور یکم مارچ کو ملاقات کے لئے وقت مقرر کیا۔ میں نے اس جانکاہ صدمہ کی جو اُن کو مسز جناح کے اس عمر میں انتقال سے پہنچا ہے اب تک ان سے تعزیت بھی نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ بمبئی چلے گئے تھے اور مجھے لاہور جانا پڑا تھا۔ اس لئے میں خود ہی اُن کی خدمت میں حاضر ہونے والا تھا اُن کی دعوت پر تو میں نے فوراً لبیک کہا اور یکم مارچ کو نماز جمعہ سے دو گھنٹے قبل اُن کی فرودگاہ پر جا کر اُن سے ملاقات کی۔ ہم دونوں گھنٹے سے زیادہ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اور مجھے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ مسٹر جناح کو بھی اس کا پورا پورا احساس ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے باعث آج نہ حکومت میں کوئی اُن کی رائے

---

[۱] جی الانہ ص ۲۵۹۔

کو وقعت دیتا ہے نہ اُسے کوئی اہمیت حاصل ہے۔ اور نہ ہی برادرانِ وطن اُس کی طرف اعتبار کرتے ہیں۔ دوسری بنیادی حقیقت جسے مسٹر جناح نے سمجھ لیا ہے وہ یہ ہے کہ نہرو رپورٹ کی سفارشات مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کرتیں۔ اور جب تک ان میں متعدد ترمیمات نہ ہوں گی مسلمان اس کو ہرگز قبول نہ کر سکیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ مجھے اس کے ظاہر کرنے کی بھی ضرورت پیش آئی کیونکہ آج سے چھ ماہ بیشتر بھی یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ مسلم لیگ کے صدر کے متعلق کسی کو ذرا بھی شبہ ہوگا کہ وہ نہرو رپورٹ کی سفارشات کو مسلمانوں کے لیے مناسب خیال کر سکے گا۔ جبکہ شوکت علی اور محمد علی جیسے کانگریسی اور مہاتما گاندھی کے پیرو بھی اُن کو مسلمانوں کی صریح حق تلفی خیال کرتے ہیں مسٹر جناح کا رویہ اس سے پہلے کتنا ہی مبہم کیوں نہ رہا ہو۔ اب یقیناً وہ اس پر اسی طرح پختہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ سفارشات مسلمانوں کے حقوق کی کافی حفاظت ہرگز نہیں کر سکتیں اور متعدد اہم ترمیمات کی محتاج ہیں۔ تیسری بنیادی حقیقت جسے مسٹر جناح سمجھ گئے ہیں وہ یہ ہے کہ برادرانِ وطن کو ہندو مہا سبھا کی قوت پر اور اس کے کانگریس پر قابو پا جانے پر اب اتنا زعم اور گھمنڈ ہے کہ وہ مسلمانوں سے کوئی سمجھوتہ بھی نہیں چاہتے۔[1]

اسی دن دو بجے مولانا محمد علی جوہر نے مولانا شوکت علی کے ہمراہ پھر محمد علی جناح سے ملاقات کی پہلے تو کچھ دیر تک مسلم کانفرنس میں مسلم لیگ اور محمد علی جناح کی عدم شرکت سے متعلق بحث ہوتی رہی جس کے باعث دونوں طرف سے صاف صاف اظہارِ خیال کیا گیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے مذکورہ بالا مضمون میں اس ملاقات کے بارے میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کے بعد کوئی چیز دل میں نہ رہنے پائی۔ جو مصالحت کے راستے میں حارج ہو۔ ہر معاملہ پر کامل اتفاق کا اظہار کیا گیا۔

مولانا محمد علی جوہر کی اس ملاقات کا مقصد دراصل لیگ کے دو بڑے گروہوں یعنی سر شفیع اور جناح لیگ کے درمیان اتحاد و اتفاق کرانا تھا۔ جس میں وہ بڑی حد تک

---

[1] محمد سرور صفحہ ۲۳۲

کامیاب رہے اور ان دونوں ٹکڑوں کے پھر سے آپس میں جڑ جانے کی صورت نکل آئی۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو دہلی میں مسلم لیگ کونسل کا جلسہ تھا اس جلسہ میں محمد علی جناح کو پتہ چلا کہ جس تاریخ کو وہ مسلم لیگ کا اجلاس جس جگہ طلب کریں گے اُسی تاریخ کو اور اُسی جگہ سر محمد شفیع بھی اپنی مسلم لیگ کا اجلاس طلب کریں گے۔ اور پوری امید ہے کہ دونوں پھر ایک لیگ ہو جائیں گی۔ [1]

مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کے بعد محمد علی جناح کی بہت سی دشواریاں ختم ہو گئیں اور اس بات کے امکانات نظر آنے لگے کہ نہرو رپورٹ کی مخالفت پر مسلمانوں کے تمام طبقے متحد و متفق ہو جائیں گے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مولانا محمد علی جوہر نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ملک کے اور دنیا کے سامنے صرف ایک ہی تحریر ہے جسے ہندوستان والوں کا "سیاسی مطالبات نامہ" کہا جا سکتا ہے۔ اور وہ نہرو رپورٹ ہے اور چونکہ مسلمان اس کی ان سفارشوں کو جو ملّتِ اسلامیہ کے حقوق کی حفاظت کے لئے ہیں کافی اور مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لئے ایک اور تحریر کی بھی ضرورت ہے جسے مسلمانوں کا مطالبات نامہ کہا جا سکے۔ اور پھر دنیا اس بات کا فیصلہ کرے کہ حق بجانب کون ہے؟ محمد علی جناح ان تجاویز سے پوری طرح متفق تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں مختلف الخیال اعضائے لیگ سے مسلمانوں کے مطالبات کے متعلق گفتگو کرنے اور ان کو حتی الوسع متفق کرنے کی ذمہ داری کو بحیثیت صدر لیگ قبول کیا اور جلسہ کامل اتفاق رائے کے بعد برخاست ہو گیا اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر بغرض آرام ۱۱ مارچ کو رنگون روانہ ہو گئے۔ جبکہ محمد علی جناح اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے پیشِ نظر دہلی میں ہی مقیم رہے۔

۱۲ مارچ ۱۹۲۹ء کو جب اسمبلی کا اجلاس مطالبات زرِ برائے شماری کے لئے دوبارہ شروع ہوا تو پنڈت موتی لال نہرو نے ایک قرارداد پیش کی اور اُس پر تقریر

[1] محمد سرور صفحہ ۳۳۶

کرتے ہوئے ہندوستان کے آئین کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں انہوں نے سائمن کمیشن کی مذمت کی اور کہا کہ نہرو رپورٹ ہندوستان کے آئین کے بنیادی اصولوں کا درجہ رکھتی ہے اور اس پر پورا ملک متفق ہے محمد علی جناح نے قرارداد پر نہایت سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی اور کہا کہ نہرو رپورٹ کی اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں کہ یہ ۱۹۲۷ء کی تجاویز دہلی کے جواب میں مرتب کی گئی ہیں اور رپورٹ میں درج شدہ تجاویز مسلمانوں کو ہرگز قبول نہیں۔" پنڈت موتی لال نہرو نے اس مرحلہ پر ایک سوال کیا تو محمد علی جناح نے کہا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ایک حقیقت ہے اور اس سے ہم جلد واقف ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ رپورٹ ہندوستان کے مسلمانوں کو قبول نہیں۔ موتی لال نہرو نے ایک مرتبہ پھر کہا کہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو یہ رپورٹ منظور نہیں۔" محمد علی جناح نے اس پر کہا کہ میں جانتا ہوں کہ نہرو رپورٹ میرے معزز دوست کی لاڈلی اولاد ہے لیکن میں نہایت غیر جذباتی اور ٹھنڈے دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کریں اور وہ بہت جلد بہتر طور پر اس بات کو محسوس کرلیں گے کہ یہ رپورٹ مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں۔ محمد علی جناح کی تقریر کے دوران جب پنڈت موتی لال نہرو اپنی ضد پر اڑے رہے تو محمد علی جناح نے نہایت واضح الفاظ میں کہا کہ" پنڈت جی خام خیالی کا شکار ہیں اور اگر وہ اپنے اس دعوے پر مصر ہیں تو میں ہر شخص کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلے پر رائے شماری کرالے۔" محمد علی جناح نے بھی اپنی اس تقریر کے دوران ہندوستان کے دستور پر مدلل تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق اور اُن کے موقف کو ایوان کے سامنے پیش کیا۔ ؎۵

آل انڈیا مسلم لیگ کا ملتوی شدہ سالانہ اجلاس شروع ہونے سے دو روز قبل دہلی ہی میں مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں ملتوی شدہ اجلاس کی تیاریوں کو آخری شکل دی گئی۔ اسی اجلاس میں محمد علی جناح نے وہ

۵؎ رفیق افضل ص ۲۹۶

قرارداد مرتب کی جس میں ہندوستان کے آئندہ آئین کے بارے میں مسلمانوں کی سفارشات درج کی گئی تھیں۔ اور جو بعد میں محمد علی جناح کے ۱۴ نکات کے نام سے مشہور ہوئیں۔

۳۰ اور ۳۱ مارچ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ملتوی شدہ سالانہ اجلاس دہلی کے روشن تھیٹر میں منعقد ہوا جس کی صدارت محمد علی جناح کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں شرکت کے لئے مولانا محمد علی جوہر رنگون سے ۲۸ مارچ کو دہلی پہنچ چکے تھے اجلاس میں متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ضمیمہ کے طور پر چودہ نکات بھی شامل تھے۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ جب تک محمد علی جناح کے چودہ نکات منظور نہیں کئے جائیں گے اس وقت تک مسلمانوں کے لئے کوئی دستورِ حکومت قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ اس قرارداد سے اتفاق کرنے والوں میں مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مسٹر آصف علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور تصدق احمد خان شیروانی بھی شامل تھے۔ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعد کو یہ سب مسلم لیگ اور محمد علی جناح سے باغی ہو کر کانگریس کے ترنگے کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔[1]

مسلمانوں کے چودہ نکاتی مطالبات یہ تھے۔

۱۔ مستقبل کا آئین وفاقی نوعیت کا ہونا چاہیئے۔ اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کو تفویض کیے جانے چاہئیں۔

۲۔ تمام صوبوں کو یکساں نوعیت کی خودمختاری عطا کی جائے۔

۳۔ ملک کی تمام قانون ساز مجالس اور دوسرے اداروں کی تشکیل ہر صوبہ میں اقلیتوں کو مناسب اور مؤثر نمائندگی دینے کے اصول پر کی جائے۔ لیکن کسی بھی صوبے میں اکثریت کو اقلیت یا برابری میں تبدیل نہ کیا جائے۔

۴۔ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو

---

[1] پیام شاہجہانپوری صہ۲۱۳

۵۔ فرقہ دارانہ گروہوں کے لئے نمائندگی جداگانہ انتخاب کی بناء پر جاری رہے تاہم ہر فرقہ کو اس امر کا اختیار ہو کہ آگے چل کر کسی بھی وقت وہ مشترکہ انتخابات کے حق میں اپنی نیابت سے دستبردار ہو جائے۔

۶۔ اگر کسی وقت علاقائی تقسیم نو کی ضرورت محسوس کی گئی تو وہ کسی صورت پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کی مسلم اکثریت پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

۷۔ تمام فرقوں کو پوری مذہبی آزادی یعنی عقیدت و عبادت اور ان کی تعمیل۔ تبلیغ، اجتماع اور تعلیم کی آزادی کی ضمانت حاصل ہو۔

۸۔ کسی قانون ساز مجلس یا کسی منتخب ادارہ میں کوئی ایسا مسودہ قانون یا قرارداد منظور نہ کیا جائے۔ اگر اس ادارہ کے کسی بھی فرقے کے تین چوتھائی ارکان اس بنیاد پر اس کی مخالفت کریں کہ وہ مسودہ قانون یا قرارداد ان کے فرقے کے مفادات کیلئے مضر ہے یا بصورت دیگر کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جو ایسے معاملات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قابلِ عمل اور مفید معلوم ہو۔

۹۔ سندھ کو بمبئی پریسیڈنسی سے علیحدہ کر دیا جائے۔

۱۰۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات نافذ کی جائیں۔

۱۱۔ آئین میں یہ دفعہ ہونی چاہیئے کہ اہلیت کے تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے تمام سرکاری اور خود مختار اداروں میں مسلمانوں کو اپنے دوسرے ہموطنوں کے ساتھ مناسب حصہ دیا جائے۔

۱۲۔ مسلم ثقافت کے تحفظ اور مسلم زبان، مذہب اور شخصی قوانین کے تحفظ اور فروغ کے لئے آئین میں مناسب اہتمام کیا جائے۔ مسلم خیراتی اداروں کے تحفظ کے ساتھ ہی ساتھ حکومت اور خود مختار اداروں کی طرف سے ان کیلئے کما حقہ امدادی

عملیات کا بھی اہتمام کیا جائے۔

۱۳۔ مرکز یا صوبوں میں کم از کم ایک تہائی مسلم وزیروں کے بغیر کوئی کابینہ نہ بنائی جائے۔

۱۴۔ مرکزی مجلس قانون ساز وفاقِ ہند کی تاسیس کنندہ ریاستوں کی تائید کے بغیر آئین میں کوئی ترمیم کرنے کا مجاز نہ ہو۔

محمد سرور نے اپنی کتاب "مولانا محمد علی بحیثیت تاریخ ساز شخصیت" میں "چند تاثرات" کے عنوان سے جو مقالہ درج کیا ہے اُس میں روشن تھیٹر کے اجلاس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس اجلاس میں نہرو رپورٹ کے حامی جن میں اتفاق سے اکثریت مولانا محمد علی جوہر کے پرانے رفقائے کار کی تھی کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ سے نہرو رپورٹ کے حق میں قرارداد منظور کرانے کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ صبح کے جلسے میں محمد علی جوہر نے تقریر کرتے ہوئے بڑی منت سماجت سے جو کبھی بھی اُن کی عادت میں داخل نہ تھی۔ اپیل کی کہ ملک کا آئین بن رہا ہے اور اس میں بہرحال مسلمانوں کے حقوق کا یقین ہونا ہے ہمیں اس وقت متحد ہو کر کوئی قدم اٹھانا چاہیئے۔ اور ہم اگر اسی طرح آپس میں لڑتے رہے تو اس ملک میں مسلمانوں کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ مولانا کی یہ اپیل زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوئی اور ان کو اپنے ساتھیوں کی معیت میں وہاں سے واک آؤٹ کرنا پڑا۔ وہ تو بعد از دوپہر کے جلسے میں محمد علی جناح آڑے آ گئے ورنہ مسلم لیگ کے اس اجلاس نے نہرو رپورٹ کے حق میں قرارداد منظور کر دی تھی۔ مولانا ظفر علی خان اُن دنوں نہرو رپورٹ کے حق میں تھے۔ روشن تھیٹر کے اس واقع کے متعلق اُن کا ایک شعر ہے۔

پتنگ احرار کا جا کر جہاں تا فریا کی ؎
نہ کٹنی کاٹتے روشن تھیٹر میں اگر جینا

۸ اپریل ۱۹۲۹ء کو جب دہلی میں اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا تو ایک شخص بھگت سنگھ نے پبلک گیلری سے ایگزیکٹو کونسل کے اراکین کی نشستوں پر بم پھینکا جو ایک

دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ بم کے پھٹتے ہی اسمبلی ہال میں بھگدڑ مچ گئی۔ اسی دوران دو فائر بھی ہوئے۔ لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا۔ جبکہ بم کے دھماکے سے ایک رکن سردار بومن جی دلال زخمی ہوگئے۔ بعد میں پولیس نے بھگت سنگھ اور اس کے ایک ساتھی کو گرفتار کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد اسمبلی کا اجلاس دو دن کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء کو مولانا محمد علی جوہر نے اپنا روزنامہ ہمدرد بند کرنے کا اعلان کر دیا۔ ہمدرد کے آخری شمارے میں انہوں نے "الوداع اخیر" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ درج کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ میں نے ہمدرد میں بہت سے طویل مضامین شائع کر کے قارئین ہمدرد کی سمع خراشی کی ہے۔ خود بھی رویا ہوں اور بعض اوقات ان کو بھی رلایا ہے ـــــ مگر آج آخری بار ایک مضمون لکھ رہا ہوں اور اُن کو الوداع کہہ رہا ہوں۔ قرین قیاس یہی ہے کہ آج ہمدرد کے جو معدودے چند قارئین کرام رہ گئے ہیں اب تو اُنکی آنکھوں کے آنسو خشک ہوگئے ہوں گے۔ اور میں بھی اب نوحہ گری اور سوز خوانی سے تھک گیا ہوں۔

مئی ۱۹۲۹ء میں انگلستان کے عام انتخاب میں کنزرویٹو پارٹی کو لیبر پارٹی نے شکست دیکر اپنی کابینہ بنالی مسٹر ایمرے سیکرٹری لمنڈ وزیر اعظم اور کرنل ویج وڈ امور ہند کے سکریٹری قرار پائے۔ اس خوشی میں وائسرائے ہند لارڈ اروِن نے وائسرائے محل شملہ میں مئی کے آخری ہفتہ میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اس ضیافت میں ہندوستان کے دیگر رہنماؤں کے علاوہ محمد علی جناح بھی شامل تھے۔ ہیکٹر بولائتھو نے اس دعوت کی تفصیل اپنی کتاب میں درج کرتے ہوئے ایک واقعہ کی نشاندہی کی ہے اُس نے لکھا ہے کہ: اس دعوت میں محمد علی جناح کی ملاقات ایک انگریز فوجی جنرل جی ایچ بی فرتھ کی بیوی سے ہوئی۔ اس کے چند ہی دن بعد ان خاتون نے اپنی والدہ کو ایک خط انگلستان لکھا جس میں اس

دعوت کا حال اور محمد علی جناح سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا: "کھانے کے بعد مجھے مسٹر جناح سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ وہ بڑے ذہین شخص ہیں اور نہایت عمدہ انگریزی بولتے ہیں۔ وہ آداب اور وضع قطع میں مشہور اداکار ڈو ماریر کی پیروی کرتے ہیں اور انگریزی گفتگو میں ایڈمنڈ برک کی تقریروں کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ حکومت کی موجودہ پالیسی یہ ہے کہ رفتہ رفتہ او نچے سے اونچے عہدوں کے دروازے مستحق ہندوستانیوں کے لئے کھول دیئے جائیں۔ اگر یہ پالیسی جاری رہی تو مجھے یقین ہے کہ جناح ایک دن ہندوستان کے وائسرائے بنیں گے۔ میں عرصہ سے ان سے ملنا چاہتی تھی اور آج میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔"[1]

اکتوبر ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن دوبارہ ہندوستان واپس آیا تاکہ وہ اپنی رپورٹ مکمل کر سکے۔ اور اپریل ۱۹۲۹ء میں وہ اسمبلی میں بم کا دھماکہ ہونے کے بعد دوبارہ انگلستان چلا گیا تاکہ پارلیمنٹ کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کر سکے۔ محمد علی جناح اپنی سیاسی مصروفیتوں کے سبب اکثر و بیشتر انگلستان جاتے رہتے تھے۔ اور لیبر پارٹی کے رہنما ریمزے میکڈانلڈ کو جو اب وزیر اعظم ہو گئے تھے ذاتی طور پر جانتے تھے۔ محمد علی جناح نے ریمزے میکڈانلڈ کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ۱۹ جون ۱۹۲۹ء کو ان کو ایک خط لکھا جس میں سائمن کمیشن کے بارے میں ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات و خیالات تحریر کئے اور درخواست کی کہ وہ کمیشن کی رپورٹ پر کوئی فیصلہ کرنے سے قبل مسلمانوں کے موقف کو اچھی طرح سمجھ کر کوئی اقدام کریں۔ محمد علی جناح نے وزیر اعظم کو اپنے خط میں آگاہ کیا کہ موجودہ صورتحال ایک سنگین تعطل کی صورت ہے۔ اور اگر یہ حالات بدستور قائم رہے تو شدید نقصانات کا خدشہ ہے۔ کمیشن کی ہندوستان میں آمد اور اس کی تحقیقات کے آغاز سے لے کر انجام تک اہل ہند کا کمیشن کے ساتھ عدم تعاون اس بات کا ثبوت ہے کہ کمیشن کی حیثیت بے معنی ہو کر رہ

---

[1] ہیکٹر بولا تھو۔ ص ۱۵۲

گئی ہے۔ محمد علی جناح نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے کمیشن سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اور جب کمیشن کی رپورٹ شائع ہو گی تو ہندوستان میں اس کی مذمت کی جائے گی۔ محمد علی جناح نے تجویز کیا کہ اگر کوئی ایسی کانفرنس منعقد کی جائے جس میں ہندوستان کے ممتاز سیاستداں شریک ہوں تو بلاشبہ ایک ایسا حل تلاش کیا جا سکتا ہے جس سے برطانیہ اور ہندوستان دونوں مطمئن ہوں۔

اسی دوران محمد علی جناح غازی علم الدین کے مقدمہ کی پیروی کرنے کے لئے لاہور گئے۔ غازی علم الدین نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے ایک ہندو راج پال کو قتل کر دیا تھا جس کے نتیجے میں اُسے پھانسی کی سزا ہو گئی۔ سزا کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی اور محمد علی جناح کو پیروی کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ عاشق حسین بٹالوی نے اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں محمد علی جناح کی اس سال لاہور آمد کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس ضمن میں مزید تفصیلات درج نہیں کی ہیں۔

جون ۱۹۲۹ء میں وائسرائے ہند لارڈ ارون چار ماہ کی رخصت انگلستان میں گزار کر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو واپس ہندوستان پہنچ گئے۔ لارڈ ارون نے انگلستان میں لیبر پارٹی کے رہنماؤں سے ہندوستان کی آئینی صورتحال پر تفصیل سے بات چیت کی۔ محمد علی جناح وائسرائے ہند کی آمد کے منتظر تھے۔ کیونکہ انہیں امید تھی کہ وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ کو انہوں نے جو خط لکھا تھا اس کے رد عمل کا اظہار ہندوستان پہنچنے پر وائسرائے کے رویہ سے ہو گا چنانچہ لارڈ ارون نے ہندوستان پہنچ کر ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ برطانوی حکومت نے مجھے واضح طور پر اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے کہ حکومت کے نزدیک ۱۹۱۷ء کے منشور کے مطابق ہندوستان کی دستوری ترقی کے سلسلہ میں ڈومینین کا درجہ ناگزیر حقیقت

کی حیثیت رکھتا ہے۔ برطانوی حکومت عنقریب ایک کانفرنس منعقد کرنے والی ہے جس میں برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں سے مذاکرات کے بعد حکومتِ برطانیہ ایسی تجاویز مرتب کرے گی جن پر زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے ہو سکے۔ اس کے بعد برطانوی حکومت مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کے مشورہ سے تجاویز پر خود فیصلہ کریگی[1]

وائسرائے کے اس اعلان کے بعد محمد علی جناح کی مصروفیات میں اضافہ ہوگیا۔ اس وقت محمد علی جناح بمبئی میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسٹر چمن لال سیتل واد کے چیمبر میں ممتاز سیاسی رہنماؤں کا ایک اجلاس منعقد کیا جس میں لارڈ ارون کے بیان پر غور کرنے کے بعد ایک محتاط بیان جاری کیا گیا۔ اس بیان میں کہا گیا تھا کہ وائسرائے ہند نے جو بیان جاری کیا ہے وہ طمانیت بخش ہے ہم اس طریق کار کو بھی اچھا سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ دینے کی غرض سے برطانوی حکومت سے مذاکرات کے لئے ہندوستان کے نمائندوں کو مدعو کیا جائے۔ تاکہ اتفاق رائے سے پارلیمنٹ کے سامنے تجاویز پیش کی جائیں۔ بیان میں کہا گیا تھا کہ ہمیں یقین ہے کہ حکومت مذاکرات کے لئے صرف ان ہی نمائندوں کو مدعو کرے گی، جنکو ہندوستانی عوام کا اعتماد حاصل ہوگا۔ اس بیان پر محمد علی جناح کے علاوہ ایم سی چھاگلہ، مسز سروجنی نائیڈو، ایم آر جیکر اور چمن لال کے دستخط موجود تھے۔[2]

نومبر کے شروع میں محمد علی جناح اور مدن موہن مالویہ نے دہلی میں وائسرائے کے اعلان پر غور کرنے کے بعد ایک مشترکہ بیان جاری کیا۔ جس میں حکومتِ برطانیہ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا۔

۳۰ نومبر ۱۹۲۹ کو ولبھ بھائی پٹیل اور محمد علی جناح نے احمد آباد کے قریب سابرمتی آشرم میں گاندھی جی سے طویل مذاکرات کئے۔ اور یہ طے پایا کہ یہ رہنما وائسرائے ہند لارڈ ارون سے ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو دہلی میں ملاقات کریں گے

[1] مطلوب الحسن سیّد صفحہ ۱۴۰ [2] جی الانہ صفحہ ۲۶۹

ولبھ بھائی پٹیل نے ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو ایک خط کے ذریعے اس پروگرام سے مطلع کر دیا لیکن بعد میں گاندھی کی اس ملاقات سے منحرف ہو گئے اور انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ برطانیہ پہلے یہ وعدہ کرے کہ ہندوستان کو ڈمینین (نوآبادیات) کا درجہ دے دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ولبھ بھائی پٹیل اور محمد علی جناح کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی اور طے یہ ہوا کہ وہ پروگرام کے مطابق وائسرائے سے ملاقات کریں گے چنانچہ ۲۳ر دسمبر کو محمد علی جناح ولبھ بھائی پٹیل اور موتی لال نہرو نے وائسرائے سے ملاقات کی اور انہیں گاندھی جی کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ وائسرائے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے لئے تو تیار تھے۔ لیکن نوآبادیات کا درجہ دینے کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے اس ملاقات کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسی دن وائسرائے کی ٹرین پر دہلی کے قریب بم سے حملہ کیا گیا جس سے ٹرین کو شدید نقصان پہنچا لیکن لارڈ اردن بال بال بچ گئے۔ اس حادثہ کے باوجود لارڈ اردن نے ملاقات منسوخ نہ کی اور مذکورہ رہنماؤں سے ملاقات کی اور مذاکرات کئے۔

محمد علی جناح کو ایک مرتبہ پھر گاندھی جی کی دوغلی سیاست کا شکار ہونا پڑا۔ اور وہ بڑے دلبرداشتہ ہوئے۔ مگر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ برطانوی حکومت کی موجودہ پیشکش کو کسی صورت میں بھی مسترد نہیں کریں گے۔

ادھر ۳۱ر دسمبر کو لاہور میں کانگریس کا اجلاس جواہر لال نہرو کی صدارت میں ہوا۔ جس میں مکمل آزادی کے مطالبے کے ساتھ ساتھ حکومت کو دھمکی دی گئی کہ اگر کانگریس کے مطالبات پورے نہ ہوئے تو وہ پورے ہندوستان میں محاصل کی عدم ادائیگی اور سول نافرمانی کی تحریک چلائے گی۔

اس سال ۳۱ر اکتوبر کو لاہور کے پبلشر راجپال کو جس نے رنگیلا رسول نامی

کتاب شائع کی تھی قتل کرنے کے الزام میں لاہور کے محلہ سرفروشاں کے نوجوان غازی علم الدین کو میانوالی جیل میں پھانسی دیدی گئی۔ [1]

۲۸ مارچ اور ۲۶ مارچ ۱۹۲۹ء کو بالترتیب ہندو رہنما سی آر داس اور لالہ لاجپت رائے کا انتقال ہو گیا۔

[1] ۔ کمال الدین احمد مضمون غازی علم الدین شہید ص۲۳ مطبوعہ ماہنامہ جام حق کراچی جولائی ۱۹۷۰ء

سنہ ۱۹۳۰ء

سنہ ۱۹۳۰ء کا آغاز نہایت ہولناک خدشات اور خوفناک اختلافات کے ساتھ ہوا۔ نہرو رپورٹ سے گول میز کانفرنس کے انعقاد تک کا زمانہ ہنگامہ آرائی چپقلش اور خلفشار کا دور ہے۔ کانگریس اپنے سالانہ اجلاس ۱۹۲۹ء میں مکمل آزادی اور سول نافرمانی کا اعلان کر چکی تھی اور اس نے واضح طور پر گول میز کانفرنس کے بائیکاٹ کا بھی اعلان کیا تھا چنانچہ اب کانگریس سے کسی قسم کی مصالحت کی امید رکھنا فضول تھی حکومت اور کانگریس کے درمیان کھلی ہوئی جنگ شروع ہو گئی۔ یہ صورتحال ہر چند مسلمانوں کے لئے سود مند تھی لیکن وہ ہندوؤں سے ہٹ کر حکومت سے کسی قسم کی سازباز کا جائز تصور نہ کرتے تھے۔ حالانکہ کانگریس ایسے کئی مواقع پر مسلمانوں کے مفادات کو پیچھے دھکیل چکی تھی۔ محمد علی جناح جنکو اب علی برادران کی بھی مکمل حمایت حاصل تھی۔ اس لئے اُن کی فوری طور پر کوشش یہ تھی کہ کسی صورت مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کے درمیان اتفاق رائے ہو جائے۔ تاکہ متحدہ طور پر لیگ کے پروگرام کو آگے بڑھایا جائے۔ اس سلسلے میں محمد علی جناح نے وقتاً فوقتاً مسلم رہنماؤں سے مذاکرات بھی جاری رکھے جس کے نتیجے میں اُن کو اسی سال فروری میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ محمد علی جناح نے سنہ ۱۹۳۰ء کے شروع میں شفیع لیگ کے رہنماؤں کو مذاکرات کے لئے دہلی مدعو کیا۔ باہم تبادلہ خیال کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ محمد علی جناح ۳۱ جنوری ۱۹۲۸ء کو منعقد ہونے والی کل جماعتی مسلم کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز منظور کرلیں ان میں

کم و بیش وہی مطالبات شامل کئے گئے تھے۔ جو محمد علی جناح کے چودہ نکات کے نام سے لیگ نے منظور کئے تھے۔ ۲۸ فروری ۱۹۳۰ء کی سہ پہر آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس میں ہندوستان کے ہر صوبہ سے بہت بڑی تعداد میں مسلمان اکابر شریک ہوئے۔

پیام شاہجہانپوری نے اپنی کتاب تاریخ نظریہ پاکستان میں اس اجلاس کی روداد بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ محمد علی جناح نے کرسیٔ صدارت پر بیٹھتے ہی اعلان کیا کہ دونوں لیگیں پھر متحد ہو گئی ہیں سر شفیع نے اس کی تائید کی۔ اور اس کے بعد محمد علی جناح اور سر محمد شفیع اسٹیج پر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ یہ منظر بڑا روح پرور اور رقت انگیز تھا۔ ہر طرف تالیوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ دو بچھڑے ہوئے رفیق اور مسلم مفادات کے نگہبان ایک دوسرے سے گلے لگے کھڑے تھے۔[1]

فروری ۱۹۳۰ء میں ہی کانگریس کی جانب سے سول نافرمانی کا آغاز کیا گیا۔ اور مارچ میں گاندھی جی نے الٹیمیٹم دیا کہ اگر وائسرائے نے ایک ہفتہ کے اندر ان کے گیارہ نکات کے پروگرام کو تسلیم نہ کیا تو وہ عوام کو ملک گیر سول نافرمانی شروع کرنے کا مشورہ دے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بمبئی کے ایک مقام ڈانڈی سے تحریک سول نافرمانی کا آغاز کیا۔ اس زمانے میں نمک بنانے پر پابندی تھی۔ گاندھی جی نے ڈانڈی کی طرف پیدل سفر شروع کیا۔ اور ہزاروں افراد کے ہمراہ ڈانڈی پہنچ کر نمک بنانا شروع کر دیا۔ پہلے تو حکومت خاموش تماشائی بنی رہی۔ لیکن آخرکار اس نے ۵ مئی ۱۹۳۰ء کو گاندھی جی کو گرفتار کر لیا۔ سول نافرمانی کی تحریک چند ماہ کے اندر پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ ہندو عورتیں جو اب تک کسی سیاسی تحریک میں شامل نہیں ہوئی تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکل آئیں۔ طلبا نے اسکول اور کالجوں کو خیرباد کہہ دیا۔ کئی مقامات پر گولی چلی اور ہزاروں افراد گرفتار ہوئے۔

---

[1] پیام شاہجہان پوری صفحہ ۲۱۶

عاشق حسین بٹالوی نے لکھا ہے کہ اس ہنگامہ میں اگرچہ بہت سے مسلمان بھی شریک تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان من حیث القوم سول نافرمانی سے الگ تھلگ رہے۔ ۱۹۲۱ء کی تحریک ترک موالات میں تو مسلمان مقدمتہ الجیش کی طرح آگے آگے تھے لیکن ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی میں اُن کی شرکت محدود و مختصر تھی۔ پنجاب میں مولانا ظفر علی خان۔ ڈاکٹر محمد عالم۔ ڈاکٹر کچلو اور وہ گروہ جس نے بعد میں احرار کے نام سے شہرت اختیار کی اِس تحریک میں شریک ہو کر قید و بند کا شکار ہوئے لیکن عام مسلمان محض تماشائی کی حیثیت سے اس جنگ کا نظارہ کرتے رہے۔[1]

دہلی میں اسمبلی کا سیشن ۲۰ جنوری سے شروع ہو چکا تھا۔ ۱۱ مارچ ۱۹۳۰ء کو صوبہ سرحد کی اصلاحات کے سلسلے میں ایگزیکیٹو کونسل کے اخراجات میں تخفیف پیش کی گئی۔ مسلمان اراکین نے اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر تقاریر کیں کیونکہ اُن کا موقف تھا کہ صوبہ سرحد میں بھی دوسرے صوبوں کی طرح اصلاحات پر زور دیا جائے۔ محمد علی جناح جو جزوی طور پر اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کر رہے تھے۔ انہوں نے تقریر کی ۲۱ مارچ کو اسمبلی کا اجلاس جولائی تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔

مولانا محمد علی جو ہر بیک وقت کئی امراض کا شکار ہو کر ان دنوں شملے میں زیر علاج تھے لیکن ابھی تک سیاست سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی تھی۔ اور کرتے بھی کیوں مسلمانوں کی خدمت ان کا نصب العین تھا۔ ذیابیطس کی شدت اور بصارت کی کمی نے اُنکو بالکل بے دست و پا کر دیا تھا۔ مگر اس بے سروسامانی میں بھی تحریک سول نافرمانی کا جب زور بندھا تو بے چین ہو گئے اور اس تحریک کو حکومت اور گاندھی جی کے درمیان قمار بازی قرار دیا۔ گاندھی جی کی نمک سازی کی مہم کے بارے میں چند شعر بھی کہے۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے اپنی کتاب محمد علی کی جلد دوئم میں لکھا ہے کہ مولانا محمد علی نے اس تحریک پر کچھ شعر کہے تھے۔ جن میں سے ایک مصرعہ یاد رہ گیا ہے۔

---

[1] عاشق حسین بٹالوی ص ۲۳۲

سہ یہ نمک سازی کرے اور وہ نمک پاشی کرے

ان اشعار میں شوخی کے ساتھ ساتھ ذرا تلخی بھی تھی۔ سلہ

۷ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء کو جب شملہ میں اسمبلی کا سیشن دوبارہ شروع ہوا تو محمد علی جناح اپنی پارٹی کے ہمراہ اسمبلی میں موجود تھے۔ اسمبلی کے صدر پٹیل نے سول نافرمانی کی تحریک میں کانگرسی رہنماؤں کی بڑے پیمانے پر گرفتاری کے بعد گزشتہ اجلاس میں ہی اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے استعفیٰ دیدیا تھا چنانچہ ۷ جولائی کو ڈپٹی صدر مولوی محمد یعقوب نے صدارت کی اس دن چند ضروری کاموں کے علاوہ اسمبلی کے مستقل صدر کے انتخاب کا مسئلہ زیر بحث آیا ہے اور اسمبلی کا اجلاس ۹ جولائی تک ملتوی کر دیا گیا محمد علی جناح کی پارٹی نے مولوی محمد یعقوب کو مستقل صدارت کے لئے نامزد کیا۔ چنانچہ ۹ جولائی کے اجلاس میں انکو اسمبلی کا صدر منتخب کر لیا گیا اس انتخاب میں محمد علی جناح نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی دن وائسرائے نے اسمبلی کو خطاب کیا اور بتایا کہ یہ اسمبلی کا آخری اجلاس ہے۔ اس سال نئے انتخابات ہوں گے مئی ۱۹۳۰ء میں سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہو چکی تھی اس لئے وائسرائے نے گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے والے نمائندوں کو سائمن کمیشن کے بارے میں بھی ہدایات دیں۔ سائمن کمیشن رپورٹ ہندوستان کے لئے اور خصوصی طور پر مسلمانوں کے لئے بہت خراب اور ناکافی تھی چنانچہ اس پر بھی بحث ہوئی جس میں محمد علی جناح، سر عبداللہ ہارون، اور میاں شاہ نواز وغیرہ نے حصہ لیا۔ ۱۸ جولائی کو سیشن ختم ہو گیا۔ وائسرائے نے اس اجلاس میں یقین دلایا کہ گول میز کانفرنس کے تمام مندوبین کے موقف کو حکومت برطانیہ اہمیت دے گی۔ اور ان کو حل کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔ گول میز کانفرنس کے مسلم مندوبین میں سر آغاخان، محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر، سر محمد شفیع، نواب عبدالقیوم خان،

سلہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔ صفحہ ۱۴۳

سر شاہنواز خان۔ غلام مرتضیٰ خان بھٹو۔ فضل الحق۔ حلیم غزنوی۔ ہدایت حسین۔ نواب چھتاری۔ بیگم شاہنواز۔ چوہدری محمد ظفر اللہ اور دیگر افراد شامل تھے۔ گول میز کانفرنس کے بارے میں انگریز کی یقین دہانی کے بعد تمام مندوبین کے درمیان اطمینان پایا جاتا تھا۔ اور انہیں اس بات کی امید تھی کہ کانفرنس کے نتائج بہتر برآمد ہوں گے۔

محمد علی جناح شملہ کے اجلاس میں شرکت کے بعد بمبئی آ گئے تھے جہاں وہ گول میز کانفرنس کی شرکت کی تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ اکتوبر کے ابتدائی ایام میں وہ دیگر مندوبین کے ہمراہ بمبئی سے بذریعہ بحری جہاز کانفرنس میں شرکت کے لیے روانہ ہو گئے۔

۱۲ر نومبر ۱۹۳۰ء کو لندن میں دارالامراء کی رائل گیلری میں شہنشاہ برطانیہ نے گول میز کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اور مندوبین نے اس میں تقاریر کیں۔ انگلستان کے وزیر اعظم ریمزے میکڈانلڈ کانفرنس کے چیرمین منتخب کئے گئے۔ ۲۰ر نومبر سے کانفرنس کے باقاعدہ اجلاس شروع ہوئے۔ اس کانفرنس میں کانگریس کے رہنما شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور صرف مہاسبھائی و اعتدال پسند افراد شرکت کے لئے آئے تھے۔ مگر ان کا رویہ کانگریس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے لئے دل شکن تھا۔ پھر بھی مسلمان رہنماؤں نے حتی الامکان کوشش کی کہ حکومت کے سامنے ہندوستان کا متحدہ اور متفقہ مطالبہ پیش کیا جائے۔ اور وہ مخلوط انتخاب کو بھی ماننے پر تیار ہو گئے۔ مطلوب الحسن سید نے اپنی کتاب میں بمبئی کرانیکل کے خصوصی نامہ نگار کا ایک مراسلہ درج کیا ہے جو ۵ر نومبر ۱۹۳۰ء کو شائع ہوا تھا۔ اور جس میں نامہ نگار نے کہا تھا: "مسلمان مخلوط انتخاب اور تناسب آبادی کی بنا پر نشستوں کے تعین پر راضی نہیں۔ بشرطیکہ سندھ کی علیحدگی اور سرحد کی اصلاحات کو تسلیم کر لیا جائے۔ مسلمان اپنے دوسرے مطالبات پر زور نہیں دے رہے ہیں۔ وہ مسٹر جناح اور آغا خان کی قیادت میں درجہ نوآبادیات کے مطالبہ پر بھی بالکل متفق ہیں۔ مہاسبھائیوں کے علاوہ تمام ہندو شرکاء کا رویہ ہمدردانہ ہے۔ صرف مسٹر جیکر کے طرز عمل کے سبب متحدہ محاذ تشکیل نہیں پا رہا ہے۔"[1]

---

[1] مطلوب الحسن سید۔ ص ۱۵۱۔

محمد علی جناح نے گول میز کانفرنس کے ابتدائی اجلاس میں اپنی پہلی تقریر میں شہنشاہ اور وزیر اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جناب والا ہم یہاں اس یقین کے ساتھ آئے ہیں کہ باہمی تعاون سے حصول مقصد میں کامیابی حاصل کریں گے۔ میں پہلے جس نکتہ پر روشنی ڈالوں گا وہ برطانیہ کی اخلاقی وعدوں اور ان وعدہ کو پورا کرنے سے پہلوتہی سے متعلق ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ کانفرنس میں شریک تمام مندوبین اپنا موقف کانفرنس میں نہایت بے باکی اور جرأت مندی کے ساتھ پیش کریں۔ محمد علی جناح کی یہ تقریر جو تقریباً ۴ منٹ پر مشتمل تھی بے خوفی اور کلمۃ الحق کے اظہار کا بہترین نمونہ تھی۔ انہوں نے کھرے کھرے لفظوں میں بہت کچھ کہا خدشات اور اندیشوں کے بت گرائے۔ اور یہ باور کرایا کہ ہندوستان کو مکمل طور پر داخلی حکومت دی جائے۔ محمد علی جناح نے کہا کہ جب تک ہندوستان کے حقوق و مفادات کا تحفظ نہیں کیا جائے گا کوئی دستور منظور نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے پہلے برطانوی حکومت کو اقلیتوں کے معاملہ پر غور کرنا ہوگا۔ اور جب تک ان کا تعاون اور وفاداری حاصل نہیں کیا جائے گا۔ آپ کا مرتب کردہ دستور کامیاب نہیں ہوگا۔ ہندوستان کے ۷ کروڑ سے زائد مسلمان اپنے لئے تحفظات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

گول میز کانفرنس میں عام بحث کے بعد نو کمیٹیاں بنائی گئیں۔ جن میں سے محمد علی جناح تین کمیٹیوں کے رکن تھے۔ یہ کمیٹیاں وفاقی وضع، دفاعی امور اور سندھ کے مستقبل کے متعلق تھیں۔ ان کمیٹیوں کی کارکردگی میں محمد علی جناح نے بڑا نمایاں حصہ لیا اور مسلمانوں کے موقف کی بڑی بے جگری سے وکالت کی۔ یکم دسمبر ۱۹۳۰ء کو کانفرنس کی وفاقی وضع کی سب کمیٹی کا اجلاس ہوا جس سے محمد علی جناح نے خطاب کیا اور بڑی مؤثر تقریر کی۔

وفاقی وضع کی سب کمیٹی کے اجلاس ۳۱ دسمبر تک جاری رہے جن میں محمد علی جناح نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ ان اجلاسوں میں انہوں نے جو تقاریر کیں وہ جناب ایم رفیق افضل نے اپنی مرتبہ کتاب "سلیکٹڈ اسپیچز اینڈ اسٹیٹمنٹس آف قائداعظم" میں من و عن نقل کی ہیں۔ یہاں

ان تقاریر کو درج کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت اس لئے ان تقاریر کا مطالعہ رفیق افضل کی کتاب سے کیا جا سکتا ہے۔ ادھر ہندوستان میں کانگریس کی تحریک سول نافرمانی جاری تھی لیکن کانگریسی رہنماؤں کی گرفتاریوں کے بعد اس کا زور کسی حد تک ٹوٹ گیا تھا۔ مولانا شوکت علی اس وقت پورے ہندوستان میں واحد آدمی تھے جو کانگریس کی اس تحریک کی کھل کر مخالفت کر رہے تھے۔ اسی دوران یعنی ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں منعقد ہوا جس کی صدارت ہندوستان کے ممتاز فلسفی شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے کی۔ علامہ اقبال یوں تو ۱۹۲۴ء سے ہی سیاسی تحریکات اور سرگرمیوں سے وابستہ ہو گئے تھے۔ لیکن اب تک کسی بھی تحریک میں کھل کر حصہ نہیں لیا تھا۔ وہ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن بھی رہے۔ اور اس دوران انہوں نے پنجاب کی سیاست یا بالفاظ دیگر میاں فضل حسین کی سیاست کے تمام نشیب و فراز کا بہتر طور پر جائزہ لیا تھا۔ اور اب ان کی سوچ ایک ٹھوس حقیقت کی طرف مائل تھی۔ مسلم لیگ کا اجلاس الٰہ آباد اُن کی اس سوچ کا ذریعہ اظہار ثابت ہوا۔ اور انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں ہندوستان کے آئندہ دستور کا خاکہ پیش کیا۔ علامہ اقبال کا یہ خطبۂ صدارت علمیت، معنویت، افادیت، اہمیت، بالغ نظری، وسعتِ خیال، جدتِ افکار اور عالمانہ مجتہدانہ صلاحیتوں کا مظہر تھا۔ اور نہ صرف مسلم لیگ کی تاریخ میں بلکہ سیاستِ ہند کی تاریخ میں یہ خطبہ ایک خاص امتیاز کا حامل ہے اس خطبہ میں علامہ اقبال نے موجودہ پاکستان کا نظریہ پیش کیا تھا۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ "میری ذاتی طور پر یہ خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود مختاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔ قسمت بنگالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں

ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور انتظامی اصلاحات میں بھی اور کمی ہوجائے گی۔ پھر ان اضلاع کی علیٰحدگی سے مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہوجائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیئے نہ ہندوؤں کو ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ اس طرح نہ صرف ہندوستان کا مسئلہ حل ہوجائے گا بلکہ خود اس سے مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہوجائیں گے اور ان کا جذبۂ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔ [1]

علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد میں پیش کردہ تجویز سے ملتی جلتی ایک بات ممتاز قومی کارکن چودھری رحمت علی ۱۹۱۵ء میں بزم شبلی کے افتتاحی خطبہ میں کہہ چکے تھے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کا شمالی علاقہ مسلم ہے اور ہم اسے مسلم علاقے کی حیثیت سے ہی برقرار رکھیں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کو ایک ریاست بنائیں گے۔ اور یہ ہم صرف اس وقت کر سکتے ہیں کہ جب ہم کو اور ہمارے شمالی علاقے کو ہندوستان کہنا موقوف کر دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ اس کے لئے شرط اولین ہے لہٰذا جس قدر جلد ہم ہندوستانیت سے پیچھا چھڑائیں گے۔ اتنی ہی ہمارے لئے اور اسلام کے لئے سود مند بات ہوگی۔ [2]

چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب شاہراہِ پاکستان میں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد میں پیش کردہ تجویز اور چودھری رحمت علی کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں ذاتی اطلاع کی بناء پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ چودھری رحمت علی اور علامہ اقبال میں ان سیاسی مسائل کے متعلق کبھی کوئی گفتگو یا خط و کتابت ہوئی یا نہیں مگر دونوں کا نظریہ ایک تھا صرف علامہ اقبال کے خطبہ میں مجوزہ مسلم اسٹیٹ کا کوئی نام نہیں لیا گیا ہے۔ [3]

---

[1] رئیس احمد جعفری ندوی ص ۲۴۸ ۔ اقبال اور سیاست ملی۔ اقبال اکیڈمی۔ کراچی

[2] شریف الدین پیرزادہ ص ۱۶۲ ۔ پاکستان منزل بہ منزل مطبوعہ گلڈ کتاب گھر کراچی۔

[3] چودھری خلیق الزماں ص ۵۰۹

سنہ ۱۹۳۱ء

لندن میں گول میز کانفرنس کی کارروائی جاری تھی اور محمد علی جناح پوری تندہی سے اس میں حصہ لے رہے تھے۔ ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کو کانفرنس کا پہلا اجلاس ختم ہو گیا۔ اجلاس کے اختتام پر وزیراعظم ریمزے میکڈ نلڈ نے ملک معظم کی سرکاری پالیسی کی تشریح کی جس میں اُن کا مطمع نظر یہ تھا کہ کانگریس مطمئن ہو کر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں حکومت برطانیہ کے ساتھ تعاون کرے۔ وزیراعظم کے اس بیان میں کانگریس کے لئے سب کچھ تھا۔ اور اس وجہ سے اور بھی زیادہ کہ مسلمانوں کے تمام مطالبات ابھی معلق تھے۔ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ارون نے اس بیان کے ایک ہفتے کے اندر گاندھی جی اور کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے تمام ارکان کو بلا شرط رہا کر دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی تیج بہادر سپرو، جیکر اور سری نواس شاستری، درمیان میں پڑے۔ گاندھی جی اور لارڈ ارون کے درمیان گفتگو ہوئی اور مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی جی اور لارڈ ارون کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا۔ کانگریس اس پر رضامند ہو گئی کہ سول نافرمانی بند کر دے گی۔ اور آئندہ گول میز کانفرنس میں شرکت کرے گی لیکن حکومت سول نافرمانی کے تمام قیدیوں کو رہا کر دے۔ کانگریس نے مارچ ۱۹۳۱ء کے اجلاس میں گاندھی ارون معاہدہ کی توثیق کر دی اور گاندھی جی کو دوسری گول میز کانفرنس میں کانگریس کا واحد نمائندہ نامزد کیا گیا۔ اسی دوران مسلمانوں کو ایک شدید صدمہ سے دوچار ہونا پڑا یعنی اسلامی سیاست کے علمبردار اور مسلمانوں کے حقوق کے بے باک ترجمان مولانا محمد علی جوہر ۴ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

وہ لندن میں گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے تھے کہ حالت بگڑ گئی اور دیارِ غیر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ محمد علی جوہر کی ذات ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے گنجینۂ گوہر تھی۔ انہوں نے زمانہ طالب علمی سے لیکر آخری سانس تک برصغیر کے مسلمانوں کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مشکل لمحہ میں محب وطن آنکھیں ان کا چہرہ اور حق شناس کان اُن کی آواز کے متلاشی رہتے تھے۔ محمد علی جوہر کی موت سے نہ صرف پورا برصغیر ماتم کدہ بن گیا بلکہ پوری اسلامی دنیا ماتم و شیون میں ڈوب گئی۔ افغانستان سے لیکر ترکی اور ترکی سے سرزمین حجاز تک اُن کا غم منایا گیا۔ گول میز کانفرنس کے دوران محمد علی جناح کے لئے مولانا جوہر کی ذات بڑی حوصلہ افزا تھی جناح ہر چند کانفرنس میں آغاخان کے ساتھ نظر آتے تھے۔ لیکن اصولی طور پر اُن کا دل محمد علی جوہر کی قیادت و بے باکی کا مداح تھا۔ محمد علی جوہر کے انتقال پر محمد علی جناح کے تاثرات کیلئے اس کا تو کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لیکن لندن سے واپسی پر مولانا شوکت علی سے محمد علی جناح کے دلی مراسم اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ محمد علی جناح کو مولانا جوہر سے انس پیدا ہو گیا تھا۔

جی الانا نے اپنی کتاب قائداعظم جناح میں لکھا ہے کہ پہلی گول میز کانفرنس کے کچھ مندوبین نے اپنے اختلافات ختم کرنے اور برطانوی وفد کے مقابلے میں ایک متحدہ محاذ بنانے کی پرخلوص کوششیں جاری رکھیں۔ قائداعظم اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ رٹز ہوٹل لندن میں مقیم تھے۔ اور اسی ہوٹل میں مسلمانوں کے وفد کے قائد آغاخان بھی قیام فرما تھے۔ بنا بریں فیصلہ کیا گیا کہ اسی ہوٹل میں مسلم وفد کا ایک دفتر قائم کیا جائے۔ لندن میں نواب بھوپال کا مکان بھی موجود تھا۔ یہ مکان اور رٹز ہوٹل میں آغاخان کا کمرہ تمام مصالحتی کوششوں کا مرکز بن گیا۔ مصالحت کے لئے مسلمانوں نے قائداعظم اور آغاخان کو نمائندگی کا اختیار دے رکھا تھا۔ مصالحت کی بات گھنٹوں جاری رہی اور انتہا پسند ہندوؤں کے علاوہ دیگر تمام جماعتوں نے اتفاق رائے کی غرض سے ہر

معاملے پر مصالحانہ جذبے کا اظہار کیا بظاہر ہندوستانی نمائندوں میں ہم آہنگی اور اتفاق رائے موجود تھا مگر دلوں میں اختلافات اور شکوک وشبہات کا غبار بھرا ہوا تھا۔ وفاق کے مسئلے پر خود مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے موجود تھا۔ جناح صاحب وفاق کے نظریہ کے مخالف تھے لیکن بعد میں مسلم وفد کی اکثریت کے خیال کے پیش نظر انہوں نے اس بات کی مخالفت ترک کردی۔ آغاخان نے اپنی یادداشتوں میں تحریر کیا ہے کہ مجھے اس خیال سے خوشی ہوتی ہے کہ جب مسلم وفد میں ہم نے وفاق کی حمایت کا اعلان کیا تو مسٹر جناح نے جو وفاق کے انتہائی مخالف تھے اپنی مخالفت ترک کردی اور بعد میں جو مذاکرات ہوئے اس کے سلسلے میں انہوں نے ہمیشہ اپنی معاونت جاری رکھی۔ [1]

پہلی گول میز کانفرنس کے اختتام پر ہی محمد علی جناح نے لندن میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا تھا کیونکہ پہلی گول میز کانفرنس میں ہندوؤں نے جو رویہ اختیار کر رکھا تھا وہ بڑا حوصلہ شکن تھا۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد وہ کچھ عرصہ تک تو رٹز ہوٹل میں مقیم رہے لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنے لئے لندن میں مکان کی تلاش شروع کردی یہ زمانہ بھی محمد علی جناح کے لئے سخت سیاسی بیزاری کا زمانہ تھا۔ وہ یہ بات سمجھنے سے اب تک قاصر تھے کہ ہندو مسلم اتحاد ناگزیر کیوں ہے اور وہ کیا سیاسی عوامل ہیں جو ان دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں حارج ہیں۔ ستمبر ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس شروع ہونے والی تھی۔ کانفرنس کے بیشتر مندوبین لندن ہی میں مقیم تھے۔ اس عرصہ میں ڈاکٹر علامہ اقبال بھی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن پہنچ چکے تھے۔ ہیکٹر بولائتھو نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ لندن میں جناح اور علامہ اقبال کی کئی مرتبہ ملاقات ہوئی اور ان میں دوستانہ مراسم استوار ہوگئے لیکن اپنی شکستوں اور مایوسیوں کے باوجود محمد علی جناح اس وقت تک علامہ اقبال

---

[1] سر آغاخان ص ۲۱۷

کی سیاسی منطق کے قائل نہیں ہوئے تھے۔[1]

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے اپنی کتاب اقبال کے آخری دو سال میں لکھا ہے کہ جب علامہ اقبال نومبر ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن پہنچے تو وہاں انکی برسوں کے بعد محمد علی جناح سے بالمشافہ ملاقات ہوئی۔ لندن کی اقبال ایسوسی ایشن نے علامہ اقبال کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی جس میں گول میز کانفرنس کے مندوبین کے علاوہ محمد علی جناح نے بھی شرکت کی اور علامہ کی مدح و ستائش میں ایک فصیح تقریر کی۔ علامہ اقبال جب گول میز کانفرنس کی کارروائی سے دلبرداشتہ ہو کر وطن واپس آ رہے تھے۔ تو اس دوران بھی محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے درمیان پھر ملاقات ہوئی۔ اور یہ دونوں رہنما اس بات پر ضرور متفق ہو گئے تھے کہ گول میز کانفرنس سے مسلمانوں کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچے گا۔[2]

پہلی گول میز کانفرنس کی ناکامی نے نہ صرف محمد علی جناح کو دلبرداشتہ کیا تھا بلکہ اُس زمانہ میں انگلستان میں مقیم ہندوستانی طالب علم بھی اس بات پر بڑی الجھن اور غصہ کا شکار تھے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہندوستانی طالب علموں نے انڈین مجلس کے زیر اہتمام کانفرنس کے مندوبین کو اپنے یہاں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ لیکن زیادہ تر ہندو مقررین کو مدعو کیا جاتا تھا جس کی بناء پر مسلمان طالب علموں نے کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک جلسہ کا اہتمام کیا اور اس کے پہلے ہی اجلاس میں محمد علی جناح کو تقریر کرنے کی دعوت دی۔ اس ایسوسی ایشن کے ایک رکن جناب ایم اے حسین نے جو اس جلسہ کے منتظمین میں شامل تھے۔ اپنے ایک مضمون میں جلسہ کی کارروائی قلمبند کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "جلسہ ٹرینٹی کالج کے اولڈ کامبینیشن روم میں کیا گیا تھا۔ دعوت نامے سارے ہندوستانی طالب علموں اور ان کے انگریز دوستوں کے نام بھیجے گئے تھے جتنے آسانی سے ہال میں آ سکتے تھے۔

---

[1] ہیکٹر بولائتھو۔ ص ۱۵۹
[2] عاشق حسین بٹالوی۔ ص ۳۰۹

مسٹر جے اے رحیم ایسوسی ایشن کے صدر اور میرے دوست ایم اے کے قزلباش سکریٹری تھے۔ جب مسٹر جناح سے جلسہ میں تقریر کرنے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے فوراً قبول کر لی اور جلسہ ہفتہ کے دن ۶ جون ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ جلسہ میں مسٹر جناح اپنی بہن محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ فرانس کی بنی ہوئی مشہور قیمتی گاڑی ہسپانو سوئزا میں بیٹھ کر تشریف لائے۔ جن لوگوں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ اُن کی شخصیت سے بیحد متاثر ہوئے۔ ان کی خوش پوشی نے انھیں فوراً ہی نوجوان خوش باش طالب علموں کا محبوب بنا دیا۔ طالب علموں کے علاوہ جو علم دوست حضرات جلسہ میں شریک ہوئے ان کی حیرت کا وقت بعد میں آنے والا تھا۔ مسٹر جناح کی تقریر کوئی گھنٹہ بھر جاری رہی جیسا کہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔ اس وقت تک وہ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے زبردست حامی تھے۔ اور حالانکہ ان کے ۱۴ مطالبات نے فرقہ پرست ہندوؤں کے دل میں ان کی طرف سے ایک کد پیدا کر دی تھی۔ لیکن ان میں اکثر سچے دل سے یہی سمجھتے تھے کہ ہندو مسلمان اتحاد اگر کوئی حاصل کر سکتا ہے تو صرف مسٹر جناح انہوں نے کہا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک واضح کلچر اور طرز زندگی ہے جو انھیں کے لئے مخصوص اور انھیں بے حد محبوب ہے اور اس لئے ان کی خواہش ہے کہ ہر آئین میں اُن کے اس تمدن اور معاشرت کو پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔ دوسری اہم بات جو جناح صاحب نے اس موقع پر کہی تھی وہ یہ کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات بھی اکثریت رکھنے والی قوم کے دل میں اس کی طرف سے بے اعتباری پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ رویہ مناسب نہیں اس موقع پر انہوں نے مصر کے زاغلول پاشا کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جس میں زاغلول پاشا نے اپنے ایک صحیح عمل سے قبطی اور مصری مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اس کے برخلاف ہندو ہمیشہ مسلمانوں سے کوئی سودا کرنے اور سودے پر جھگڑے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسئلہ کو حل کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگ ایک دوسرے

پر بھروسہ کریں۔ ایم اے حسین نے لکھا کہ حالانکہ اس جلسہ میں جناح صاحب نے مسلمانوں کے نقطۂ نظر اور مسلمانوں کے وفد کے طرزِ عمل کی ترجمانی بڑی قابلیت اور کامیابی سے کی تھی لیکن اُن کی پوری تقریر قومیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی انہوں نے مشترکہ انتخاب کی حمایت کی اور اس بات پر زور دیا کہ ہم سب کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونا چاہئیے لیکن انہوں نے اس موقع پر اس چیز کی وضاحت بھی کر دی کہ چونکہ عام طور پر مسلمان مشترکہ انتخاب کے حامی نہیں ہیں۔ اس لئے آئین میں جداگانہ انتخابات کا ہونا لازمی ہے۔ جناح صاحب نے پورے مسئلے کو اس قدر وضاحت اور منطقی انداز سے پیش کیا کہ کیمبرج کے وہ نوجوان بھی جنہیں عموماً اپنی قابلیت کا پندار ہوتا ہے اُن سے کوئی الٹا سیدھا سوال نہ کر سکے۔ اس طرح جناح صاحب کی ذات کی بدولت کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کا پہلا جلسہ بے حد کامیاب رہا۔ اس بات سے ہمارے بعض ہندو دوست کچھ خوش نہ ہوئے اور ہم لوگوں کے تعلقات بظاہر بغیر کسی معقول وجہ کے کچھ دن تک کشیدہ رہے۔ اگلے دن یعنی ۷ر جون ۱۹۳۱ء کو کچھ مسلمان طالب علموں کی محمد علی جناح سے ملاقات سینٹ جان کالج میں چائے پر ہوئی۔ اور یہاں ذرا زیادہ بے تکلفی سے باتیں ہوئیں۔ اس ملاقات میں جناح صاحب نے ہندوؤں کے ارادوں کے متعلق زیادہ یقین کے ساتھ شبہے ظاہر کئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن جناح صاحب نے گاندھی جی کا ذکر برابر "مہاتما جی" کہہ کر کیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ "آخر تو ہندو ہیں اور اس لئے ان کے لئے ہندوؤں کا مفاد باقی ہر مفاد سے بڑھ کر ہے۔" اس دن کی گفتگو سے یہ بات صاف طور پر ظاہر تھی کہ جناح صاحب کے دل میں گاندھی جی کی بڑی عزت تھی۔ اپنے متعلق محمد علی جناح نے کہا کہ جب سے انہوں نے مسلمانوں کے چودہ مطالبات پیش کئے ہیں ہندوؤں کو اُن پر بھروسہ نہیں رہا۔ اس پر ہم میں سے کسی نے کہا کہ "لیکن صرف آپ ہی مسلمان رہنماؤں میں ایسے

ہیں جن کی طرف سے ہندوؤں کے دل میں سب سے کم بے اعتباری ہے اور اس لئے شاید آپ ہی کی ذات ہندوؤں سے مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کروا سکتی ہے[1]

دوسری گول میز کانفرنس سے قبل بقول ہیکٹر بولائتھو محمد علی جناح ہیمپسٹیڈ کے علاقے میں بیتھ روڈ پر ایک عالی شان مکان ولیسٹ ہیتھ ہاؤس میں منتقل ہو گئے تھے جو انہوں نے لیڈی گریہم وڈ سے خریدا تھا۔ مطلوب الحسن سید نے لکھا ہے کہ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت سے قبل کچھ دن کے لئے محمد علی جناح ہندوستان واپس آئے اور بمبئی کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ عہد تنظیم اور اتحاد کا عہد ہے اور جب تک مسلمان متحد نہیں ہو جاتے اس وقت تک وہ اپنے مسائل حل نہیں کرا سکتے انہوں نے کہا کہ میں پہلے ایک ہندوستانی اور پھر مسلمان ہوں مگر اسکے ساتھ ہی میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اگر کوئی ہندوستانی باشندہ مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے تو وہ اپنے ملک کی خدمت نہیں کرتا کیونکہ مسلمانوں کو طاقتور بنا کر انہیں متحد کر کے اور انہیں مملکت کا مفید شہری بنا کر ہی آپ ملک کی خدمت کر سکتے ہیں انہوں نے ہندوؤں کو خبردار کیا کہ وہ مسلمان اور اچھوتوں کو نظر انداز نہ کریں بلکہ ان سے فراخدلانہ برتاؤ کر کے انہیں اپنا دوست بنائیں۔ میں کسی جماعت کو برا نہیں سمجھتا۔ میں شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کا خواہاں نہیں ہوں۔ میں نہایت دیانت داری سے آپ کو بتا رہا ہوں کہ ہندوؤں نے موجودہ رویہ اختیار کر کے حماقت اور انتہائی حماقت کا ثبوت دیا ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندو جب تک اپنے میں ہمت اور اعتماد پیدا نہیں کریں گے۔ وہ مسلمانوں سے خوفزدہ رہیں گے ہندوستان کو سوراج نہ مل سکے گا۔

دوسری گول میز کانفرنس ستمبر ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئی محمد علی جناح نے اس کانفرنس کی کارروائی میں کوئی نمایاں حصّہ نہیں لیا کیونکہ کانفرنس میں فرقہ وارانہ مسائل پر گفتگو شروع ہو گئی۔ محمد علی جناح جو ہمیشہ سے اتحاد و یکجہتی کے علمبردار تھے۔ اس فضا کو کس

[1] ایم آر حسین صفحہ ۵ "ایک نئے دور کا آغاز" مضمون مطبوعہ ماہنامہ "ماہِ نو" نومبر ۱۹۴۸ء

طرح برداشت کر سکتے تھے گاندھی جی نے دوسری کانفرنس میں شرکت کے دوران ہر مسئلہ پر یہ موقف اختیار کیا کہ میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بغیر ہندو مسلم مسئلہ پر کچھ نہیں کہہ سکتا یعنی وہ اس طرح حکومت پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ حکومت کانفرنس میں شرکت کے لئے ڈاکٹر انصاری کو بھی مدعو کرے تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ کانگریس ہندو اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے لہٰذا فرقہ وارانہ مسئلے کا فیصلہ اس پر چھوڑ دیا جائے کانفرنس میں شریک مسلمان مندوبین نے اس طرز عمل کی شدید مخالفت کی۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ایک اجلاس میں اقلیتوں کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ سر آغا خان نے اپنی یادداشتوں میں کانفرنس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس اجلاس میں گفت و شنید کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کیونکہ گاندھی جی نے ابتداء سے ہی یہ موقف اختیار کیا کہ اقلیتوں کے متعلق فی الحال کانفرنس ملتوی کر دی جائے۔ میں گاندھی جی اور مسٹر جناح سے تبادلۂ خیال میں معروف ہوں۔ یہ تبادلہ خیال میری قیام گاہ پر ہو رہا ہے بطور میزبان میں ہی ان اجلاسوں کی صدارت کرتا ہوں ایک طرف محمد علی جناح اور سر شفیع بیٹھے ہوتے اور دوسری طرف گاندھی جی۔ اکثر و بیشتر محمد علی جناح تقریر کرتے کانگریس کی ایک ہی ضد تھی یعنی ایک قومی نظریہ جو ہمارے نزدیک تاریخی طور پر کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔[1]

ہیکٹر بولائتھو نے لکھا ہے کہ اس زمانے کے سیاسی حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری گول میز کانفرنس کے اختتام سے پہلے ہی محمد علی جناح کی سیاسی حیثیت ماند پڑ چکی تھی۔ اور وہ اپنے خیالات اور طرز عمل کو بدلنے کے بجائے سیاست سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ پہلی اور دوسری کانفرنس میں محمد علی جناح نے دو تقاریر کیں ان کو جناب رفیق افضل نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل سے درج کیا ہے اور یہ تفصیلات اُن کی کتاب کے صفحہ ۳۱۲ سے لیکر صفحہ ۴۱۱ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں محمد علی جناح کو بلایا نہیں گیا اس لئے کہ وہ اس وقت ہندوستان

---

[1] سر آغا خان ص ۲۲۸

کی سیاست میں کوئی خاص اثر نہ رکھتے تھے۔ اور نہ کسی قابل ذکر گروہ کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ اسی زمانے میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ لندن میں رہ کر پریوی کونسل میں مقدمات کی وکالت کریں گے۔ اس دوران محمد علی جناح کی کلوتی صاحبزادی دینا جناح بھی اپنے والد کے پاس لندن آ گئی تھیں۔ اور انہوں نے ایک اسکول میں داخلہ لے لیا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح بھی بمبئی میں اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیکر بھائی کے پاس آ گئی تھیں۔ تاکہ اس خود اختیار کردہ جلاوطنی میں بھائی کا ساتھ دے سکیں۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے رہنما موتی لال نہرو ۱۳ مارچ کو لکھنؤ میں مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ اسی سال مسلمانوں کے عظیم رہنما اور محمد علی جناح کے دست راست سر محمد علی خان راجہ صاحب محمود آباد مئی میں فالج کے حملے کے بعد محمود آباد میں انتقال کر گئے۔ راجہ صاحب محمود آباد سنہ ۱۹۰۴ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۵ء تک مسلم سیاست کا گہوارہ رہے اور اس دوران کوئی سیاسی تحریک ایسی نہیں تھی جس میں انکی کوششیں شریک حال نہ رہی ہوں۔ راجہ صاحب محمود آباد نے اپنی ریاست کے انتظام اور اپنے بڑے بیٹے راجہ امیر احمد خان کی مشاورت کے لئے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا تھا جس کے ٹرسٹیوں میں محمد علی جناح، شیخ حبیب اللہ، راجہ محمد مہدی، سید وزیر حسن اور خلیق الزماں شامل تھے۔ چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ٹرسٹیوں کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے محمد علی جناح دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء میں لندن سے ہندوستان آئے جبکہ سنہ ۱۹۳۲ء میں بھی ایک اجلاس میں شرکت کے لئے وہ ہندوستان آئے اس کے بعد ٹرسٹیوں کے اجلاس میں انہوں نے شرکت نہیں کی [1]

اسی سال برصغیر پاک و ہند کے عظیم عالم دین مولانا احمد حسن کانپوری کے صاحبزادے اور خلافت تحریک کے عظیم قائد مولانا نثار احمد کانپوری سفر حج کے

---

[1] چودھری خلیق الزماں صفحہ ۵۲۵

دوران انتقال فرما گئے۔ مولانا نثار احمد مفتی اعظم آگرہ کے نام سے مقبول تھے اور آپ نے مولانا محمد علی جوہر کی تحریک کے دوران بریلوی مکتبۂ فکر کے علماء سے خلافت تحریک کی حمایت حاصل کرنے کے سلسلے میں مذاکرات کئے تھے۔ آپ پر مولانا جوہر کے ہمراہ کراچی کے خالق دینا ہال میں مقدمہ چلا اور قید کی سزا ہوئی۔ مولانا کا خاندان علم دین کا گہوارہ تھا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا مشتاق احمد کانپوری ایک عرصے تک علم دین کی تدریس میں مصروف رہے اور کلکتہ میں مدرسہ صولتیہ قائم کیا جو آج بھی علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ لہ

لہ۔ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی ص ۲۵۲ تاریخ ہند و پاک مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۶۲ء

۱۹۳۲ء

گول میز کانفرنسوں کا اختتام ہوگیا تھا۔ اور اب وزیر اعظم برطانیہ کے اعلان کا انتظار تھا۔ ہندوستان میں وائسرائے لارڈ ارون کی جگہ لارڈ ولنگڈن کو وائسرائے مقرر کر دیا گیا۔ محمد علی جناح خاموشی کے ساتھ تمام تبدیلیوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسی دوران کیمبرج کی انڈین مجلس کا سالانہ ڈنر ہوا جس میں محمد علی جناح کو مہمان خصوصی شرکت ہونے کی دعوت دی گئی۔ محمد علی جناح نے جو ابتدا ہی سے نوجوانوں سے گفتگو کرنے اور ان تک صحیح فکر پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اس دعوت کو بخوشی قبول کر لیا۔ کیمبرج کے ایک سابق طالب علم نے جو اس دعوت کے منتظمین میں شامل تھے اپنے ایک مضمون میں دعوت کی تفصیلات یوں درج کی ہیں۔

اس ڈنر میں جہاں بہت سے معزز مہمان موجود تھے۔ ان میں سینٹ جانز کالج کے ماسٹر مسٹر جے ایم ورڈی اور کیمبرج یونیورسٹی یونین کے گذشتہ اور موجودہ صدر بھی موجود تھے۔ انڈین مجلس کے صدر سیلون کے رہنے والے نوارتنا راجا تھے۔ اور آکسفورڈ مجلس کی نمائندگی مسٹر ہمایوں کبیر نے کی تھی۔ ہمارے ان مہمانوں نے مسٹر جناح کے خیر مقدم کے لئے جو تقریریں کیں۔ ان کے جواب میں انہوں نے بھی تقریر کی چونکہ یہ تقریر کھانے کے بعد ہوئی تھی اس لئے اس کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔ لیکن یہ ہلکی پھلکی تقریر بھی شروع سے آخر تک شوخ مزاح اور طنز سے پر تھی نوارتنا راجا نے جناح کے چودہ مطالبات کی طرف ایک طنز آمیز اشارہ کیا تھا۔ اس لئے اپنی تقریر میں جب مسٹر جناح ہندوستان

کے مسئلے پر گفتگو کرنے لگے تو ان کا شوخ اور شگفتہ انداز فوراً بے حد سنجیدہ ہو گیا اور انہوں نے بڑی تلخی سے مہا سبھا کے اس رویہ کی مذمت کی جس کی بدولت قوم کو یہ ذلت گوارا کرنی پڑی کہ وہ اپنے معاملہ میں ملک کے حکمرانوں سے فرقہ وارانہ فیصلے کے طالب ہوں۔ انہوں نے آج بھی مسلمانوں کے مطالبات کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ مطالبات اتنے جائز ہیں کہ ہر ایک کیلئے قابل قبول ہونے چاہئیں۔ حالانکہ اس دن بھی جناح صاحب نے ذاتی طور پر مشترک انتخاب کو ترجیح دی۔ اس سلسلے میں مجھے ان کے گونجتے ہوئے الفاظ اب تک اچھی طرح یاد ہیں۔ "حضرات! جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں فرقہ وارانہ اختلافات سے تنگ آ چکا ہوں میرے لئے تو ہندوستان سب کچھ ہے" یہ بات ایسی تھی کہ نیشنلسٹ ذہنیت رکھنے والے ہندوؤں کو بے حد پسند آئی۔ اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ڈنر ختم ہوا تو مشتاق طالب علموں نے آکر جناح صاحب کو گھیر لیا۔ ان میں ہندوستانی، انگریز، ہندو اور مسلمان سب شامل تھے۔ بے شمار سوال پوچھے گئے۔ اور بار بار ان کے بارہا کہے ہوئے جملوں کی تشریح اور توضیح کرائی گئی۔ یہ تشریحات اور توضیحات مسٹر جناح نے اپنے مخصوص انداز میں اس قدر صفائی اور یقین کے ساتھ کیں کہ انہوں نے ہم میں سے ہر ایک کے دل پر قبضہ کر لیا! اس جلسہ میں سینٹ جانز کالج کے ماسٹر مسٹر وروڈی بھی شریک تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جناح صاحب کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ مجھے اب تک یاد ہے۔ "مجھے جب آج کے ڈنر کا دعوت نامہ ملا تو مجھے بتایا گیا تھا کہ مسٹر جناح بھی اس میں تشریف لا رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ مسٹر جناح ہماری ہی یونیورسٹی کے سابق طالب علم ہیں لیکن ان سے ملاقات ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ کبھی کیمبرج کے طالب علم نہیں رہے۔ حالانکہ میرا جی چاہتا تھا کہ کاش وہ ہماری یونیورسٹی کے طالب علم ہوتے۔ لیکن اب جبکہ میں ان کی شاندار تقریر سن چکا ہوں۔ میری یہ خواہش تیز تر ہو گئی ہے کہ کاش اس یونیورسٹی کو انہیں اپنا کہنے

کی عزت حاصل ہوتی ۔۔ اپنے قائد کی یہ تعریف ہم سب کے لئے باعثِ افتخار ہے اس رات کا بھولنا وہاں موجود رہنے والوں سے شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ۔ رات خاصی گذر چکی تھی ۔ لیکن مشتاق طالب علموں نے اب بھی جناح صاحب کو گھیر رکھا تھا ۔ اور ان سے سوال پر سوال کئے جا رہے تھے ۔ یہاں تک کہ ہوٹل کے نوکروں نے اس بڑے ہال کی روشنی گل کرنا شروع کر دی تھی جہاں ڈنر ہوا تھا ۔ ہم لوگ جناح صاحب کی گفتگو میں جو دلچسپی لے رہے تھے اسے دیکھ کر انہوں نے ہمیں اپنی قیام گاہ پر آنے کی دعوت دی اور وہاں پہنچکر ہم کئی گھنٹے ان سے گفتگو کرتے رہے ۔ وہ صبر و تحمل سے ہر سوال کا جواب دے رہے تھے ۔ اور انھیں اس وقت تک اطمینان نہ ہوتا جب تک وہ سوال کرنے والے کو مطمئن نہ کر دیتے ۔[1]

۱۶ / اپریل ۱۹۳۲ء کو وزیر اعظم برطانیہ نے کمیونل ایوارڈ کا اعلان کیا جو صرف صوبائی قانون ساز مجالس کی حد تک تھا ۔ مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب قائم رہا اور ان کے ساتھ یوروپین ، سکھ ، اینگلو انڈین ، اور ہندوستانی عیسائیوں کے لئے بھی وہ منظور ہوا ، بمبئی کے بعض انتخابی حلقوں میں مرہٹوں کے لئے بھی نشستیں متعین کی گئیں ۔ فرقہ وارانہ طور پر تقسیم شدہ نشستوں پر عورتوں کو بھی نیابت کا موقع ملا ۔ اس پر گاندھی جی چراغ پا ہو گئے ۔ اور انہوں نے وزیر اعظم برطانیہ کو ایک خط لکھا جس میں لکھا کہ اگر پست اقوام کی حد تک فرقہ وارانہ فیصلہ تبدیل نہ کیا گیا تو میں فاقہ کر کے اپنی جان دیدوں گا ۔

محمد علی جناح نے ۳؍ مارچ ۱۹۳۳ء کو لندن سے ایک مسلم سیاستداں چودھری عبدالمتین کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں اپنے اس موقف کو ایک مرتبہ پھر دہرایا کہ مسلمان صرف تحفظات کے ذریعے زندہ نہیں رہ سکتے ، ان کو اپنی صلاحیتوں اور جد و جہد کے سہارے زندہ رہنا ہوگا ۔ مسلمان بہت پیچھے ہیں اور انہیں بہت کچھ کرنا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے اب صرف ایک راستہ رہ گیا ہے کہ وہ متحد

---

[1] ۔ ایم اے حسین صاحب مضمون مطبوعہ ماہ نو کراچی ، نومبر ۱۹۴۸ء

ہو کر چودہ مطالبات کی تائید کریں ۔ اور کسی کے آلۂ کار نہ بنیں ۔ ذمہ دار مرکزی حکومت اُس صورت میں منظور کی جائے گی جب ہمارے تحفظات دستور میں موجود ہوں ۔ لیکن اس جال میں نہ پھنسیئے کہ پہلے صوبوں کو خود مختاری دی جائے گی ۔ بعد میں ذمہ دار مرکزی حکومت کے معاملے پر غور کیا جائے گا ۔ مجھے یقین ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کو ایسی صورت میں جبکہ ہم متحد ہوں گے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

۵ مئی ۱۹۳۲ء کو محمد علی جناح نے چودھری عبدالمتین کے ایک اور خط کے جواب میں تحریر کیا کہ "سردیاں بیت چکی ہیں ۔ اور آج کل موسم بڑا خوشگوار ہے ۔ میں یہاں آرام سے ہوں اور کام کر رہا ہوں ۔ مگر دل ہندوستان میں اٹکا ہوا ہے ۔ میری اور میری ہمشیرہ کی جانب سے تسلیمات ۔ دینا اسکول گئی ہوئی ہے ۔"

لندن میں قیام کے دوران محمد علی جناح ہندوستان کی صورتحال کے غیر جانبدارانہ اور درست جائزے کے سلسلے میں چودھری عبدالمتین پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اعتماد کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے زیادہ تر خط و کتابت چودھری عبدالمتین سے کی ۔

جون ۱۹۳۲ء میں محمد علی جناح نے انڈین مجلس کیمبرج کی ایک اور دعوت میں شرکت کی ۔ اس مرتبہ ان سے مجلس کے ہفتہ وار اجلاس میں تقریر کرنے کی درخواست کی گئی تھی ۔ فروری ۱۹۳۲ء کے عشائیہ سے اس دعوت تک ہندوستان کے حالات میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں ۔ جن کا محمد علی جناح کی شخصیت اور مزاج پر کافی اثر پڑا تھا ۔ چنانچہ اب وہ کانگریس اور مہا سبھائی رہنماؤں سے یکساں طور پر نالاں تھے ۔ محمد علی جناح نے کیمبرج کے ٹاؤن ہال میں اس جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کانگریس مہا سبھا اور برطانوی حکومت ہر ایک کو اپنے تند و تیز طنز کا نشانہ بنایا ۔ انہوں نے کہا کہ "ہماری موجودہ سیاسی جدوجہد میں تین جماعتیں ہیں ! انگریز، ہندو

اور مسلمان۔ اس لئے جب تک ہندو اور مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے انگریز ہندوستان سے نہیں جائیں گے۔ اور یہ صورت اُس وقت تک قائم رہے گی۔ جب تک کہ ہندو مسلمانوں کے مطالبات کو تسلیم نہ کرلیں۔ اور انگریز اپنی اِس پالیسی کو ترک نہ کرے کہ کبھی اِس طرف اور کبھی اُس طرف۔

محمد علی جناح نے اس جلسہ میں ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آخر مسلمان کیا مانگ رہے ہیں وہ جو کچھ مانگ رہے ہیں وہ اُنکی حیثیت اور ضرورت سے ہرگز زیادہ نہیں ہے۔ اگر آپ ان مطالبات کو بھی زیادہ سمجھتے ہیں تو اللہ آپ پر رحم کرے۔ [1]

یکم دسمبر ۱۹۳۲ء کو محمد علی جناح نے لندن سے چودھری عبدالمتین کے نام ایک اور خط تحریر کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ آپ کے خط کا شکریہ۔ یہ میرے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ آپ نے بڑی تفصیل سے تمام باتوں کی وضاحت کردی ہے۔ مجھے آئندہ بھی حالات سے باخبر رکھیئے۔

۱۹۳۲ء کے آغاز پر یعنی ۶ر جنوری کو مسلمانوں کے عظیم رہنما سر محمد شفیع انتقال کرگئے اُن کی ذات پرخلوص خدمات کی ایک اعلیٰ مثال تھی۔ وہ قیام مسلم لیگ سے لیکر گول میز کانفرنسوں کے اختتام تک نہایت تندہی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کے لئے سرگرم عمل رہے۔ اسی سال یعنی ۱۳ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو لکھنؤ میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کے خلیفہ اور ہندوستان کے ممتاز عالم دین مولانا وصی احمد محدث سورتی کے فرزند سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد انتقال کرگئے۔ اُن کی موت مسلمانوں اور خصوصاً سوادِ اعظم کے لئے بڑے صدمہ کا باعث تھی۔ مولانا نے ترک موالات کی مخالفت کی تھی اور وہ شروع سے ہی ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔

---

[1] ایم اے حسین صفحہ ۵۲۔ مضمون مطبوعہ ماہنامہ ماہِ نو، کراچی نومبر ۱۹۴۸ء

۱۹۳۳ء

۱۹۳۳ء میں ہندوستان کی سیاسی حالت بڑی ابتر تھی۔ خصوصاً مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جو اُن کی صحیح معنوں میں رہنمائی کرے۔ مولانا محمد علی، سر محمد شفیع، راجہ صاحب محمود آباد، ایک ایک کر کے سب ہی اُٹھ گئے تھے۔ صرف علامہ اقبال کی ذات پنجاب میں اور مولانا حسرت موہانی اور مولانا شوکت کی ذات متحدہ صوبہ جات میں ایسی تھی جو مسلمانوں کی بھلائی کے لئے دن رات جدوجہد کر رہی تھی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو ان حالات میں محمد علی جناح کی غیر موجودگی شدت سے محسوس ہو رہی تھی کیونکہ مسلمانوں کا قومی اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ کئی گروہ بن گئے تھے اور ہر گروہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھا۔ اور ہر شخص کی رائے یہ تھی کہ ایسے حالات میں صرف محمد علی جناح ہی اس قوم کو متحد و منظم رکھ سکتے ہیں۔ محمد علی جناح کے دور افتادہ دوست چودھری عبدالمتین نے جو محمد علی جناح کو ہندوستان کی صورتحال سے باخبر رکھنے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ اس موقع پر محمد علی جناح کو ایک خط لکھا جس میں اُن سے اپیل کی گئی کہ وہ ہندوستان واپس آ جائیں۔ اور مسلمانوں کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کر کے اُن کی قیادت سنبھال لیں۔ اس سلسلہ میں محمد علی جناح کو مسلم لیگ کی طرف سے بھی ایک تار روانہ کیا گیا تھا جس میں اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔
چودھری عبدالمتین کے مذکورہ بالا خط کا جواب محمد علی جناح نے ۳۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو دیا۔ اس خط میں آپ نے کہا کہ "میں لیگ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ مگر دسمبر سے قبل

ہندوستان واپس نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ میں نہیں سمجھ سکا کہ بحالات موجودہ میں وہاں کیا کرسکتا ہوں۔ آپ نے بجا فرمایا کہ میں اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لوں۔ مگر ہندوستان میں کام کرنے کی کیا واقعی گنجائش موجود ہے۔ یہ سوال ہے جس کی پیش نظر میں اب بھی سوچا کرتا ہوں کہ ہندوستان کو میری خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یہ بات دہراتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہندو صحیح صورتحال کا اندازہ نہیں لگائیں گے۔ ہندوستان کو بچانے کے لئے کچھ نہ کیا جا سکے گا۔ صورتحال کی تبدیلی ہندوؤں کے اختیار میں ہے رجعت پسند طاقتوں کا عروج لازمی ہے۔ وہاں کی سرگرمیوں اور دائرہ کار میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ مسلمانوں کو ملکا جارہا ہے۔ اور ان کا مخالفین کے ہاتھوں کھلونا بن جانا یقینی امر ہے۔ آئندہ دستوری ترقی کے متعلق صورتحال واضح ہے۔ یعنی صرف صوبائی خودمختاری ملے گی۔ اور وفاق کا قیام معطل رہے گا۔ ہندوؤں کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ لیکن کوئی اسکیم اگر اتفاقاً منظور کرلی گئی تو وہ موجودہ صورتحال سے بھی بدتر ہوگی اور جو لوگ اس کی آج تائید کررہے ہیں وہ محسوس کریں گے کہ انہیں دھوکا دیا گیا ہے۔[1]

چودھری عبدالمتین نے اس خط کا جواب بڑی تفصیل سے دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ آپ واپس ہندوستان آجائیں لیکن محمد علی جناح نے ۲۷ اپریل کو اس خط کا جواب دیتے ہوئے پھر اُن سے وہی سوال کیا کہ " مجھے ہندوستان بلایا جارہا ہے مگر کس لئے؟ وہاں کوئی ٹھوس چیز موجود نہیں ہے"۔ ابھی چودھری عبدالمتین سے محمد علی جناح کی خط و کتابت جاری تھی کہ ہندوستان کے ایک ابھرتے ہوئے رہنما نواب زادہ لیاقت علی خاں لندن پہنچ گئے۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں اور محمد علی جناح کی پہلی ملاقات ۱۹۲۸ء میں کلکتہ کی کل جماعتی کانفرنس میں ہوئی تھی۔ اور وہ اسی وقت سے محمد علی جناح کے مداح تھے۔ جولائی ۱۹۳۳ء کی ایک شام نوابزادہ

---

[1] جی الانہ صفحہ ۲۹۸

لیاقت علی خان اور اُن کی بیگم رعنا لیاقت محمد علی جناح کے مکان ویسٹ ہیتھ ہاؤس پہنچ گئے۔ ہیکٹر بولائتھو نے اپنی کتاب میں اس ملاقات کی تفصیل درج کی ہے جو اُن کو لیاقت علی خان کی بیگم کی زبانی معلوم ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں نوابزادہ لیاقت علی خان نے محمد علی جناح کو وطن واپسی پر نیم رضامند کر لیا۔ لیکن محمد علی جناح نے اُن سے کہا کہ آپ پہلے ہندوستان جاکر وہاں کے سیاسی حالات کا جائزہ لیں اگر آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ مجھے وطن واپس آ جانا چاہیئے۔ تو میں ضرور وطن لوٹ آؤں گا۔ لیاقت علی خان لندن سے ہندوستان واپس آئے اور انہوں نے یہاں سیاسی صورتحال کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں اور پھر محمد علی جناح کو لکھا کہ اب آپ وطن واپس آ جائیں۔[1]

اسی زمانہ میں جب محمد علی جناح لندن میں مقیم تھے۔ چودھری چودھری رحمت علی نے پاکستان نیشنل موومنٹ کی بنیاد ڈالی اور اس کی جانب سے ایسے کتابچے شائع کر کے تقسیم کئے جن میں ہندوستان کی وفاقی حیثیت سے انکار کر کے اس کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یہ تحریک خصوصاً طالب علموں میں بہت مقبول ہوئی اور اس کا سلسلہ کیمبرج یونیورسٹی سے شروع ہو کر علی گڈھ تک آ گیا۔

۲ اگست ۱۹۳۳ء کو متحدہ صوبجات کے رہنما نواب محمد یامین خان نے لندن میں محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ نواب یامین خاں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے۔ جہاں سے واپسی پر وہ ہمسٹیڈ گئے اور محمد علی جناح سے ملاقات کی — نواب محمد یامین خان نے اپنی سوانح "نامۂ اعمال" میں اس ملاقات کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "۲ اگست اتوار کے دن میں مسٹر محمد علی جناح سے ملنے ویسٹ ہیتھ ہاؤس ہمسٹیڈ گیا۔ جہاں محمد علی جناح گذشتہ دو سال سے مقیم ہیں یہ ایک نہایت عمدہ بنگلہ ایک ٹیلہ پر بنا ہوا ہے جس کا احاطہ بڑا اور باغ خوبصورت ہے اس ٹیلہ پر یہ تنہا ایک بنگلہ ہے۔ میں نے دروازے پر لگی بجلی کی گھنٹی بجائی تو ایک ویٹرس

---

[1] ہیکٹر بولائتھو ص ۱۶۹۔

آئی اور چاندی کی کشتی میں میرا کارڈ لے گئی اور پھر بلا لے آئی۔ مسٹر جناح اور مس فاطمہ جناح باغ میں گھاس پر بید کے مونڈھوں پر بیٹھے تھے۔ بہت دیر حالات حاضرہ پر باتیں رہیں۔ میں نے کہا کہ ہندوستان میں یہ مشہور ہے کہ آپ لارڈ ولنگڈن کے خوف سے ہندوستان چھوڑ کر یہاں آ بسے ہیں اس پر انہوں نے کہا کہ یہ میرے اور لارڈ ولنگڈن دونوں کے اوپر زیادتی ہے میں نہیں سمجھتا کہ لارڈ ولنگڈن ایک پرانے واقعہ کو دل میں رکھ کر ابھی تک مجھ سے اتنے خفا ہوں گے کہ مجھ سے انتقام لیں۔ نہ میں ایسا ڈرپوک آدمی ہوں کہ اس خیال سے ڈر جاؤں کہ وائسرائے مجھے کوئی زک پہنچا سکیں گے۔ درحقیقت میں نے ایک بڑا مقدمہ پریوی کونسل کا لے لیا ہے میں اس کی تیاری کر رہا ہوں اور اس کے کاغذات بھی چھپ رہے ہیں۔ جب تک مقدمہ ختم نہیں ہوتا میں یہاں پر ہوں چونکہ بار بار آنا جانا مشکل ہے اور یہاں آسانی سے تیاری ہو سکتی ہے بمبئی میں لوگ مجھ کو ہر وقت گھیریں گے اور مقدمہ کی تیاری بھی مشکل ہوگی۔ یہاں کتابیں اور نظیریں بھی آسانی سے مل جاتی ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ مسلم لیگ کو پھر ہاتھ میں لے لیجئے۔ ہم نے اس سال یہ پاس کیا ہے کہ آپ دوبارہ مستقل صدر کا عہدہ سنبھال لیں اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ مسلم لیگ سے مجھے کیا فائدہ ہوا میری ہندوؤں میں وہی حیثیت تھی جو گاندھی کی ہے لیکن جب سے انتخاب جداگانہ پر جھگڑا شروع ہوا ہے ہندو مجھ کو نہیں مانتے اور اب ان کے دلوں میں میری عزت نہیں رہی۔ میں نے کہا کہ جو آپ نے ہندوؤں کے دلوں سے کھویا وہ مسلمانوں کے دلوں سے حاصل کیا۔ پہلے جو ہندو آپ کو لیڈر مانتے تھے۔ وہ قدرتی نہ تھا اب مسلمان آپ کو لیڈر مانتے ہیں یہ قدرتی تعلق ہے لہٰذا قدرتی طریقہ اختیار کیجئے۔ جو صاف ہے کہ مسلمانوں کی قیادت کر کے ہی ان کے اصل حقوق حاصل کرنے میں ان کی مدد کیجئے۔ مقدمہ ختم کرتے ہی واپس آئیں اور پھر اسمبلی کی رکنیت کے لئے انتخاب میں حصہ لیں۔ [1]

محمد علی جناح کی ہندوستان سے عدم موجودگی کی بناء پر مسلم لیگ قطعی اپنی اہمیت کھو

[1] نواب یامین خاں۔ صفحہ ۲۸۵

ہو چکی تھی۔ اور اس عرصہ میں تین مسلم لیگیں قائم ہو گئی تھیں۔ ایک اصلی اور پرانی مسلم لیگ دوسری عبدالعزیز بیرسٹر کی مسلم لیگ اور تیسری حافظ ہدایت اللہ کی مسلم لیگ اس طرح اس جماعت کی طاقت جو پہلے ہی کمزور تھی مزید زائل ہو گئی۔ ادھر مولانا حسرت موہانی نے انڈیپنڈنٹ پارٹی قائم کر دی اور چودھری خلیق الزماں نے میدان صاف دیکھ کر یونٹی بورڈ بنا ڈالا جس کی بنا پر مسلمان مزید گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اس کے برخلاف کانگریس برابر اپنی جدوجہد میں لگی رہی اور اپنے مطالبات کے سلسلے میں حکومت پر اپنا اثر و رسوخ بڑھاتی رہی۔

۱۹۳۴ء

محمد علی جناح کی پریوی کونسل میں وکالت کے بارے میں تفصیلات ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکی ہیں۔ کتابوں اور مضامین میں صرف جستہ جستہ اُن کے انداز تخاطب اور طرز وکالت کے بارے میں تاثرات ملتے ہیں۔ مقدمات کے سلسلے میں کوئی واضح بات یا حوالہ سامنے نہیں آیا۔ محمد علی جناح کی تقریباً تمام سوانح نگار ہستیاں اس ضمن میں خاموش ہیں۔ ہکیٹر بولا تھو نے پریوی کونسل میں محمد علی جناح کی مصروفیات کے بارے میں لکھا ہے کہ ان دنوں محمد علی جناح نے کنگ بینچ واک میں اپنا دفتر قائم کیا تھا۔ لندن میں ان کا انداز گفتگو پہلے کے مقابلے میں دھیما اور لہجہ نرم ہو گیا تھا۔ کئی برس بعد پریوی کونسل میں جناح کی وکالت کا ذکر کرتے ہوئے مشہور انگریز قانون دان لارڈ جوڈٹ نے لکھا کہ جناح قانونی معاملات میں بڑے ہوشیار تھے اور پریوی کونسل میں اپنے مقدمات کی پیروی میں وہ بڑی فہم و فراست اور بصیرت کا ثبوت دیتے تھے اُن کی ان صلاحیتوں کی بنا پر ہم سب ان کا بہت احترام کرتے تھے۔[1]

گذشتہ چند سال کے دوران مسلمانوں کی زندگی میں جو سیاسی تعطل رونما ہوا تھا وہ ہر چند بڑا سنگین تھا لیکن اسی معطل شدہ دور کی کوکھ سے نئے عہد کے ماہ و سال جنم لینے والے تھے۔ مسلمانوں کی تمام جماعتوں کا اصولی طور پر مطمح نظر تو مسلمانوں کو ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہی تھا۔ لیکن طریقہ کار کے اختلاف نے اُن کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا تھا۔ شکوک و شبہات کی بڑی گنجائش پیدا ہو گئی تھی

[1] بولا تھو ص ۱۶۳

جس کی بنا پر مسلمانوں کی ملک گیر سیاسی سرگرمیاں مختلف علاقوں میں بٹ کر رہ گئی تھیں۔ ایسے حالات میں اگر کچھ افراد کو اس بات کا خیال آیا کہ محمد علی جناح کو وطن واپس بلایا جائے تاکہ وہ قوم کو متحد کر سکیں۔ تو واقعی ان افراد کی حب الوطنی اور سیاسی بصیرت قابلِ ستائش ہے۔

مطلوب الحسن سید نے محمد علی جناح کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ اپریل ۱۹۳۴ء میں محمد علی جناح ہندوستان میں وارد ہوئے لیکن چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب شاہراہِ پاکستان میں مارچ ۱۹۳۴ء میں محمد علی جناح سے اپنی ملاقات دہلی کے سیسل ہوٹل میں ظاہر کی ہے جہاں محمد علی جناح کو راجہ سلیم پور نے دعوت دی تھی۔ یہ بات خلیق الزماں نے اپنی انگریزی کتاب "پاتھ وے ٹو پاکستان" میں درج نہیں کی ہے اور بعد میں اس کو اردو کتاب میں شامل کر لیا ہے۔ چودھری خلیق الزماں کے علاوہ اپریل ۱۹۳۴ء سے قبل محمد علی جناح کی ہندوستان آمد کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ بلکہ سوانح نگاروں نے مطلوب الحسن سید کی ہی اس ضمن میں تحریر کردہ تفصیلات سے استفادہ کیا ہے۔

اپریل ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں محمد علی جناح نے بحیثیت صدر شرکت کی اور مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ اپنا اختلافات بھول کر مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں کیونکہ یہی جماعت مسلم قوم کے حقوق و مفادات کا تحفظ کر سکتی ہے۔

محمد علی جناح نے اس دوران اخباری بیانات بھی جاری کئے جن میں مسلمانوں کے آئندہ لائحہ عمل کا اظہار کیا گیا تھا۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ "اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان پر کمیونل ایوارڈ کا تسلط کس طرح روکا جائے۔ جب تک ہندو مسلمان متحد نہ ہوں گے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس دوران محمد علی جناح نے ایک مرتبہ

پھر اپنی دیرینہ خواہش کے زیر اثر ہندو رہنماؤں سے اتحاد اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے سلسلے میں مذاکرات کئے لیکن ان مذاکرات میں اُن کو ناکامی ہوئی۔ جی الانہ نے لکھا ہے کہ محمد علی جناح کی ان کوششوں کے ٹھوس نتائج برآمد نہیں ہوئے جس سے وہ بری طرح مایوس ہو گئے۔ محمد علی جناح کا خیال تھا کہ ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی جانب سے جو تلخی موجود ہے۔ اُس کے پیش نظر ہندوستان کا مستقبل تاریک ہی رہے گا۔ کیونکہ ہندو انگریزی اقتدار کو مسلمانوں کے مطالبات قبول کرنے کی نسبت ترجیح دیں گے۔ ؎۱

جناح کے انگریز سوانح نگار ہیکٹر بولائتھو نے اس زمانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم کیا ہے کہ "لیاقت علی خان کے مشورہ پر محمد علی جناح وطن لوٹے تو لیکن ابھی تک انہیں پوری طرح یقین نہیں آیا تھا کہ قوم کو اُن کی ضرورت ہے اس لئے وہ سیاسی سرگرمیوں میں کھل کر حصہ لینے سے جھجک رہے تھے۔ ایک شام بمبئی کے ولنگڈن کلب میں انہوں نے اپنے دوست دیوان چمن لال سے کہا کہ "سیاست سے میری توبہ" مگر پھر فوراً ہی یہ بھی کہا کہ "لیکن اگر تم جیسے چھ آدمی میری حمایت پر تیار ہوں تو میں میدانِ سیاست میں لوٹ آؤں گا"۔ دیوان چمن لال کا کہنا ہے کہ انہوں نے ملک کے چھ زبردست سیاسی رہنماؤں سے جو اپنی دیانت داری کے لئے بھی مشہور تھے تار دے کر پوچھا کہ اگر جناح سیاست میں واپس آجائیں تو کیا وہ اُن کا ساتھ دیں گے۔ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ وہ انگلستان واپس گئے تاکہ وہاں کی سکونت ترک کرنے کے سلسلے میں ضروری انتظامات کریں۔ انہوں نے پریوی کونسل کی وکالت ترک کر دی، اور ہیمپ اسٹیڈ میں اپنی کوٹھی فروخت کر دی اور ایک ہوٹل میں قیام کر لیا۔ ؎۲

؎۱ جی الانہ صفحہ ۳۰۰

؎۲ بولائتھو صفحہ ۱۷۰

میجر آفتاب حسن نے "کچھ یادیں کچھ باتیں" کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں لندن میں محمد علی جناح کے قیام کے بارے میں ایک واقعہ درج کیا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "۱۹۳۴ء کی بات ہے لندن میں محمد علی جناح مقیم تھے طے ہوا کہ طالب علموں کا ایک وفد ان سے دورسٹیڈ ہوٹل میں ملے اور پاکستان کی ضرورت و اہمیت کی جانب اُن کی توجہ مبذول کرائے۔ طلباء کا یہ وفد جب محمد علی جناح سے ملا تو انہوں نے مسکرا کر پوچھا کہ نوجوانو! کیا واقعی تم لوگ ہندوؤں کے ساتھ مل کر رہنے سے بالکل مایوس ہو چکے ہو۔ ہم نے کہا۔ بالکل مایوس ہو چکے ہیں۔ ساتھ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنا ملی وطن چاہیئے۔ محترمہ فاطمہ جناح جو قریب ہی بیٹھی تھیں فوراً بول پڑیں کہ یہ لڑکے ٹھیک کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے[1]
جس زمانہ میں محمد علی جناح لندن میں رہتے تھے۔ بمبئی کے مسلمانوں نے محمد علی جناح سے اپنی روایتی وفاداری کا ایک مرتبہ پھر ثبوت دیتے ہوئے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اُن کو بلا مقابلہ منتخب کرا دیا۔ جی الانہ نے اس انتخاب کی تفصیل یوں درج کی ہے۔ "بمبئی میں اُن کے حلقۂ انتخاب کے اراکین کی دلی خواہش تھی کہ وہ اسمبلی میں اُن کی نمائندگی کریں۔ اس غرض سے ابوبکر بیگ محمد کے مکان پر ممتاز مسلم باشندوں کا ایک جلسہ ہوا اور فیصلہ کیا گیا کہ محمد علی جناح کی منظوری حاصل کرنے کے لئے انہیں تار ارسال کیا جائے تاکہ بروقت اُن کے کاغذات نامزدگی داخل کئے جا سکیں۔
محمد علی جناح نے یہ درخواست قبول کر لی۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جب کاغذاتِ نامزدگی کی جانچ پڑتال کی گئی تو معلوم ہوا کہ اُن کے سوا کسی اور نے اس حلقۂ انتخاب سے نامزدگی کے کاغذات داخل نہیں کئے۔ اس طرح محمد علی جناح بلامقابلہ مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب قرار دے دیئے گئے۔[2]

---

[1] ۔ میجر آفتاب حسن۔ مضمون "کچھ یادیں کچھ باتیں" مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۱۴ اگست ۱۹۷۰ء
[2] ۔ جی الانہ صـ ۳۰۳

۱۹۳۵ء

۱۹۳۵ء میں محمد علی جناح اسمبلی کے رکن منتخب ہونے کے بعد جنوری میں انگلستان سے وطن واپس لوٹے اور اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس وقت اسمبلی کی صورتحال یہ تھی کہ کانگریس اور حکومت ہند کو تقریباً ۵۰ اراکین کی انفرادی طور پر حمایت حاصل تھی جبکہ بیشتر منتخب اراکین انڈیپینڈنٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔ اور اُنکی تعداد بائیس تھی اس طرح سے انڈیپینڈنٹ پارٹی کو نئی اسمبلی میں کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی کیونکہ ہر معاملے کے فیصلے کا دارومدار انڈیپینڈنٹ پارٹی کی رائے پر منحصر تھا۔ محمد علی جناح کی لندن سے واپسی پر اُن کو انڈیپینڈنٹ پارٹی کا لیڈر منتخب کر لیا گیا جنوری ۱۹۳۵ء میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس دہلی میں شروع ہوا۔ پہلے دن کے اجلاس میں بہار اور اڑیسہ میں آنے والے شدید اور تاریخ کے ہولناک زلزلہ پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ اس زلزلے سے تقریباً دو لاکھ افراد ہلاک و زخمی ہوئے۔ اور کئی ہزار ایکڑ زمین اوپر تلے ہو گئی۔ اسمبلی نے اس سلسلے میں ایک تعزیتی قرارداد بھی منظور کی اور زلزلہ زدگان کے لئے بھاری امداد کا اعلان کیا اس کے بعد اسمبلی کی باقاعدہ کارروائی شروع ہوئی۔

چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو جب دہلی میں اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ محمد علی جناح نے کانگریسی رہنما راجندر پرشاد سے ہندو مسلم مفاہمت کے سلسلے میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مکان پر گفتگو شروع کی یہ گفتگو کئی دن جاری رہی اور بالآخر ناکام ہو گئی۔ کیونکہ راجندر پرشاد نے مجبوری

ظاہر کی کہ وہ ہندو مہاسبھا کے رویہ کے متعلق کوئی ضمانت نہیں دے سکتے۔ [1]

گول میز کانفرنس کے بعد جب قرطاس ابیض شائع ہوا تو اس پر غور کرنے کے لئے ایک مجلس بنائی گئی جو برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کے اراکین پر مشتمل تھی اس مجلس نے اپنی سفارشات پیش کیں جو جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی کی رپورٹ کے نام سے نومبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئیں۔ اس رپورٹ پر مرکزی اسمبلی میں ۴ فروری کو بحث شروع ہوئی محمد علی جناح جنہوں نے اب تک اس رپورٹ اور قرطاس ابیض کے بارے میں خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ اب کھل کر سامنے آگئے اور ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو انہوں نے اسمبلی میں اس رپورٹ پر ماہرانہ تنقید کرتے ہوئے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو پوری صحت کے ساتھ واضح کیا اور اس کے ایک ایک جزو پر بحث کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یہ رپورٹ ہنوز ترمیمات کی محتاج ہے۔

پھر آپ نے اپنی ترمیم پیش کی جو آپ کی پارلیمانی نکتہ سنجی اور سیاسی ادراک کی ایک بہترین مثال ہے۔

آپ کی ترمیم تین اجزاء پر مشتمل تھی۔ پہلے جز میں آپ نے کہا کہ تا وقتیکہ فرقہ وارانہ تناسب کا ایک متفقہ حل دریافت نہ ہو جائے کمیونل ایوارڈ کو تسلیم کر لیا جائے اس جز کو حکومت نے تسلیم کر لیا جبکہ کانگریس کے اراکین خاموش رہے۔ ترمیم کے دوسرے جز میں محمد علی جناح نے صوبائی تجویز کو غیر تسلی بخش مگر ترقی پذیر ظاہر کرتے ہوئے تیسرے اور آخری جز مرکزی وفاق کو قطعی رد کر دیا۔ اس جز کی کانگریس نے تائید کی اس لئے یہ ترمیم بھی منظور ہو گئی۔

محمد علی جناح نے اس موقع پر اپنی تقریر میں قائد حزب اختلاف بھولا بھائی ڈیسائی کی جانب سے پیش کردہ تجاویز پر سخت تنقید کی۔ آپ کی تقریر کے دوران ستیہ مورتی، سر الف سرکار، اور سر ہنری کریک برابر لقمہ دیتے رہے لیکن محمد علی جناح نے اپنی تقریر ادائے مطلب تک جاری رکھی۔ [2]

---

[1] ۔ چودھری خلیق الزمان ص ۵۹۸

[2] ۔ عثمانی صمدانی ص ۲۷ ۔ جناح کی تقریریں ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن ستمبر ۱۹۴۵ء

۱۸ر فروری ۱۹۳۵ء کو دہلی کالج کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا کہ اگر میں اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یقین کیجئے کہ یہ اس ملک میں آزادی کے لئے لڑی جانے والی جنگ کو نصف جیت لینے کے مترادف ہوگا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ جب تک ہندو اور مسلمان متحد نہیں ہوں گے ہندوستان کی فلاح کی کوئی امید نہیں اور ہم دونوں یوں ہی ایک ملکی استعمار کے غلام رہیں گے۔" محمد علی جناح نے اس تقریر میں مرکزی اسمبلی میں اپنی ترامیم کے سلسلہ میں ہندو عناصر کے رویہ کی بھی مذمت کی اور کہا کہ میری ترامیم کی منظوری میری نہیں بلکہ پوری قوم کی فتح ہے۔ [1]

اسمبلی میں ترامیم کی منظوری کے بعد بھی محمد علی جناح نے ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں اپنی جدوجہد جاری رکھی انہوں نے ایک مرتبہ پھر راجندر پرشاد کو مذاکرات کی دعوت دی اور یہ مذاکرات کئی ہفتے تک جاری رہے۔ اس دوران محمد علی جناح مصالحت کی کوششوں میں اس قدر مصروف رہے کہ انہوں نے ۱۱ر فروری کو وائسرائے کی جانب سے قانون ساز اسمبلی کے اراکین کے اعزاز میں دیئے جانے والے عشائیہ اور ۱۵ر فروری کو آغا خاں کی جانب سے وائسرائے کے اعزاز میں دیئے جانے والے عصرانہ میں بھی شرکت نہیں کی۔

محمد علی جناح اور راجندر پرشاد کے درمیان ہونے والے مذاکرات ایک مرتبہ پھر مایوس کن حالات میں ختم ہو گئے۔ اس طرح دونوں تنظیمیں ایک دوسرے سے مزید دور ہو گئیں۔ ڈاکٹر پٹابھی سیتارمیہ نے اپنی کتاب ہسٹری آف دی انڈین کانگریس میں ان مذاکرات کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس سے ملک کو بڑی مایوسی ہوئی۔"

۱۲ر اپریل ۱۹۳۵ء کو اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔ محمد علی جناح ان دنوں دہلی سے بمبئی آ گئے تھے۔ جہاں ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر

---

[1] مطلوب الحسن سید صـ ۱۶۳

ان کی کوٹھی پھر کھل گئی تھی۔ راجندر پرشاد سے مذاکرات میں ناکامی کے باوجود محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کے داعی رہے۔ اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنی مساعی کو ترک نہیں کیا بمبئی کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کچھ کانگریسی اصحاب مسلمانوں کی حب الوطنی پر شک کرتے ہیں مگر میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ ہندو مہاسبھا نے مسلمانوں اور کانگریس کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اس ملک میں ہندوؤں کی حکومت نہیں بنے گی۔ بلکہ ہندوستانی حکومت قائم ہوگی جس میں مسلمانوں کو نہ صرف اپنا منصفانہ اور جائز حصہ ملے گا بلکہ انہیں ہندوؤں کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔

۲۳ راپریل ۱۹۲۵ء کو محمد علی جناح "کانتے وردے" نامی اطالوی بحری جہاز سے انگلستان روانہ ہو گئے جہاں اُن کو پریوی کونسل میں ایک مقدمہ کی پیروی کرنا تھی۔ محمد علی جناح ابھی انگلستان ہی میں مقیم تھے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے لئے آئین کے نئے مسودے کی منظوری دیدی جس کی جولائی ۱۹۲۵ء شاہ انگلستان نے توثیق کردی۔

پروفیسر حسن ریاض نے اپنی کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" میں لکھا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے خلاف مسلمانوں کو سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ ان کے مطالبے کے مطابق ان کے حقوق و مقاصد کی حفاظت کے لئے دستور میں واجب التعمیل دفعات نہیں رکھی گئیں بلکہ اقلیتوں کی حفاظت گورنروں اور گورنر جنرل خصوصی کے اختیارات میں داخل کردیں اس سے اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت تو کچھ نہ ہوئی البتہ ان کے اخلاق اور حوصلے پر یہ برا اثر پڑا کہ وہ اکثریت کے مقابلے میں انصاف حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ گورنروں اور گورنر جنرل کی خوشامد کرتے رہیں۔ [1]

---

[1] پروفیسر سید حسن ریاض ص ۱۸۲

۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو محمد علی جناح بذریعہ بحری جہاز انگلستان سے بمبئی واپس پہنچ گئے لیکن انہوں نے انڈیا ایکٹ کے بارے میں کھل کر کسی رائے کا اظہار نہیں کیا کیونکہ حسب عادت وہ پہلے عوامی ردعمل کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے مگر محمد علی جناح کی یہ خاموشی زیادہ دن برقرار نہ رہی اور آخرکار اُن کو اخبار نویسوں کے سامنے یہ کہنا پڑا کہ یہ ایکٹ ہندوستان پر مسلط کیا گیا ہے اس موقع پر مختلف رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور باہم مشورہ سے دستور کے سلسلے میں واضح اور مشترک پالیسی وضع کریں۔ دریں اثناء وہ مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے شملہ روانہ ہو گئے۔ جہاں ۲ر ستمبر سے اسمبلی کا سیشن شروع ہو چکا تھا۔

سنہ ۱۹۳۶ء

محمد علی جناح ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے انگلستان سے واپسی پر تمام غیر ضروری سیاسی سرگرمیوں کو ترک کر دیا تھا۔ وہ اپنے بمبئی کے مکان میں مقیم تھے۔ اور ہر مکتبہ فکر کے رہنماؤں سے مذاکرات کر رہے تھے۔ دراصل سنہ ۱۹۳۶ء ہی میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے اس نئے دور کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں سنہ ۱۹۴۰ء میں علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ محمد علی جناح جنوری سنہ ۱۹۳۶ء کے شروع میں بمبئی سے دہلی گئے جہاں انہوں نے نئے انتخابات کے سلسلے میں جمعیت علمار ہند کے رہنما مولانا احمد سعید اور ڈاکٹر انصاری سے مذاکرات کئے ۹ فروری ۱۹۳۶ء کو چودھری خلیق الزماں نے بھی محمد علی جناح سے ملاقات کی اور مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم پر بات چیت کی محمد علی جناح ابھی دہلی میں مذاکرات کر ہی رہے کہ لاہور میں مسجد شہید گنج کے مسئلے نے شدت اختیار کر لی۔ یہ مسجد اصولی طور پر مسلمانوں کی تھی لیکن بعد میں سکھوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ جون سنہ ۱۹۳۵ء میں سکھوں نے اس مسجد کو مسمار کرنے کا فیصلہ کیا جس پر پورے پنجاب میں شدید کشیدگی پھیل گئی۔ خوں ریزی اور فساد کی وارداتیں عام ہو گئیں۔ حکومت نے اس مسئلہ کو ختم کرنے کے بجائے جوابی تشدد کی راہ اختیار کی۔ اور دونوں طرف سے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ محمد علی جناح اس نازک صورتحال کے پیش نظر ۲۹ فروری کو لاہور پہنچے اور دونوں فریقین سے مصالحت کی بات چیت شروع کر دی۔ جس میں اُن کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ انہوں نے اس مسئلے کے مستقل حل کے لئے ایک مصالحتی کمیٹی قائم کی جس میں حکومت، مسلمانوں

اور ہندوؤں وسکھوں کے نمائندے شامل تھے۔ مسلمان نمائندوں میں علامہ اقبال اور نواب احمد یار خان دولتانہ سرفہرست تھے۔

۴ر مارچ ۱۹۳۶ء کو باشندگان لاہور کی جانب سے جن میں ہندو مسلم سکھ عیسائی سب ہی شامل تھے۔ محمد علی جناح کو خوش آمدید کہنے کی غرض سے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ ہوا۔ جس کے صدر لاہور کے بشپ تھے۔ اس جلسے سے دیگر رہنماؤں کے علاوہ بیرسٹر پنڈت نانک چند نے بھی خطاب کیا۔ اور محمد علی جناح کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر جناح جس بات کو درست سمجھتے ہیں اُس پر چٹان کی طرح جم جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی ترغیب و تحریص انہیں اس مقام سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ [1]

جلسہ سے محمد علی جناح نے بھی خطاب کیا اور گول میز کانفرنسوں کے دوران اپنی مشکلات کا تذکرہ کیا۔ ۵ر مارچ ۱۹۳۶ء کو دیال سنگھ کالج کی یونین نے محمد علی جناح کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔ اس موقع پر کالج کا ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یونین کے صدر پروفیسر لاجپت رائے نے مسٹر جناح کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہیں ہندوستان کے مشہور رہنما گوکھلے سے تشبیہہ دی۔ محمد علی جناح نے اس کے جواب میں ایک طویل تقریر کی جس میں انہوں نے طالب علموں سے کہا کہ میرا ابتدا سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی نجات فرقہ پرستی کے ذریعے سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں ماضی میں بھی اس عقیدہ کا حامل رہا ہوں اور آئندہ بھی اسی عقیدہ کا پیروکار رہوں گا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ اب بھی اگر انسان ہندوستان کی بے لوث خدمت کرنے پر آمادہ ہو جائے تو ہمارا مستقبل درخشاں ہو سکتا ہے۔

شہید گنج کی مسجد کا مسئلہ حل کرنے کے سلسلے میں پنجاب کے گورنر نے سرکاری طور پر محمد علی جناح کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر جناح نے اس ضمن میں جو کوشش

---

[1] ۔ عاشق حسین بٹالوی۔ ص ۲۶۳

کی ہے اُس کے لئے میں اُن کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ انہوں نے جو کام کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ قابلِ ستائش ہے اور میں دل کھول کر اُن کو داد دیتا ہوں۔ ۷ مارچ کو محمد علی جناح لاہور سے دہلی پہنچے جہاں ۳ فروری سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا تھا۔ دہلی پہنچکر محمد علی جناح اسمبلی کی کارروائی میں مصروف ہو گئے۔ ۱۰ مارچ کو انہوں نے مسٹر سیتا مورتی کی ایک تحریک پر آزاد پارٹی کے قائد کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ نیا آئین ہماری مرضی اور منشار کے موافق نہیں ہے اس لئے ہم اس پر رائے دیں گے۔ تاکہ ہماری آواز اُن لوگوں کے کانوں تک پہنچے جو اصل حاکم ہیں۔ ۱۱ مارچ کو محمد علی جناح نے مسٹر گوجا کی ایک تحریک پر بحث کے دوران آزاد پارٹی کے قائد کی حیثیت سے اپنا زیادہ تر وقت پوائنٹ آف آرڈر پر صرف کیا۔ اور ان کی بحث محکمہ دفاع کے سکریٹری مسٹر ٹاٹنہم سے ہوتی رہی۔ مسٹر ٹاٹنہم کا کہنا تھا کہ فوج میں ہر سال ۶۰ ہندوستانی افسر لئے جاتے ہیں جبکہ محمد علی جناح کا کہنا یہ تھا کہ حکومت کو ۳۵ کروڑ کی آبادی میں سے ۱۲۰ جوان مرد اس قابل نہیں ملتے کہ وہ ساری ضرورتیں پوری کر سکیں۔ [1]

اپریل ۱۹۳۶ء کے آغاز پر دہلی میں جمعیت علمار کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کی محمد علی جناح کو دعوت دی گئی۔ محمد علی جناح نے اس جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جہاں تک وفاقی اسکیم کا تعلق ہے ہم اس وقت تک جدوجہد کرتے رہیں گے جب تک کہ ہم حقیقی آئین نافذ نہیں کرا لیں گے۔ انہوں نے اس موقع پر مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ بہتر نمائندے منتخب کر کے اسمبلی میں بھیجیں کیونکہ یہ اُن کی موت اور زیست کا مسئلہ ہے اور اس کو بہر حال سنجیدگی اور باہمی مفاہمت کی فضا میں ٹھنڈے دل سے طے کرنا چاہیئے۔

اپریل کے آخر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا چوبیسواں سالانہ اجلاس سر وزیر حسن کی صدارت میں بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں محمد علی جناح نے ایک قرار داد پیش

[1] نواب یامین خان صفحہ ۱۲۰

کی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ کا یہ اجلاس گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے پیش نظر دستور اساسی کے خلاف جو کہ اہلِ ہند کی خواہشات اور اُن کے عزائم کے برخلاف اُن کے سر تھوپا گیا ہے اور جسے ملک کی متعدد جماعتیں مذموم قرار دے چکی ہیں شدید احتجاج کرتا ہے۔ لیگ کا خیال ہے کہ باوجود یکہ اس دستور اساسی کی صوبجاتی تجاویز بھی قابلِ اعتراض خدوخال سے پُر ہیں کیونکہ اِن میں عائد کردہ شرائط وزارت اور مجالس آئین ساز کے نظم و نسق کی ذمہ داریوں کو بالکل مہمل بنا دیتی ہیں با ایں ہمہ موجودہ صورت حال کے پیش صوبجاتی اسکیموں سے بقدر امکان استفادہ کرنا چاہیئے لیگ کا خیال ہے کہ گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۳۵ء کی پیش کردہ آل انڈیا فیڈرل اسکیم بالکل ناقص ہے۔ ہندوستان کے لئے شدید ضرر رساں ہے اس اسکیم کا مطلب یہ ہے کہ مکمل ذمہ دار حکومت کے متعلق ہندوستان کے مقاصد کی تکمیل میں بہت لیت و لعل سے کام لیا جائے۔ اس لئے برطانوی پارلیمنٹ کو لیگ متنبہ کرتی ہے کہ اس اسکیم کے نافذ ہونے سے بیشتر اس میں اہم تبدیلیاں کردی جائیں اور اگر برطانوی پارلیمنٹ نے اس پر غور وخوض نہ کیا اور اس میں اہم ترامیم نہ کی گئیں۔ تو یہ اسکیم عوام کو مطمئن نہ کر سکے گی۔ اس لئے امنِ عامہ خطرہ میں ہوگا۔

اجلاس میں ایک اور قرارداد کے ذریعہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ صوبجاتی الیکشن لڑنے کے لئے مؤثر قدم اٹھایا جائے۔ اس لئے محمد علی جناح کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی قیادت میں ایک سینٹرل پارلیمنٹری بورڈ قائم کریں جو ۵۴ افراد پر مشتمل ہو۔ یہ قرارداد راجہ غضنفر علی خاں نے پیش کی تھی۔ اس قرارداد کے بعد دراصل مسلمانوں نے ایک منظم جماعت کی حیثیت سے انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا اسی ماہ لارڈ ولنگڈن کی جگہ لارڈ لنلتھگو کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔

۲۹ مارچ ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد

ہوا۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو کو کانگریس کا صدر منتخب کر لیا گیا اجلاس میں انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور وزارتیں تشکیل دینے کا معاملہ کانگریس کی مجلس عاملہ کے سپرد کر دیا گیا۔

محمد علی جناح نے پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل کے سلسلے میں دورے شروع کر دیئے اور وہ ۲۹ اپریل کو لاہور پہنچے۔ اس وقت پنجاب میں سر فضل حسین کی قیادت میں یونینسٹ پارٹی کا دور جدید شروع ہو چکا تھا۔ سر فضل حسین پنجاب کی سیاست میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ محمد علی جناح نے یکم مئی ۱۹۳۶ء کو سر فضل حسین سے اُن کے مکان پر جا کر ملاقات کی جہاں وہ علالت کی بنا پر محوِ استراحت تھے۔ عاشق حسین بٹالوی نے لکھا ہے کہ محمد علی جناح کے ہمراہ ملک لال دین قیصر بھی تھے جناح اور فضل حسین میں دیر تک گفتگو جاری رہی۔ محمد علی جناح نے فضل حسین سے کہا کہ "آپ اسمبلی میں چودھری چھوٹو رام سے تعاون کریں لیکن اسمبلی سے باہر کسی مخلوط پارٹی کے نام پر نہیں بلکہ مسلم لیگ کے نام پر انتخاب میں حصہ لیں تاکہ اسمبلی میں مسلمانوں کا وجود ایک جداگانہ پارٹی کی حیثیت سے برقرار رہے[1]

سر فضل حسین سے مذاکرات کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس لئے محمد علی جناح نے مذاکرات ختم کر دیئے محمد علی جناح اس وقت لاہور میں میاں احمد یار خان دولتانہ کے مکان پر مقیم تھے جو یونینسٹ پارٹی کے چیف تھے لیکن ان مذاکرات کی ناکامی کے بعد وہ اس مکان سے ایک ہوٹل میں منتقل ہو گئے۔ کیونکہ میاں دولتانہ کے ساتھ قیام اُن کے نزدیک مصلحت کے خلاف تھا۔

لاہور میں قیام کے دوران محمد علی جناح نے پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل کے سوال پر علامہ اقبال سے بھی تبادلہ خیال کیا اس زمانہ میں علامہ اقبال بھی سخت علیل تھے۔ محمد علی جناح علامہ اقبال کے مکان واقع میکلوڈ روڈ پر تشریف لے گئے تو علامہ اقبال نے اُن کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ ان دونوں رہنماؤں کے درمیان ۱۹۲۸ء میں جو

---

[1] عاشق حسین بٹالوی۔ ص ۳۰۵

غلط فہمیاں تھیں وہ رفع ہو چکی تھیں۔ کچھ لندن کی ملاقاتوں کی وجہ سے اور کچھ لبعد کے واقعات کی نوعیت کے باعث دونوں کے درمیان اچھی خاصی یگانگت پیدا ہو چکی تھی۔ علامہ اقبال صوبائی مسلم لیگ کے صدر تھے اس لئے جب محمد علی جناح نے پارلیمینٹری بورڈ قائم کرنے کی درخواست کی تو علامہ اقبال نے فوراً اس تجویز کی حمایت کی اور امداد و اعانت کا وعدہ کیا۔ اس دوران محمد علی جناح نے اتحاد ملت اور مجلس احرار کے رہناؤں سے بھی ملاقات کی مگر کوئی مفید نتائج برآمد نہیں ہوئے۔

ابھی محمد علی جناح لاہور ہی میں تھے کہ علامہ اقبال، ملک برکت علی، خلیفہ شجاع الدین، غلام رسول خان اور پیر تاج الدین نے ایک مشترکہ بیان محمد علی جناح کی تائید و حمایت میں جاری کیا۔ اس بیان میں کہا گیا تھا کہ "مسٹر جناح کی بے نفسی اور دور اندیشی کی داد دینا چاہیئے کہ انہوں نے ایسے وقتوں پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ کے تحت نئے نتیجا با کا وقت قریب آرہا ہے مسٹر جناح کے اس اقدام سے اُن غرض پرست اور رجعت پسند حلقوں میں کھلبلی مچ گئی ہے جو اب تک مسلمانانِ ہند کی قیادت کا غلط دعویٰ کر کے اپنی مطلب براری کرتے رہے ہیں مسٹر جناح مسلمانوں کی تنظیم کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس کے ساتھ ہی ان مطلب پرست لیڈروں کے ہوائی قلعہ کا پاش پاش ہو جانا یقینی ہے کیونکہ اب مجلسِ قانون ساز میں مسلمانوں کی صحیح نمائندے جائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری قوم کو مسٹر جناح کی دیانت و امانت اور سیاسی بصیرت پر ایسا پختہ یقین ہے کہ مسلمانانِ پنجاب کی تمام طبقوں نے بیک آواز مسٹر جناح کی تجویز کو لبیک کہنے سے دریغ نہیں کیا۔ پنجاب کے مسلمان مسٹر جناح کی اس تجویز کے دل سے حامی ہیں کہ آئندہ صوبہ کی اسمبلی میں ایسے خوددار، خود اعتماد اور محب وطن نمائندوں کو بھیجا جائے جو اگر ایک طرف مسلمان قوم کے حقوق کا خاطر خواہ تحفظ کریں تو دوسری طرف ایوان کے دیگر ترقی پسند اراکین کے ساتھ مل کر آگے عامہ کا وقار بھی قائم کر سکیں محمد علی جناح نے جس اہم کام کی ابتدا کی ہے ہم اسکو تکمیل تک پہنچانے میں دل و جان سے اُن کے حامی ہیں"[1]

[1] عاشق حسین بٹالوی ص ۲۱۳

محمد علی جناح تو ایک ہفتہ لاہور میں قیام کرنے کے بعد راولپنڈی چلے گئے اور وہاں سے کچھ دن کے بعد کشمیر روانہ ہو گئے مگر پنجاب کی پوری سیاست درہم برہم ہو گئی۔ سر فضل حسین اپنی علالت کے سبب کوئی خاطر خواہ مزاحمت نہ کر سکے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی خاموش ہو گئے۔ کانگریسی عناصر پر تو ویسے ہی اس دورہ سے اوس پڑ گئی تھی جبکہ وہ مسجد شہید گنج کے سلسلے میں محمد علی جناح کی کوششوں کا اعتراف کر چکے تھے۔ اس لئے کیا کہہ سکتے تھے۔ محمد علی جناح کی لاہور سے روانگی کے بعد علامہ اقبال اور دیگر رہنماؤں کے مشترکہ بیان پر تنقید و تبصرہ کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ ۱۲ مئی کو ملک برکت علی نے پنجاب میں مسلم کی تنظیم جدید کے سلسلے میں ایک جلسہ طلب کر لیا۔ یہ جلسہ بیرسٹر میاں عبدالعزیز کے مکان بیرون لکھی دروازہ پر ہوا۔ جلسہ کی صدارت کے لئے علامہ اقبال تشریف لائے تھے۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم جدید عمل میں آئی۔ اور علامہ اقبال کو صوبہ کا صدر نامزد کیا گیا۔ ایک اور قرارداد میں محمد علی جناح کی اسکیم کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور اس سلسلے میں مکمل تعاون کا یقین دلایا گیا۔

۲۱ مئی ۱۹۳۶ء کو محمد علی نے سری نگر کشمیر سے مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے ۵۶ اراکین کے ناموں کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پورے ہندوستان میں سیاسی موشگافیوں کا سیلاب آ گیا۔ اخبارات و رسائل بھی اس ضمن میں کھل کر سامنے آ گئے۔ خصوصاً مولانا ظفر علی خان کے اخبار زمیندار نے پے در پے پارلیمنٹری بورڈ کے خلاف مقالے شائع کرنا شروع کر دیئے۔ اس تمام صورتحال سے محمد علی جناح کو آگاہ کرنے کی ذمہ داری علامہ اقبال نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی چنانچہ انہوں نے ۲۳ مئی کو محمد علی جناح کو ایک خط لکھا کہ "مجھے امید ہے کہ پنجاب کی تمام جماعتیں بالخصوص احرار اور اتحاد ملت کسی قدر غم و غصے کا اظہار کرنے کے بعد آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آپ کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔"

۲۸ مئی کو علامہ اقبال کے مکان پر مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا جس میں مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے لئے پنجاب کے نامزد اراکین کے علاوہ دیگر رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ اس جلسے کی صدارت علامہ اقبال نے کی۔ اس اجلاس میں آئندہ انتخابات اور مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ سے متعلق دو قراردادیں منظور کی گئیں۔

۸ جون کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس لاہور میں منعقد ہونے والے تھے چنانچہ محمد علی جناح ۶ جون ۱۹۳۶ء کو کشمیر سے لاہور پہنچ گئے جہاں اُن کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ عاشق حسین بٹالوی نے اپنی کتاب اقبال کے آخری دو سال میں لکھا ہے کہ یہ اجلاس اسلامیہ کالج حبیبیہ ہال کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے برکت علی اسلامیہ ہال میں ہوئے۔ جبکہ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے جو ان اجلاسوں میں شرکت کے لئے کلکتہ سے لاہور آئے تھے لکھا ہے کہ پہلا اجلاس ۸ جون کو میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر اور بعد کے سب اجلاس نیڈوز ہوٹل میں ہوئے۔ اس اجلاس میں نواب زادہ لیاقت علی خان، راجہ صاحب محمود آباد، ملک برکت علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید، مفتی کفایت اللہ، چودھری خلیق الزماں، نواب اسماعیل خان، راجہ سلیم پور، احمد یار خان دولتانہ، عبدالمتین چودھری، راجہ غضنفر علی، وغیرہ شریک ہوئے۔ اجلاس میں شرکت کے لئے ہندوستان سے چار سو سے زائد دیگر مسلم رہنماؤں اور کارکنوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب "قائداعظم جناح میری نظر میں" اس اجلاس کی پوری روئیداد تحریر کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ۲۶ یا ۲۷ رہنما پہلے میاں عبدالعزیز کے مکان پر اور پھر نیڈوز ہوٹل میں مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں جمع ہوئے تاکہ موجودہ سیاسی صورتحال کا جائزہ لیکر ایسے طریقے سوچے جا سکیں جن کے ذریعے نیم جان مسلم لیگ ایک زندہ اور فعال جماعت بن جائے اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ہونے والے انتخابات میں حصہ لے سکے۔[1]

[1] مرزا ابوالحسن اصفہانی صفحہ ۲۶

مرزا ابوالحسن اصفہانی نے ان اجلاسوں میں علامہ اقبال کی شرکت ظاہر کی ہے اور ایک تقریر بھی درج کی ہے۔ جبکہ عاشق حسین بٹالوی نے لکھا ہے کہ علامہ اقبال بورڈ کے کسی اجلاس میں شریک نہیں تھے۔ اور اُن کی صحت کے پیشِ نظر یہی مناسب خیال کیا گیا تھا کہ انہیں اس ضمن میں حتی الوسع زحمت نہ دی جائے لیکن پرکمیٹی کے کام کی روئیداد سے اُن کو باخبر رکھنا ضروری تھا چنانچہ غلام رسول خان ہر دوسرے روز اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام معاملات کی اطلاع دیتے تھے۔ علامہ اقبال نے ۹ رجون کو محمد علی جناح کو ایک خط لکھا جو غلام رسول خان نے دستی طور پر ناسیڈو ہوٹل میں محمد علی جناح کو دیا۔ اس خط میں علامہ اقبال نے لکھا تھا کہ "مجھے امید ہے کہ جو اعلان بورڈ شائع کرے گا۔ اس میں پوری اسکیم کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح بحث کی جائے گی۔ اور اس سلسلہ میں مخالفوں کی طرف سے جو اعتراض کئے جا رہے ہیں اُن کا بھی شافی جواب موجود ہوگا۔ اس بیان کے ذریعہ مسلمانوں کو خبردار کر دیا جائے کہ اگر انہوں نے مسلم لیگ کی موجودہ اسکیم کو منظور نہ کیا تو گذشتہ پندرہ سال میں ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ تمام تر ضائع کر بیٹھیں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسلمان خود اپنے ہاتھ سے اپنے قومی شیرازہ کو پارہ پارہ کر دیں گے"[۱]
ڈاکٹر اقبال نے اپنے خط میں جس صورت حال کا ذکر کیا تھا اُس پر بحث کے بعد ایک طویل بیان جاری کیا گیا جس میں آئین ساز مجلس کے اُن امیدواروں کے لئے جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی انتخابات لڑنا چاہتے تھے لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی وضاحت کی گئی تھی۔

ان اجلاسوں سے مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کے لئے پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپگنڈہ کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لئے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لئے محمد علی جناح نے

[۱] عاشق حسین بٹالوی صفحہ ۳۴۳

اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہ نہ اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے اس لئے صرف قومی جذبہ کے پیش نظر کام کیا جائے۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس پارٹی کے لئے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پوری کر سکتی تھی۔ [1]

محمد علی جناح بورڈ کے اجلاسوں میں شرکت کے بعد بمبئی روانہ ہو گئے لیکن علامہ اقبال اور اُن کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۲۵ جون ۱۹۳۶ء کو علامہ اقبال نے ایک خط کے ذریعہ محمد علی جناح کو اطلاع دی کہ سر سکندر حیات ایک دو دن ہوئے لاہور سے باہر گئے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے بمبئی میں ملاقات کریں گے۔ مجھے اپنی گفتگو کے نتائج سے باخبر کیجئے۔" پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس کے بعد جو اعلامیہ جاری کیا گیا تھا اُس کو عام کرنے کے سلسلے میں محمد علی جناح ایک مرتبہ پھر ہندوستان کے دورے پر نکل پڑے تاکہ اس اعلامیہ کے حق میں عوام اور رہنماؤں کو ہموار کیا جا سکے۔

۳۱ اگست سے شملہ میں اسمبلی کا سیشن شروع ہو چکا تھا جبکہ پورے ہندوستان میں انتخابی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اسی دوران علامہ اقبال نے ایک مرتبہ پھر محمد علی جناح کو لاہور آنے کی دعوت دی اور وہ ۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لاہور پہنچ گئے۔ اس مرتبہ لاہور پہنچنے پر محمد علی جناح کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ۱۱ اکتوبر کی شام دہلی دروازہ کے باغ میں مسلم لیگ کا جلسہ ہوا۔ علامہ اقبال کا پختہ ارادہ تھا کہ وہ اس اجلاس میں شرکت کریں گے لیکن عین وقت پر اُن کی طبیعت خراب ہو گئی۔ جلسہ کی صدارت ملک زمان مہدی خان نے کی۔ اس جلسہ میں محمد علی جناح نے پنجاب میں انتخابی مہم کا آغاز کرتے ہوئے ایک زور دار تقریر کی اور لیگ کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔

اسی سال کے شروع میں یعنی ۲۰ جنوری کو شاہ جارج پنجم کا انتقال ہو گیا اور

---

[1] - مرزا ابوالحسن اصفہانی صفحہ ۳۰

اُن کی جگہ کنگ ایڈورڈ ہشتم تخت نشین ہوئے لیکن سال کے اختتام تک وہ ایک شدید بحران کا شکار ہو کر مستعفی ہو گئے چنانچہ پارلیمنٹ نے شاہ جارج ششم کو بادشاہ مقرر کر دیا۔

اسی سال مئی میں خلافت تحریک اور کانگریس کے عظیم رہنما مختار احمد انصاری انتقال کر گئے۔ ۹ جولائی کو پنجاب کے بے بدل سیاستدان سر فضل حسین طویل علالت کے بعد لاہور میں چل بسے۔

جولائی کے آخری عشرہ میں فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے دوست اور ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مخالف مولوی شفقت حسین وکیل بریلی میں انتقال کر گئے۔ اُن کی بے وقت موت کو مذہبی حلقوں میں شدت سے محسوس کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے ترک موالات کے دوران زبردست خدمات انجام دی تھیں۔

سنہ ۱۹۳۷ء

آل انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کی گہما گہمی کے دوران سنہ ۱۹۳۷ء شروع ہوا۔ یہ سال اپنی سیاسی اہمیت کے اعتبار سے اس وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سال مسلمانوں نے اپنی بقاء اور ہندوستان کی آزادی کے لئے تہہ دل سے متحد ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ انتخابات کی یہ گہما گہمی فروری سنہ ۱۹۳۷ء سے لے کر ستمبر سنہ ۱۹۳۷ء تک جاری رہی اور اسی دوران پہلی مرتبہ اس بات کا فیصلہ ہوا کہ ہندوستان کے کن صوبوں میں کونسی جماعت کی حکومت قائم ہوگی۔ اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کے تمام صوبہ جات کے لئے ۱۵۸۵ نشستیں مخصوص کی گئی تھیں۔ جن میں سے ۷۱۴ کانگریس نے ۱۰۸ مسلم لیگ نے اور ۳۷۶ دیگر مسلم جماعتوں نے حاصل کیں۔ اس طرح کانگریس کو مدراس، بہار، یوپی، سی پی، اور اڑیسہ میں مکمل اکثریت حاصل ہوگئی۔ بمبئی اور سرحد میں چند آزاد امیدواروں نے کانگریس کی حمایت کا اعلان کیا اور ان صوبوں میں بھی کانگریس کی اکثریت ہوگئی۔ اس کے برعکس مسلم لیگ کو کسی صوبہ میں اکثریت حاصل نہیں تھی۔ اس لئے لیگ کی کسی صوبے میں وزارتوں یا حکومت کے قیام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مسلم اکثریت کے صوبے پنجاب۔ بنگال۔ سندھ اور سرحد میں کانگریس نے مسلم ارکانِ اسمبلی کو وزارتوں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن اُسے اپنے اس فریب میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ لاہور میں پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس کے بعد ہی سے محمد علی جناح انتخابی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ اور وہ ان دنوں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے دورہ پر

تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرایا جا سکے۔ دراصل یہ انتخابات مسلم لیگ اور محمد علی جناح کے لئے کھلا چیلنج تھے۔ کیونکہ اس سے قبل پنڈت جواہر لال نہرو کلکتہ میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کر چکے تھے کہ آج ہندوستان میں صرف دو فریق موجود ہیں یعنی نیشنل کانگریس اور برطانوی حکومت "۔ چنانچہ محمد علی جناح نے فوراً اس کا جواب دیا اور کہا کہ ہندوستان میں دو نہیں بلکہ تین فریق ہیں۔ نیشنل کانگریس، برطانوی حکومت، اور مسلمان۔ ہم نہ کانگریس کے خیمہ بردار بننے کو تیار ہیں اور نہ حکومت کی کاسہ لیسی کرنے پر آمادہ ہیں۔ ہماری اپنی قومی پالیسی اور پروگرام ہے۔

انتخابات میں کانگریس کی عظیم الشان کامیابی اور مسلم لیگ کی ناکامی نے محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے لئے بڑا مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ اور دونوں رہنما پوری تندہی کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دے رہے تھے کہ کسی صورت مسلمانوں کا قومی تشخص برقرار رہے اور ان میں مایوسی پیدا نہ ہو۔ جبکہ کانگریس کی کامیابی نے جواہر لال نہرو اور کانگریسی رہنماؤں کے دماغ خراب کر دیئے تھے۔ اور وہ برابر ایسے بیانات دے رہے تھے جن سے مسلمانوں میں مایوسی پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔ کانگریس نے ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کو جشن فتح کے طور پر دہلی میں آل انڈیا قومی کنونشن منعقد کیا جس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک طویل تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے نصیحتوں کا ایک طویل دفتر کھول دیا تاکہ مسلمان زیادہ سے زیادہ کانگریس میں دلچسپی لیں اور اس کی طرف راغب ہوں۔ اس صورتحال سے محمد علی جناح اور علامہ اقبال دونوں فکرمند تھے۔ چنانچہ کانگریس کی قومی کنونشن کی کارروائی پڑھنے کے فوراً بعد علامہ اقبال نے ۲۲ مارچ ۱۹۳۷ء کو محمد علی جناح کو ایک خط میں لکھا کہ ــــــــ "آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو کا وہ خطبہ ملاحظہ فرمایا ہوگا جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے کنونشن میں دیا ہے۔ اس خطبے میں مسلمانانِ ہند کے بارے میں جس پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے اس کو بھی آپ نے بخوبی محسوس کر لیا ہوگا۔

اس لیے میری رائے ہے کہ آل انڈیا قومی کنونشن کا ایک مؤثر جواب دینا بہت ضروری ہے۔ آپ کو چاہیے کہ فوراً دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم لیگ کنونشن منعقد کریں جس میں شرکت کے لیے نئی صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کے علاوہ دیگر بڑے بڑے مسلمان رہناؤں کو بھی مدعو کریں اس کنونشن میں آپ پوری صفائی کے ساتھ یہ حقیقت بیان کیجئے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ سیاسی ہستی کے مالک ہیں اور اس حیثیت سے اُن کا سیاسی مطمع نظر کیا ہے۔ میں چند روز میں دہلی آرہا ہوں پھر اس موضوع پر آپ سے زبانی گفتگو ہوگی۔"

علامہ اقبال ان دنوں بیمار تھے۔ اور دہلی صرف اس لئے گئے تھے کہ اپنے معالج حکیم نابینا صاحب کو نبض دکھا سکیں۔ لیکن جب وہ دہلی پہنچے تو محمد علی جناح وہاں سے جا چکے تھے۔ اس لئے علامہ اقبال اور جناح کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں ان دنوں محمد علی جناح کی پریشانیوں کا تذکرہ کچھ یوں کیا ہے کہ ـــ "مسٹر جناح جن مشکلات میں اُس وقت گھرے ہوئے تھے اُن کا صحیح اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تن تنہا آل انڈیا مسلم لیگ کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ لیاقت علی خان کے پارلیمنٹری بورڈ سے مستعفی ہو جانے کے بعد لیگ کا کوئی سکریٹری نہیں تھا۔ ساری خط وکتابت مسٹر جناح کو خود کرنا پڑتی تھی۔ اُن کے پاس کوئی ٹائپسٹ بھی نہیں تھا۔ خطوط اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ پھر ستم یہ ہوا کہ اقلیت کے صوبوں میں کانگریس کی عظیم الشان کامیابی نے وہاں کے مسلمانوں کو ایک عجیب مخمصے میں ڈال دیا۔ جگہ جگہ آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں کہ اب مسلمانوں کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ اپنی جداگانہ تنظیموں کو توڑ کر کانگریس میں شامل ہو جائیں ان حالات میں مسٹر جناح کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ وہ اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے بچائیں۔ اور انہیں مرکزیت سے ادھر اُدھر بھٹکنے نہ دیں چنانچہ عین اُس وقت جبکہ علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم کنونشن کے انعقاد کی تجویز پیش کی تھی

مسٹر جناح لکھنؤ پہنچ کر اس کوشش میں مصروف ہو چکے تھے کہ یوپی اسمبلی کے تمام مسلم اراکین کو مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیں۔ [۱]

ڈاکٹر بٹالوی نے محمد علی جناح کی شب و روز کی مصروفیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسٹر جناح کی عمر ۱۹۳۷ء میں ساٹھ سال ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی آرام و سکون اور تمول میں گذاری تھی۔ وکالت کے ابتدائی دو چار برسوں کی مشقت کے بعد قدرت نے انہیں زندگی کی تمام آسائشیں اور نعمتیں بڑی فراخدلی اور فیاضی سے مہیا کر دی تھیں۔ مدت سے ان کا یہ معمول چلا آ رہا تھا کہ وہ گرمیوں میں سیر و تفریح کے لئے یورپ چلے جایا کرتے تھے۔ لیکن اب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد جب قوائے انسانی کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے شب بیداریاں شروع کر دی تھیں۔ [۲]

ادھر ۲۵ر جنوری کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا تھا۔ لیکن محمد علی جناح اس قدر مصروف تھے کہ انہوں نے ابتدائی اجلاسوں میں یا تو شرکت نہیں کی اور اگر شریک ہوئے تو کسی کارروائی میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا۔ ۸ر مارچ ۱۹۳۷ء کو محمد علی جناح نے اسمبلی کی کارروائی میں شرکت کی۔ اور ایک رکن اسمبلی کی گرفتاری اور پھر رہائی پر پیش کی جانے والی تحریک التوار پر تقریر کی۔ انہوں نے اس بات پر بھی احتجاج کیا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ غیر ممالک میں اچھا برتاؤ نہیں کیا جا رہا ہے۔ [۳]

۲۰ر مارچ کو اسمبلی ۲۹ر مارچ تک کے لئے ملتوی ہو گئی لیکن محمد علی جناح اس سے قبل ہی لکھنؤ روانہ ہو چکے تھے۔ جہاں یوپی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا جلسہ منعقد ہونے والا تھا۔ لکھنؤ میں محمد علی جناح کی مصروفیات کے بارے میں ڈاکٹر بٹالوی نے اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں روزنامہ اسٹیٹسمین کے نامہ نگار کا ۲۰ر مارچ ۱۹۳۷ء کا ایک مراسلہ درج کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "گذشتہ اتوار

---

[۱] عاشق حسین بٹالوی ص ۳۸۷ — [۲] عاشق حسین بٹالوی ص ۳۸۹

[۳] نواب یامین خان ص ۶۶۹

کو مسٹر جناح نے یو پی میں اسمبلی کے ان مسلمان اراکین سے جو انڈیپنڈنٹ یا نیشنل ایگریکلچرل پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے ہیں مفصل گفتگو کی تھی۔ مسٹر جناح بڑی سرگرمی سے کوشش کر رہے ہیں کہ تمام مسلمان اراکین مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں مسلم لیگ پارٹی کا ایک اجتماع سلیم پور ہاؤس میں ہوا تھا۔ جہاں اس موضوع پر دیر تک بحث و مباحثہ جاری رہا۔ آخر رات کے ساڑھے گیارہ بجے مسٹر جناح وہاں سے اٹھ کر نواب سر محمد یوسف کے مکان پر گئے جہاں غیر لیگی اراکین ان کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ مسٹر جناح نے ان کو وہ شرائط پیش کیں جو مسلم لیگ نے مرتب کی تھیں آخر کار اس بات پر سمجھوتہ ہو گیا کہ غیر لیگی رکن اپنی اپنی جماعتوں سے مستعفی ہو کر اور مسلم لیگ کے حلف نامے پر دستخط کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ یہ معاملہ تقریباً رات کے ایک بجے طے ہوا۔ اور اس کام سے فارغ ہو کر مسٹر جناح واپس سلیم پور ہاؤس گئے تاکہ لیگ کے ارکان کو یہ خوشخبری سنا سکیں۔[1]

ادھر ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں کانگریسی رہنما راجندر پرشاد نے ایک طویل بحث کا آغاز کیا جس کا مقصد صرف مسلمانوں میں نفاق ڈالنا تھا جبکہ محمد علی جناح اب بھی فرقہ وارانہ مفاہمت اور اتحاد کے اصول پر کاربند تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسٹر بی جی کھیر کے ہاتھ گاندھی جی کے پاس ایک پیغام بھیجا جس کا جواب گاندھی جی نے ۲۲ مئی کو دیتے ہوئے کہا کہ ”کاش میں کچھ کر سکتا۔ میں قطعاً بے بس ہوں فرقہ وارانہ اتحاد کے بارے میں میرا یقین پہلے کی طرح محکم ہے البتہ موجودہ بے پناہ تاریکی میں دن کی روشنی دکھائی نہیں دیتی۔ ایسی مصیبت کے عالم میں روشنی کے لئے میں خدا کو پکارتا ہوں۔“[2]

دراصل کانگریس کے بڑے سے چھوٹے رہنما تک سب ہی بدرجہ اتم منافقت کا شکار تھے۔ ہر شخص بظاہر اتحاد کا دعویدار تھا۔ لیکن عملی طور پر اس کا مظاہرہ کرنے کو تیار نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے اپنی فتح کے بعد اس وقت تک صوبوں

---

[1] عاشق حسین بٹالوی صفحہ ۳۸۹۔

[2] عبدالرحمٰن سعید صفحہ ۱۲۲۔ قائدین کے خطوط جناح کے نام مطبوعہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن ۱۹۴۵ء

میں وزارتیں قائم کرنے سے انکار کردیا۔ جب تک کہ گورنر جنرل اور گورنر اس بات کی یقین دہانی نہ کرائیں کہ اقلیتوں کے تحفظ کے بارے میں اُنکو جو اختیارات دستور کی رو سے حاصل ہیں انکو وہ استعمال نہیں کریں گے۔ چنانچہ کچھ رد و کد کے بعد حکومت کانگریس کے اس مطالبہ کے سامنے جھک گئی۔ اور وائسرائے کی اس یقین دہانی کے بعد کہ صوبائی وزارتیں آزادی سے اپنا کام کریں گی اور گورنر یا گورنر جنرل اپنے اختیارات استعمال نہیں کریں گے۔ کانگریس نے وزارتوں کے قیام کی تیاریاں شروع کردیں۔ یکم اپریل کو پنڈت جواہر لال نہرو نے اقلیتوں سے عوام رابطہ مہم کا آغاز کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان رہنماؤں کو نظر انداز کرکے عام مسلمانوں کو کانگریس کے حق میں ہموار کیا جائے۔ ڈاکٹر امبیدکار اپنی کتاب "پاکستان اور دی پارٹیشن آف انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ اس تحریک سے اتحاد تو کیا پیدا ہوتا۔ اتحاد کے بجائے عداوت، کدورت اور مخالفت کی آگ پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھی۔ محمد علی جناح اب بھی کانگریس سے آبرومندانہ مفاہمت کے خواہاں تھے۔ چنانچہ وہ ۹ مارچ کو ایک بیان میں کہہ چکے تھے کہ ہماری پالیسی بالکل صاف ہے ہم چاہتے ہیں کہ موجودہ آئین سے چاہے وہ کیسا بھی ہے حتی الامکان فائدہ اٹھایا جائے۔ اس پالیسی کے اندر رہ کر ہم ہر ترقی پسند جماعت کے ساتھ اشتراک کرنے کو تیار ہیں: محمد علی جناح نے ۲۰ مارچ کو ایک اور اخباری بیان جاری کیا۔ جس میں کہا کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ لیگ کا پروگرام قوم پرستی اور وطن دوستی کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ہم کانگریس کے تعمیری پروگرام پر عمل کرنے اور اُس سے تعاون کرنے کو تیار ہیں لیکن اگر کانگریس نے انفرادی طور پر اکا دکا مسلمانوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج چنداں خوشگوار نہ ہوں گے۔

محمد علی جناح کے دونوں بیانات سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے علاوہ ہندوستان کے کئی اخبارات میں شائع ہوئے۔ لیکن کانگریس نے کوئی توجہ نہ دی اور وہ مسلسل سیاسی چالبازیوں کا مظاہرہ کرتی رہی اور اس نے یوپی میں کانگریس کے ایک جلسے میں جو ۲ مئی کو منعقد ہونے والا تھا چند مسلمان اراکین کو شرکت کی دعوت دی جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ یہ اطلاع محمد علی جناح کے لئے بڑی سوہان روح تھی چنانچہ انہوں نے یکم مئی کو ایک اخباری بیان میں جو نیٹا ٹمز لاہور میں شائع ہوا نہایت سختی کے ساتھ کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ اس قسم کی قابل اعتراض حرکتیں محض اس لئے کی جارہی ہیں کہ مسلمانوں کی قومی جمعیت میں انتشار پیدا ہو۔ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے اس صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد محمد علی جناح کو ایک خط لکھا کہ "اگر لیگ نے مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف توجہ نہیں دی تو پھر مجھے یقین ہے کہ مسلمان عوام بدستور لیگ کے پروگرام سے بے تعلق اور غافل رہیں گے۔" جولائی میں جب کانگریس نے وزارتیں بنانے کا فیصلہ کیا تو اس نے سب سے پہلے مسلم اقلیتی صوبوں میں مسلمان اراکین کو اپنے ہمراہ ملانے کی کوشش کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے جن کو کانگریس نے یوپی بنگال پنجاب اور سرحد پارلیمینٹری امور کا سربراہ بنادیا تھا۔ یوپی میں چودھری خلیق الزماں کو جو اسمبلی میں مسلم لیگ کے لیڈر تھے۔ وزارت میں شرکت کے لئے چند تجاویز پیش کیں۔ یہ تجاویز اصولی طور پر مسلم لیگ کے قتل کی دستاویز تھیں جس میں مسلمانوں سے کہا گیا تھا کہ وہ ہتھیار ڈال کر کانگریس سے تعاون کریں محمد علی جناح کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ سخت برہم ہوئے اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم ایک مساوی فریق کی حیثیت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں لیکن اپنی جداگانہ قومی حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ مسلم لیگ اور کانگریس میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکا۔

اس دوران محمد علی جناح اور سر سکندر حیات کے مابین بھی سیاسی اتحاد کے مسئلہ پر بات چیت جاری رہی۔ اس گفتگو میں علامہ اقبال نے زبردست کردار ادا کیا کیونکہ وہ اس امر کے لئے کوشاں تھے کہ پنجاب میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے اشتراک سے صوبائی حکومت قائم ہو چنانچہ علامہ اقبال نے لکھنؤ کے اجلاس سے قبل محمد علی جناح کو ایک خط ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو تحریر کیا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اہل پنجاب کی ایک بہت بڑی جمعیت مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لئے لکھنؤ پہنچ رہی ہے۔ یونینسٹ پارٹی بھی سر سکندر حیات کی زیر قیادت اجلاس میں شریک ہونے کی تیاریاں کر رہی ہے:

اجلاس میں شرکت کے لئے پنجاب کے مختلف رہنما ۱۳ اکتوبر تک لکھنؤ پہنچ گئے۔ ۱۴ اکتوبر کی رات محمود آباد ہاؤس میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت نواب اسماعیل خاں کر رہے تھے۔ جبکہ ایک اور کمرے میں محمد علی جناح سر سکندر حیات، مسلم لیگی رہنما ملک برکت علی اور میر مقبول محمود کے درمیان اتحاد کے مسئلے پر بات چیت ہو رہی تھی۔ رات کے گیارہ بجے اتحاد کی بات چیت فیصلہ کن طور پر اختتام کو پہنچی تو پہلے محمد علی جناح کونسل کے اجلاس میں گئے اور پندرہ بیس منٹ بعد سر سکندر حیات جلسہ گاہ میں آئے اُن کی آمد کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ محمد علی جناح نے کہا کہ سر سکندر حیات نے اعلان کیا ہے کہ وہ اور اُنکی جماعت کے تمام ارکان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں سر سکندر نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح کو اپنا رہنما تسلیم کیا اور اعلان کیا کہ وہ اپنی جماعت سمیت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں بعد ازاں انہوں نے وہ تحریر پڑھ کر سنائی جو تھوڑی دیر قبل لکھی گئی تھی اور جو بعد میں سکندر جناح پیکٹ کے نام سے مقبول ہوئی

۱۵ اکتوبر کو لکھنؤ میں مسلم لیگ کا تاریخ ساز اجتماع منعقد ہوا۔ چودھری خلیق الزماں کا خیال ہے کہ اتنا بڑا اجتماع اس سے پہلے مسلمانوں کا کبھی نہیں ہوا تھا۔ رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب خطباتِ قائداعظم میں اس اجلاس کی روداد لکھتے ہوئے کہا ہے کہ ـــ

مسلم لیگ کے اس اجلاس سے لیگ کی تنظیم نو اور احیاء کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔"
اس اجلاس میں شرکت کے لئے جب ۱۳ اکتوبر کو محمد علی جناح لکھنؤ پہنچے تو اُن کا شاندار استقبال کیا گیا اور لکھنؤ میں جلوس نکالا گیا۔ مطلوب الحسن سید نے اس اجلاس کی تفصیلات کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ اس موقع پر ہزاروں نوجوان ہری وردیاں زیب تن کئے جلوس کے ہمراہ تھے۔ محمد علی جناح کو ایک کھلی ہوئی موٹر میں جو بے پناہ سجی ہوئی تھی بٹھایا گیا تھا۔ اور راجہ صاحب محمودآباد اس موٹر کے آگے آگے پیدل چل رہے تھے۔ یہ جلوس چار گھنٹے میں قیصر باغ پہنچا جہاں محمد علی جناح کو قیام کرنا تھا۔ ۱۵ اکتوبر کے جلسے میں ہزاروں افراد موجود تھے۔ جہاں پہلے مولانا ظفر علی خان نے ایک مؤثر تقریر کی جس کے بعد محمد علی جناح نے اپنا خطبہ ارشاد فرمایا۔ محمد علی جناح کی یہ تقریر اپنی سیاسی اہمیت کے اعتبار سے ایک تاریخ ساز تقریر ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی کو ایک نئے انقلاب سے روشناس کیا۔ محمد علی جناح نے اپنے خطبہ میں افتتاحی کلمات کے بعد مسلم لیگ کے ماضی پر مختصر سی روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ ہندوستان میں مکمل قومی و جمہوری حکومت خود مختاری کی طلب گار ہے۔ انہوں نے حکومت پر الزام لگایا کہ وہ گورنروں کی خصوصی ذمہ داریوں سے دستبردار ہو گئی ہے جس کی وجہ سے کانگریسی وزارتیں مسلم دشمن سرگرمیوں میں معروف ہیں۔ مسلمانوں کو ہندی پڑھنے، بندے ماترم گانے۔ کانگریسی ترنگے کو سلامی دینے اور اسی قسم کی دوسری باتوں پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ تمام ہندوستان میں مسلمانوں کے جذبات کانگریس کی ان حرکتوں سے مجروح ہو رہے ہیں۔ اس قسم کی تباہ کن پالیسی سے جو نتائج پیدا ہوں گے اُن کی ذمہ داری سے حکومت برطانیہ بھی اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکے گی۔ محمد علی جناح نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے موجودہ حالات پر غور کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند ایک ایسی معین اور ہمہ گیر پالیسی کے ذریعہ اپنی تقدیر کا فیصلہ کریں جس پر تمام ہندوستان میں نہایت

وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے غیر مشروط حوالگی کی تبلیغ بعید خطرناک ہے یہ شکست خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے۔ کہ آپ اپنے آپ کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں اور مسلمان قوم کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور غداری نہیں ہو سکتی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی طے شدہ اور معیّن پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و واجبات کی موثر حفاظت کی جائے۔ لیگ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے گی کہ حکومت برطانیہ یا اسمبلیوں کے اندراد یا کوئی دوسری جماعت مسلمانوں کے مفاد کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ کانگریس نے اپنے گذشتہ دعاوی کے باوجود مسلمانوں کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا۔ اگر ملک کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو تاحال کانگریس اس قابل نہیں کہ وہ ملک کا نظم ونسق چلا سکے۔ میں ہندوستان کے ہر شہر، تحصیل، ضلع اور صوبہ کے مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ عوام کی فلاح وبہبود کے لئے تعمیری اور ترقی پسندانہ پروگرام بنائیں۔ اور مسلمانوں کی معاشرتی اقتصادی اور سیاسی ترقی کے لئے مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کریں۔ میں ملک یا صوبوں کی فلاح وترقی کے لئے کام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ تعاون سے قطعاً گریز نہیں کرتا۔ اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ تمام مرد عورتیں اور بچے آل انڈیا مسلم لیگ کے متحدہ پروگرام اور پرچم تلے جمع ہو جائیں۔ آپ اپنے آپ کو منظم کر کے اپنے اندر وحدت مقصد وخیال پیدا کریں۔ اور خود کو تربیت یافتہ اور منضبط شناسپاہیوں کی طرح آراستہ کرلیں اپنے اندر اخوت و رفاقت کے جذبات پیدا کریں اور ملک اور قوم کے لئے وفا اور دیانتداری کے ساتھ بے لوث قربانیاں دینے کے لئے تیار رہیں۔ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں اُن کی تقدیر اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے اور وہ ایک متحد، ٹھوس اور منظم طاقت کی حیثیت سے ہر خطرے اور ہر مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعے سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے۔ اپنے نصب العین

پر قائم رہیئے۔ ان شاء اللہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ [۱]

مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس اجلاس سے قبل نواب اسماعیل خاں کی سیاہ سموری ٹوپی جو وہ پہنے ہوئے تھے محمد علی جناح نے مانگی اور خود لگالی۔ وہ یہ ٹوپی لگائے ہوئے مسلم لیگ کے اجلاس میں شریک ہوئے چنانچہ یہ ٹوپی اس قدر مقبول ہوئی کہ لکھنؤ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی شہر کے بہت سے نوجوان اور معمر لوگوں نے یہ ٹوپی پہننا شروع کردی۔ [۲]

مسلم لیگ کے جلسے کی عظیم الشان کامیابی اور محمد علی جناح کی معرکۃ الآرا تقریر سے کانگریس کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اب مسلمان نئے عزم کے ساتھ ہندوستان کی سیاست میں حصہ لیں گے چنانچہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو گاندھی جی نے سیگاؤں سے محمد علی جناح کے نام ایک خط میں لکھا کہ "آپ کی لکھنؤ والی تقریر میں نے غور سے پڑھی۔ میری طرز و روش کے بارے میں آپ کی غلط فہمی پر مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ آپ کی تقریر شروع سے لیکر آخر تک اعلانِ جنگ ہے۔ مجھے توقع تھی کہ آپ مجھ غریب کو دونوں کے درمیان محض ایک واسطہ تصور فرمائیں گے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ تجویز پسند نہیں جس کا مجھے افسوس ہے۔ نزاع اور جھگڑے کے لئے فریق کی ضرورت ہوتی ہے اگر میں صلح نہ بھی کرا سکوں تو آپ مجھے فریق نہ پائیں گے۔" محمد علی جناح جو لکھنؤ کے اجلاس میں شرکت کے بعد بمبئی پہنچ گئے تھے۔ ۵ نومبر کو اس خط کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی کو لکھا کہ "مجھے افسوس ہے کہ آپ میری لکھنؤ والی تقریر کو اعلانِ جنگ سمجھتے ہیں اس کی نوعیت خالص مدافعانہ ہے برائے مہربانی اس کو دوبارہ پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن واقعات پر آپ کی نظر نہیں جو بارہ ماہ کے دوران رونما ہوئے ہیں۔" [۳]

اجلاس لکھنؤ کے بعد جب سر سکندر حیات اور اُن کی پارٹی کے دیگر ارکان لاہور پہنچے تو انہوں نے ایسے بیانات دیئے جس سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ مسلم لیگ سے ناخوش ہیں اور اسمبلی میں مسلم لیگ کی پارٹی نہیں بنائیں گے اس صورتحال نے پنجاب کے

۱؎ رئیس احمد جعفری صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۱۰۱ خطباتِ قائد اعظم۔ ۲؎ مرزا ابوالحسن اصفہانی صفحہ ۵۵۔ ۳؎ عبدالرحمن صدیقی صفحہ ۱۲۵

مسلم لیگیوں کو پریشان کر دیا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے ۳۰ اکتوبر کو محمد علی جناح کو ایک خط میں لکھا کہ "عام افواہ ہے کہ یونینسٹ پارٹی کا ایک حصہ لیگ کے حلف نامے پر دستخط کرنے کو تیار نہیں ہے سر سکندر اور اُنکی جماعت نے اب تک اُس پر دستخط نہیں کئے ہیں مجھے آج صبح معلوم ہوا کہ وہ لیگ کے آئندہ اجلاس تک اسی طرح ٹال مٹول کرتے رہیں گے بہرحال میں چند روز تک آپ کو پورے کوائف سے مطلع کر دونگا۔ اور پھر آپ کی رائے درکار ہوگی کہ آئندہ ہم کس طرح کام کو جاری رکھیں مجھے امید ہے کہ لاہور میں لیگ کے اجلاس کے انعقاد سے قبل آپ کم از کم دو ہفتہ کے لئے ہمارے صوبہ کا دورہ کر سکیں گے۔"
علامہ اقبال نے اس کے دوسرے دن ہی یعنی یکم نومبر کو اسی موضوع پر محمد علی جناح کو ایک اور تفصیلی خط میں اپنی اور سر سکندر حیات کی ملاقات کا ذکر تحریر کیا۔ ۸ نومبر کو علامہ اقبال نے ایک اور خط محمد علی جناح کو تحریر کروایا جس میں اُن سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال کیا ۱۰ نومبر کو محمد علی جناح کے نام خط میں علامہ اقبال نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ سر سکندر مسلم لیگ اور پراونشل پارلیمنٹری بورڈ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ۳ دسمبر کو ملک برکت علی نے محمد علی جناح کو سر سکندر اور یونینسٹ پارٹی کی سیاست کے بارے میں ایک تفصیلی خط تحریر کیا۔ اور مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کے لئے پنجاب کے چند اصحاب کو نامزد کرنے کی سفارش کی۔

اسی سال محمد علی جناح ۲۰ اگست کو شملہ پہنچے جہاں ۲۳ اگست سے اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ ۱۶ ستمبر کو انہوں نے اسمبلی میں پیش ہونے والے شریعت بل پر تقریر کی اور ۷ اکتوبر تک شملہ میں مقیم رہے۔

اسی سال ۱۱ مئی کو گولڑہ شریف میں برصغیر کے مشہور عالم دین اور پیر طریقت حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کی ذات گذشتہ نصف صدی تک ہندوستان اور خصوصاً پنجاب میں رشد و ہدایت

کا سرچشمہ بنا رہی۔ آپ کے علم کا چرچہ عرب و عجم میں عام تھا۔ اور شریعت کے مسائل میں علما اکثر آپ سے مشورہ کرتے رہتے تھے۔ ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء کو علامہ اقبال نے پیر صاحب کو ایک خط تحریر کیا تھا جس میں آپ سے زمان و مکان کے نظریہ کے متعلق معلومات دریافت فرمائی تھیں۔

سنہ ۱۹۳۸ء

ابھی سکندر جناح معاہدہ زیرِ بحث ہی تھا کہ ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء کو ہائی کورٹ کے فل بینچ نے مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں مسلمانوں کی اپیل خارج کر دی اور فیصلہ دیا کہ مسجد کو عام جائیداد منقولہ سے علیحدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کا مسجد شہید گنج میں نماز پڑھنے کا حق مدت ہوئی ساقط ہو چکا ہے۔ ہائی کورٹ کے اس فیصلے نے پورے پنجاب میں ایک مرتبہ پھر اضطرابی کیفیت پیدا کر دی۔ یہ صورتحال خصوصاً سر سکندر کی وزارت کے لئے بڑی تشویشناک تھی۔ کیونکہ اس بات کا شدید اندیشہ موجود تھا کہ سول نافرمانی شروع ہو جائے گی چنانچہ انہوں نے صورتحال پر قابو پانے کے لئے مسلم لیگ کا سہارا تلاش کیا۔ اور کوشش کی کہ علامہ اقبال اس سلسلہ میں ایک بیان دے کر مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل ہونے سے بچائیں لیکن علامہ اقبال جو عرصے سے صاحبِ فراش تھے اس سلسلہ میں کسی قسم کی مداخلت سے قطعی معذور تھے۔ اُن کی آواز گلے کی سرطان کی وجہ سے بیٹھ چکی تھی۔ اور وہ کسی مسئلہ پر گفتگو بھی نہیں کر سکتے تھے۔ محمد علی جناح چونکہ دو سال قبل اس مسئلہ میں ایک ثالث کی حیثیت سے لاہور آ چکے تھے۔ اس لئے وہ فریق بننا نہیں چاہتے تھے۔ مگر انہوں نے مسلم لیگ کو اس سلسلہ میں بحیثیت صدر ہدایات دیں۔ چنانچہ ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ کا ایک اجلاس دہلی میں منعقد ہوا تاکہ لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے سے جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اُس پر غور کیا جا سکے۔ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ مسجد شہید گنج کی بازیابی ہندوستان کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن چکا ہے اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ

یکم فروری کو ہندوستان بھر میں یوم شہید گنج منانے گی۔ اس کے علاوہ اس قضیہ کا حل تلاش کرنے کے لئے جلد ہی مسلم لیگ کا ایک اجلاس ہوگا۔ ادھر دلی میں مرکزی اسمبلی کا سیشن شروع ہوچکا تھا چنانچہ محمد علی جناح بمبئی سے جنوری کے آخری ہفتہ میں دہلی چلے آئے۔ ۴ر فروری کو فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج سر شاہ محمد سلیمان نے اپنی رہائش گاہ البیوکرک روڈ نئی دہلی میں ایک عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں مسلم لیگ کے ارکان اسمبلی و کونسل سب ہی شریک تھے۔ نواب سر یامین خان نے لکھا ہے کہ عشائیہ کے دوران ویسے تو سب ہی خوش مزاجی کے موڈ میں تھے لیکن مسٹر جناح خاص طور پر خوش مزاجی پر مائل تھے۔ وہ سیٹھ عبداللہ ہارون کی طرف دیکھ کر اُن پر فقرے کس رہے تھے۔ انہوں نے کہا سندھ کے آدمی اور خصوصاً کراچی کے بہت ناقابل اعتبار ہوتے ہیں کبھی اپنی بات اور وعدے پر قائم نہیں رہتے جب مسٹر جناح اپنا فقرہ مکمل کر چکے تو سر عبداللہ ہارون نے نہایت سادگی سے دریافت کیا۔ مسٹر جناح آپ کہاں پیدا ہوئے تھے مسٹر جناح فوراً بولے کراچی میں اور پھر چاروں طرف قہقہے گونج اٹھے بلہ ۱۹۳۷ء میں چند حریت پسند طلباء نے مسلم لیگ کی شاخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں قائم کردی تھی۔ چنانچہ فروری میں طلبہ نے محمد علی جناح کو علی گڑھ کے طلباء سے خطاب کرنے کی دعوت دی، اور وہ ۵ر فروری کو علی گڑھ پہنچ گئے۔ مختار مسعود نے اپنی کتاب "آواز دوست" میں محمد علی جناح کی علی گڑھ آمد کا حال اپنے مخصوص انداز میں تحریر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "میں نے قائداعظم کو پہلی مرتبہ ۱۹۳۸ء میں دیکھا تھا۔ علی گڑھ کے چھوٹے سے اسٹیشن پر ایک چھوٹا سا ہجوم تھا۔ ریل آئی تو اس ہجوم میں ذرا سی ہلچل ہوئی پہلے درجے کے ڈبے سے جو شخص نکلا وہ کسی تکلف یا توقف کے بغیر سیدھا لوگوں کے دلوں میں اتر گیا۔ روشن بیضوی چہرہ، چمکدار آنکھیں اور گونجدار آواز۔ کم گو اور کم آمیز۔ خاموشی میں باوقار۔ اور گفتگو میں بارعب۔ استادگی میں اتنے سیدھے کہ اپنی بلند قامتی سے بلند تر اور اپنی پختہ عمر سے کم تر لگتے تھے۔ کوئی شخص اُن کی مقناطیسیت سے بچ نہ سکا اور ہر شخص اُن کی برتری کا قائل ہوگیا۔ قائداعظم

---

[1] نواب یامین خان صفحہ ۶۹

حبیب منزل میں ٹھہرا کرتے تھے ۔ یہ میرس روڈ پر نواب صدر یار جنگ کی کوٹھی تھی ۔[1]

۵ فروری کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اسٹوڈنٹس یونین کی جانب سے یونیورسٹی کے اسٹریچی ہال میں ایک جلسہ ہوا جس سے محمد علی جناح نے خطاب کیا ۔ انہوں نے طالب علموں کو ماضی کی جدوجہد سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۲۴ء سے گول میز کانفرنس کے انعقاد تک ہندو مسلم اتحاد کی متعدد کوششیں کی گئیں ۔ نا معلوم اُس وقت میری خودداریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا ۔ میں نے اس مسئلے کے حل کے لئے اتنی انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک روزنامے نے اُس پر لکھا : مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال پر کبھی بیزار نہیں ہوتے ۔ لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا ۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ ، ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ اتحاد کی تمام توقعات اٹھ گئیں ۔ محمد علی جناح نے اس تقریر میں کانگریس کی حکمت عملی کی خوب قلعی کھول اور علی گڑھ کے نوجوانوں کو یہ باور کرایا کہ اگر مسلمانوں نے اتحاد و اتفاق سے کام لیا تو آپ کی توقع سے پہلے سمجھوتہ ہو جائے گا ۔ لیکن حصولِ آزادی سے پہلے اپنے استحقاق کو منوانا ہوگا ۔ چند ہی مہینوں کے کام سے لیگ کا نام ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا ہے اور لاکھوں افراد اس میں شامل ہو رہے ہیں ۔ میں آپ سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ آپ لیگ کے نظام میں شامل ہو جائیں تاکہ سارے مسلمانوں کی آواز ایک اور صرف ایک ہو ۔ مسلم لیگ نے آزادی حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے لیکن یہ آزادی نہ صرف مقتدر اور طاقتور کے لئے ہوگی بلکہ کمزور اور مجبور کے لئے بھی ہوگی ۔[2]

علی گڑھ کے اجلاس میں شرکت کے بعد محمد علی جناح پھر دہلی واپس آ گئے جہاں اسمبلی کا اجلاس جاری تھا ۔ اس دوران محمد علی جناح نے اسمبلی کی کارروائی میں

---

[1] مختار مسعود ص ۲۳

[2] رئیس احمد جعفری ص ۱۱۲ تا ص ۱۱۴ ۔ خطبات قائد اعظم ۔

کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ وہ مختلف رہنماؤں سے متنازعہ امور پر خط وکتابت کرتے رہے اس دوران جن رہنماؤں سے محمد علی جناح کی خط وکتابت ہوئی اُن میں علامہ اقبال پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی شامل ہیں۔ محمد علی جناح سے علامہ اقبال کی خط وکتابت جو علامہ کے آخری ایام کی خط وکتابت ہے مسجد شہید گنج اور مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے جبکہ پنڈت جواہر لال نہرو اور گاندھی جی سے فرقہ وارانہ اتحاد اور باہمی تعاون کے امور پر خط وکتابت ہوئی جسے بعد میں بغرض اشاعت اخبارات کو جاری کردیا گیا۔ یہ خط وکتابت کوئی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔

۲۰ مارچ کو مسلم لیگ کے دفتر بلی ماران میں کونسل آف انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ ہوا۔ محمد علی جناح نے اس اجلاس کی صدارت کی اور طے پایا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بنائی جائے اور لیگ کا پرچم اُسی جھنڈے کو قرار دیا جائے جو ۱۹۳۷ء کے اجلاس لکھنؤ میں لگایا گیا تھا۔ [1] اس اجلاس میں راجہ سید محمد مہدی آف پیرپور کی سرکردگی میں ایک کمیشن قائم کیا گیا جس کا کام یہ تھا کہ وہ کانگریسی وزارتوں کے صوبوں میں جاکر تمام بڑے شہروں اور قصبات میں حالات کا جائزہ لے اور لوگوں کے بیانات قلمبند کرے اور کانگریسی وزارتوں کے مظالم پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کرے۔

۲۹ مارچ کو محمد علی جناح نے وائسرائے ہند کے ظہرانہ میں شرکت کی آپ کے ہمراہ محترمہ فاطمہ جناح بھی تھیں۔ ۳ اپریل کو محمد علی جناح نے ارکانِ اسمبلی اور اپنے احباب کو ہیسٹنگز روڈ پر واقع اپنے مکان پر ایک عصرانہ دیا۔ یہ مکان محمد علی جناح نے حال ہی میں دہلی میں رہائشی مقصد کے لئے خریدا ہے۔

۴ اپریل کو انہوں نے تمام مسلمان ارکانِ اسمبلی کا ایک اجلاس طلب کیا اور اُس میں یہ طے کیا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی جائے ورنہ اس کے بغیر صوبہ جات میں مسلم لیگ کا قیام بے معنی ہے۔ ۱۲ اپریل کو اسمبلی غیر معینہ مدت

---

[1] نواب یامین خان ص ۶۹۳

تک کے لئے ملتوی ہو گئی ۔

۱۶ اپریل کو محمد علی جناح صوبائی مسلم لیگ کے ایک خصوصی اجلاس سے خطاب کرنے کے لئے کلکتہ پہنچے ۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اس اجلاس کی تفصیل لکھتے ہوئے کہا ہے کہ کلکتہ کے ہوڑہ اسٹیشن پر محمد علی جناح کا قابلِ یادگار استقبال کیا گیا ۔ اسٹیشن پر اور اس کے تمام راستوں پر اس قدر اژدحام تھا کہ میں خیر مقدم کرنے کے لئے مسٹر جناح کے قریب نہ پہنچ سکا ۔ انہیں ایک بڑے جلوس کی شکل میں لے جایا گیا ۔ جس سے اُس عظیم بیداری کا احساس ہوتا تھا جو اتنے قلیل عرصے میں کلکتہ اور ہوڑہ کے مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھی ۔ اجلاس کے لئے محمد علی پارک میں سلیقے سے اسٹیڈیم تیار کیا گیا تھا ۔ اور ٹاؤن ہال کو شمال مغربی بارش یا طوفان کی حالت میں استعمال کرنے کے لئے محفوظ کر لیا ۔ اجلاس کو بڑی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ۔ ہندوستان کے سب حصوں سے ڈیلی گیٹ آئے تھے ۔ [1]

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی درج کردہ تفصیل کے مطابق اس اجلاس میں شرکت کے لئے ڈاکٹر علامہ اقبال کے مشورہ سے پنجاب کے ڈیلی گیٹ بھی کلکتہ پہنچے تھے ۔ اور انہوں نے وہاں صوبائی مسلم لیگ کے سلسلے میں محمد علی جناح سے مذاکرات بھی کئے ۔ سر سکندر حیات بھی کلکتہ آئے اس اجلاس کے دوران مسلم لیگ کی آرگنائزنگ کمیٹی کا اعلان کیا گیا ۔ ۱۷ اپریل کی شام کو محمد علی پارک میں جلسہ ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا کہ ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کرنے کے موقع پر مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک عام سیاسی بے چینی پیدا ہو چکی ہے اور ہر شخص مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے آ جانے کے لئے بیقرار اور جذبۂ شوق سے سرشار ہے ۔ لوگوں پر جو ظلم ہو کیا جا رہا تھا اس سے کسی حد تک ہم نے انہیں خلاصی دی ہے ، اپنی جدوجہد میں عورتوں کو بھی شریک کار

---

[1] ۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی صفحہ ۲۲۶

بنانے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں اور بہت سے مقامات پر میں نے عورتوں کو جلسوں میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے پایا، چھ ماہ سے کم مدت کے اندر اندر ہم لوگوں نے مسلمانوں کو اس طرح خوابِ غفلت سے بیدار کر کے اُن کی تنظیم کی ہے کہ اس کامیابی کو دیکھ کر ہمارے مخالفین متحیر ہیں۔ اب مسلمانوں کو اپنی طاقت کا احساس ہو گیا اور اگر آج وہ متحد ہو کر کھڑے ہوں تو دنیا میں کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو انہیں مغلوب کر دے گزشتہ سال لیگ کا سالانہ اجلاس جو لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ اُسے گذرے صرف چھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ لیگ کی تاریخ میں گذشتہ اجلاس بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بغیر مبالغہ میں یہ کہتا ہوں کہ لکھنؤ کے اجلاس نے آل انڈیا مسلم لیگ میں ایک نئی زندگی اور نئی روح پھونک دی ہے۔ لکھنؤ کا جوش و خروش ہنوز لوگوں میں باقی ہے اور دن بدن لیگ کی طاقت بڑھ رہی ہے۔ اگر ہم لوگوں میں یہی جوش و خروش قائم رہا تو بغیر کسی شک و شبہ کے آل انڈیا مسلم لیگ کی طاقت اتنی مستحکم ہو جائے گی کہ اس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ ہندوستان کے سارے مسلمانوں کی نظر اس وقت شہید گنج کی مسجد کی طرف لگی ہے اور ہر شخص کے دماغ میں یہی خیال موجزن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے جذبات اور احساسات بالکل صحیح درست اور حقیقی ہیں اور مسجد کو منہدم کر کے اُن کے مذہبی جذبات میں بہت بڑی ٹھیس لگائی گئی ہے سکھ جیسے معزز فرقے کی اس ناروا حرکت سے، ہمیں افسوس اور صدمہ پہنچا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ دونوں جماعتوں کے چند افراد نے اس معاملہ کو اور بھی زیادہ طول دے دیا۔ اگر ہر دو فریق کے دلوں میں اخلاق عہد و پیمان کا احساس ہو جائے اور وہ اپنی اپنی ناروا حرکتوں سے منہ موڑ لیں تو یہ مسئلہ بھی فوراً حل ہو جائے۔ چند ماہ قبل تک مسلمانوں کی کوئی مرکزیت نہیں تھی لیکن اب کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ وہ اُن پر انگلی اٹھا سکے۔ مسلمانوں کو اس کا احساس

ہو گیا ہے کہ ان کی نجات کا راز مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے منظم ہو جانے میں ہے چند صوبوں میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں عاید کی جا رہی ہیں اور ان کے ساتھ بے جا سلوک اور بے انصافیاں برتی جا رہی ہیں۔ ان لوگوں کے اور خصوصاً آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین اور کارکنوں نے مرکزی دفتر میں صوبائی حکومت کے خلاف بے انتہا شکایتیں ارسال کی ہیں۔ لہٰذا اس کے متعلق تحقیقات کر کے حسب قاعدہ ضروری کارروائی کو انجام دے کر اس کی رپورٹ مرتب کرنے کے لئے کونسل نے راجہ محمد مہدی کی صدارت میں ایک خاص کمیٹی مقرر کی ہے اور کونسل نے صدر کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی میں۔ مسلم لیگ جماعت قائم کرنے کا مجھے مکمل اختیار عطا کیا ہے۔

ہری پورہ میں صدر کانگریس اور چند کانگریسی لیڈروں نے ہندو مسلم مسئلہ کو حل کرنے کیلئے خواہش ظاہر کی ہے اور اس کے مطابق مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مجھ سے خط و کتابت کی ہے اور ہنوز سلسلہ خط و کتابت جاری ہے میں نے ان خطوط کا جواب بھی انہیں ارسال کر دیا ہے لیکن باوجود اس کے کانگریس مسلم لیگ کو خاص طور سے ختم کر دینے کے لیے کسی کوشش سے باز نہیں آ رہی ہے۔

کانگریس سراسر ہندو جماعت ہے مسلمانوں نے ایک سے زیادہ بار کانگریس کو یہ جتا دیا ہے کہ اُن کی آئندہ تقدیر اور قسمت کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام میں اُن کی سیاسی حقوق کے حصول و قومی زندگی میں واجب حصّہ حاصل ہونے پر ہے اور اس کے لئے وہ اس وقت تک برسرپیکار رہیں گے، جب تک ہندو راج کا خواب و خیال کانگریس کے دل و دماغ سے بالکل مفقود نہ ہو جائے گا، جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح رہے گی کانگریس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارا نہیں کریں گے مسلم لیگ، کانگریس یا دیگر ایسی جماعتوں کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرتی ہے مسلم لیگ کی یہ جدوجہد صرف مسلمانوں ہی کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا دسترخوان ہر فرقے کیلئے بچھا ہوا ہے۔

ہمیں بہت سے مصائب اور تکالیف کے دور سے گذرنا ہے۔ ہمارے دشمن ہماری ہستی کو فنا کرنے کیلئے حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اٹھا چھوڑیں گے۔ وہ ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑیں گے۔ ہمیں قتل کریں گے۔ لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ ان تکالیف کے بعد ہم اور بھی زیادہ مضبوط اور قوی ثابت ہوں گے۔[1]

کلکتہ میں محمد علی جناح تقریباً پندرہ دن مقیم رہے۔ اس دوران چونکہ گاندھی جی اور محمد علی جناح کی خط وکتابت جاری تھی دونوں رہنما ایک دوسرے سے بالمشافہ گفتگو کے خواہشمند تھے اس لئے ۲۸ اپریل کو محمد علی جناح نے کلکتہ سے واپسی پر بمبئی میں گاندھی جی سے ملاقات کی لیکن محمد علی جناح نے گاندھی جی سے مختصر سی گفتگو کے بعد اندازہ لگا لیا کہ گاندھی جی صرف مذاکرات کا بہانہ بنا کر اپنی سیاسی اہمیت کا اظہار چاہتے ہیں کیونکہ وہ اصولی طور پر کانگریس کے نمائندہ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اُن کو کانگریس کی جانب سے کسی فیصلے کا اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ محمد علی جناح نے سبھاش چندر بوس سے جو کانگریس کے صدر تھے۔ مذاکرات کو ترجیح دی اور ۱۲ مئی کو سبھاش چندر بوس سے ہندو مسلم تصفیہ کے سلسلہ میں بات چیت کا آغاز کیا۔ ۱۴ مئی کی ملاقات میں مسٹر بوس نے محمد علی جناح کو ایک یادداشت پیش کی جس میں معاہدہ کے سلسلے میں تجاویز پیش کی گئی تھیں محمد علی جناح نے ۱۶ مئی کو سبھاش چندر بوس کو ایک خط کے ذریعہ مطلع کیا کہ آپ کی یادداشت پر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں غور کیا جائے گا۔ جو جون کے پہلے ہفتہ میں دہلی میں منعقد ہوگا۔ ۴ جون کو دہلی میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا۔ جس میں مجلس عاملہ کے بائیس ارکان نے شرکت کی اجلاس میں سبھاش چندر بوس کی یادداشت پر غور کرنے کے بعد اس میں درج تجاویز کو مسترد کر دیا گیا۔ اور کانگریس سے کہا گیا کہ مذاکرات اور معاہدہ کی ایک ہی صورت ہے کہ کانگریس مسلم لیگ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم تصور کرتے ہوئے مذاکرات کرے۔ مجلس عاملہ کے یادداشت

---

[1] رئیس احمد جعفری صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۶۔

سے متعلق تمام فیصلے ۵ رجون کو ایک خط کے ذریعے سبھاش چندر بوس کو ارسال کردیے
۲۵ رجولائی کو مسلم لیگ کی جانب سے یادداشت کے سلسلے میں جو تجاویز پیش کی گئی تھیں
اُن پر کانگریس کی ایک کمیٹی نے واردھا میں غور کیا۔ جہاں گاندھی جی مقیم تھے۔ اسی
دن سبھاش چندر بوس نے محمد علی جناح کو ایک خط تحریر کیا جس میں کانگریس کمیٹی کے
فیصلے بھی درج کیے گئے تھے۔ ان فیصلوں میں کانگریس کی ہٹ دھرمی برقرار تھی
چنانچہ ۳۰ رجولائی کو دہلی میں مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس محمد علی جناح کی صدارت
میں ہوا۔ جس میں سبھاش چندر بوس کے خط اور منسلکہ فیصلوں پر غور کیا گیا۔ ۲ راگست
کو محمد علی جناح نے کونسل کے فیصلے سبھاش چندر بوس کو ارسال کیے۔ محمد علی جناح نے اپنے
خط میں کہا تھا کہ ہندو مسلم مسئلہ حل ہو سکتا ہے لیکن یہ حقیقت تکلیف دہ ہے کہ اس
پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بجائے صرف موشگافیوں سے کام لیا جا رہا ہے۔

یہ خط و کتابت جاری تھی کہ ۸ راگست سے مرکزی اسمبلی کا اجلاس شملہ میں شروع
ہو گیا۔ چنانچہ محمد علی جناح دہلی سے بمبئی اور بمبئی سے شملہ پہنچ گئے۔ ۹ راگست کو اسمبلی میں
فوج کے اخراجات میں اضافہ سے متعلق تحریک التوار پیش ہوئی جس کے خلاف محمد علی
جناح نے تقریر کی۔ ۲۳ راگست کو قانون فوجداری میں ترمیم کا مسودہ پیش ہوا تو محمد علی
جناح نے اس پر تقریر کی محمد علی جناح کی یہ تقریر بے لاگ تنقید اور آئینی استدلال کا ایک
بے مثل نمونہ ہے آپ نے مسودہ کے نکات کا تجزیہ کرتے ہوئے حکومت اور
کانگریس پر واضح کر دیا کہ فوجی بھرتی کے مسئلے میں مسلمانانِ ہند کا نقطۂ نظر کیا ہے[1]

۲۰ ستمبر کو مرکزی اسمبلی کا سیشن ختم ہو گیا۔ سیشن کے اختتام پر نواب
سر یامین خاں نے اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی میں اپنی شمولیت کا اعلان کر دیا۔ نواب
یامین خاں نے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ اس سیشن کے آغاز پر ہی مسٹر محمد علی
جناح نے لابی میں مجھ سے کہا کہ آپ بھی مسلم لیگ پارٹی میں جو میں نے گذشتہ سیشن

---

[1] عثمان صحرائی۔ صـ ۵۲

میں بنائی ہے شریک ہو جائیے چونکہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے عرصہ دراز سے رکن ہیں چنانچہ میں نے وعدہ کیا کہ میں غور کرنے کے بعد سیشن کے اختتام پر اپنی شرکت کا اعلان کردوں گا۔ [1] اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے بعد محمد علی جناح واپس بمبئی پہنچ گئے۔ جہاں سے ان کو سندھ مسلم لیگ کی صوبائی کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی جانا تھا۔

۱۹۳۸ء کو محمد علی جناح کی زندگی میں اس لحاظ سے نمایاں حیثیت حاصل ہے کہ اس سال کے درمیانی عرصہ میں دہلی کے اخبار "الامان" کے ایڈیٹر مولانا مظہر الدین نے محمد علی جناح کی قومی خدمات اور مسلمانوں کے اجتماعی وقار کو بلند کرنے کی کوششوں کے پیش نظر "قائداعظم" کا خطاب دیا جو نہایت مختصر عرصہ میں زبان زد خاص و عام ہوگیا [2]

۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح کراچی پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ۸ اکتوبر کو قائداعظم ایک کھلی کار میں جلوس کی شکل میں جلسہ گاہ میں داخل ہوئے۔ تو سامنے اسٹیج پر پنجاب کے وزیراعظم سرسکندر حیات اور بنگال کے وزیراعظم مولوی فضل الحق بیٹھے ہوئے تھے۔ نعروں اور تالیوں کی گونج میں قائداعظم اسٹیج پر پہنچے، سر عبداللہ ہارون نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا سر عبداللہ ہارون نے اپنی اس تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظم گذشتہ کئی سال سے ہندو مسلم تصفیہ کے سلسلہ میں متواتر جدوجہد کر رہے ہیں لیکن فریق ثانی کسی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سر عبداللہ ہارون نے اس موقع پر کانگریسی وزارتوں کے تحت مسلم اقلیتی صوبوں میں ہونے والے مظالم کا تذکرہ بھی کیا۔ انہوں نے کہا کہ سندھ میں بھی اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش

---

[1] نواب یامین خان ص ۲۹۹

[2] جمیل الدین احمد ص ۱۲ گلمپسز آف قائداعظم مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۶۰ء

کی جا رہی ہے۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر سندھ کی اقلیتوں نے مثبت کردار ادا کیا تو مسلم لیگ ان کے تمام ممکنہ حقوق کی حفاظت کرے گی۔

محمد علی جناح نے اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ سندھ کے مسلمانوں کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ سندھ کی خوشحالی اور ترقی کے لئے جدوجہد کریں آل انڈیا مسلم لیگ متعدد طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہے جو اس کے خلاف تباہ کن پروپیگنڈہ کر رہی ہیں۔ لیکن یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس پروپیگنڈہ کو نظر انداز کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ کی پشت پناہی کریں جو ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔ [۱]

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس نے قائد اعظم محمد علی جناح کی صدارت میں ایک قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس وسیع و فراخ برِ اعظم ہند کے قیام امن کے مفاد میں اور بے روک ٹوک ثقافتی تعمیر و ترقی معاشی اور سماجی بہبود اور دونوں قوموں کی جو ہندو اور مسلمان کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں سیاسی حق خود ارادی کے مفادات کے پیش نظر یہ چیز قطعی طور پر ضروری سمجھتی ہے کہ ہندوستان دو وفاقوں میں تقسیم کر دیا جائے یعنی مسلم ریاستوں کا وفاق اور غیر مسلم ریاستوں کا وفاق۔ چنانچہ یہ کانفرنس کل ہند مسلم لیگ سے سفارش کرتی ہے کہ دستور کی ایک ایسی اسکیم وضع کی جائے جس کے تحت مسلم اکثریتی صوبے مسلم دیسی ریاستیں اور وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے ایک اپنے ذاتی وفاق کی شکل میں مکمل آزادی حاصل کر سکیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہندوستانی سرحدوں کے پار واقع دوسری کسی بھی مسلم ریاست کو اس بات کی اجازت ہو کہ وہ اس وفاق میں شامل ہو سکے اور غیر مسلم اقلیتوں کیلئے ہر قسم کے تحفظات کے ساتھ جس قسم کے تحفظات کے ساتھ ہند کے غیر مسلم وفاق میں مسلم اقلیتوں کو دیئے جا سکتے ہوں۔ [۲]

---

[۱] - مطلوب الحسن سید صفحہ ۲۰۳۔ [۲] شریف الدین پیرزادہ صفحہ ۱۹۵ پاکستان منزل بہ منزل

سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کے بعد محمد علی جناح کراچی سے بمبئی پہنچ گئے۔ ۱۰ر نومبر کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ تو محمد علی جناح دہلی ہی میں موجود تھے۔ ۱۵ر نومبر کو اسمبلی کی کارروائی جاری تھی کہ مسلم لیگ کی تحقیقاتی کمیٹی نے کانگریس کے مظالم سے متعلق اپنی رپورٹ شائع کر دی جو بعد میں پیرپور رپورٹ کے نام سے مقبول ہوئی اس رپورٹ نے پورے ہندوستان میں ہلچل پیدا کر دی۔ رپورٹ میں بیان کردہ حقائق کے پیش نظر ہر طرف سے کانگریس پر لعن طعن شروع ہو گئی خصوصاً واردھا اور ودیا مندر اسکیموں کے بارے میں پورا ہندوستان تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

۲۷ر نومبر کو اسمبلی کا اجلاس جاری تھا کہ یہ المناک خبر ایوان میں سنائی گئی کہ مولانا شوکت علی کا آج صبح انتقال ہو گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے گزشتہ چند سالوں میں مولانا شوکت علی سے مراسم بڑے دیرینہ ہو گئے تھے۔ اور وہ ہر معاملہ میں مولانا شوکت علی کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں جب قائداعظم کی اکلوتی صاحبزادی دینا نے اپنی نانی کی مرضی سے ایک پارسی شخص مسٹر وادیا سے شادی طے کر لی تو محمد علی جناح کو بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے مولانا شوکت علی کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ دینا کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور اسے اس ارادہ سے باز رکھیں۔ مولانا شوکت علی سے قائداعظم کی اس درجہ عقیدت کی بنا پر یہ خبر اُن کے لئے بے پناہ صدمہ کا باعث ثابت ہوئی۔ انہوں نے مولانا شوکت علی کی تجہیز و تکفین میں ہزاروں عقیدت مندوں اور رہنماؤں کے ہمراہ شرکت کی۔ اس موقع پر قائداعظم سیاہ کوٹ اور سیاہ ٹائی لگائے ہوئے تھے اگلے دن اسمبلی کے اجلاس میں بھی انہوں نے اسی لباس میں شرکت کی۔[1]

۱۲ر دسمبر کو اسمبلی میں انکم ٹیکس بل کی منظوری کے بعد قائداعظم نے مختلف ترامیم پیش کیں اور تقاریر کیں۔ ۱۷ر دسمبر کو اسمبلی ختم ہو گئی۔

۲۵ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو قائداعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے ۲۶ویں سالانہ اجلاس

---

[1] نواب یامین خان ص۲۱۰

میں شرکت کے لئے پٹنہ پہنچے تو اُن کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اس اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے دور دراز علاقوں سے ہزاروں افراد پٹنہ پہنچے تھے ۲۵ دسمبر کو ریلوے اسٹیشن سے پٹنہ کے بیرسٹر سید عبدالعزیز کے مکان تک جہاں قائداعظم کو قیام کرنا تھا سات میل تک سڑکوں کے دو طرفہ ہزاروں افراد کھڑے ہوئے تھے جب قائداعظم اسٹیشن سے اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو نعروں کی وہ گونج تھی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے مکانوں پر چراغاں کیا تھا جبکہ مسلم لیگ نے اُن تمام راستوں کو سجایا تھا جہاں سے قائداعظم کا جلوس گذرنے والا تھا۔

۲۶ دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کے ۲۶ ویں سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے محمد علی جناح نے مولانا شوکت علی کے انتقال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ مولانا شوکت علی جلیل القدر انسان تھے۔ اور اپنے نصب العین کے واسطے بڑی سی بڑی قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ وہ میرے رفیق کار اور ذاتی دوست تھے۔ جو راستہ مرحوم نے اختیار کیا تھا آخر تک اس پر گامزن رہے تھے۔ اور نہایت سرگرمی اور جوش سے مسلم لیگ کے مقاصد کی حمایت کرتے رہے۔ مولانا کا انتقال میرا ذاتی نہیں بلکہ مسلم قوم کا نقصان ہے۔ اور ہندوستان بھر میں ان کا ماتم ہو رہا ہے۔ قائداعظم نے اس اجلاس میں ترکی کے انقلابی رہنما مصطفےٰ کمال اتاترک کے انتقال پر بھی افسوس کا اظہار کیا جن کا گذشتہ نومبر میں انتقال ہو گیا تھا۔

محمد علی جناح نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا کہ کانگریس ایک ہندو جماعت ہے اور مٹھی بھر مسلمانوں کی شرکت جو کانگریس میں ذاتی اغراض کی بنا پر شامل ہوئے ہیں کانگریس کو قومی جماعت نہیں بنا سکتی۔ دراصل کانگریس تمام ہندوؤں کی بھی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ کانگریس کی ہائی کمان نشۂ اقتدار میں بدمست ہو کر جو چاہے دعوے کرے لیکن ان دعووں سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ وہ بدستور ہندو

جماعت ہی رہے گی۔" محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں واردھا اسکیم پر بھی کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ اس اسکیم کا مقصد مسلمانوں کی ثقافت اور اُن کی مذہبی روایات کو ختم کرنا ہے۔ اس لئے مسلمان کبھی ایسی کسی مذموم اسکیم کو قبول نہیں کریں گے انہوں نے فیڈریشن (وفاق) کے مسئلے پر بھی بہت کھل کر گفتگو کی۔ اور ایک مرحلہ پر یہاں تک کہہ دیا کہ شاید پہلے کچھ ایسے مسلمان تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ برطانوی ملوکیت سے مل کر اپنے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں لیکن اب یہ غلط فہمی دور ہو چکی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی کی حلیف نہیں بنے گی۔ ؎[1]

۱۹۳۸ء کی ابتدا میں قائداعظم محمد علی جناح کو ایک اور شدید اذیت سے گذرنا پڑا۔ اور وہ تھی شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی وفات حسرت آیات۔ قائداعظم برطانیہ سے واپسی کے بعد علامہ اقبال کا بے حد احترام کرنے لگے تھے اور اُن سے سیاسی معاملات میں مشورہ کو ضروری سمجھتے تھے۔ علامہ اقبال کی کمی قائداعظم محمد علی جناح کو ہمیشہ محسوس ہوتی رہی۔

مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں قائداعظم نے علامہ اقبال کے انتقال کے سلسلہ میں ایک تعزیتی قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ علامہ اقبال کی موت مسلمانانِ برصغیر کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ میرے ذاتی احباب میں سے تھے اور ان کا شمار دنیا کے بہترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ جب تک اسلام زندہ ہے ان کا نام بھی زندہ رہیگا۔ اُن کی شاعری مسلمانوں کی حقیقی امنگوں کی ترجمان ہے اور ہم اور ہمارے بعد آنے والی نسلیں اس سے وجدان حاصل کرتی رہیں گی۔ ؎[2]

۱۹۳۸ء کے اجلاس پٹنہ میں لیگ کو ایک بڑی کامیابی یہ نصیب ہوئی کہ اس اجلاس میں مولانا اشرف علی تھانوی قبلہ نے ایک وفد قائداعظم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جو مولانا شبیر علی تھانوی

---

[1] رئیس احمد جعفری۔ صفحہ ۱۳۶ تا صفحہ ۱۵۶ ۔ خطباتِ قائداعظم [2] جی الانہ صفحہ ۳۵۲

مولانا ظفر احمد انصاری ۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی ۔ مولانا عبدالجبار ، مولانا معظم حسین پر مشتمل تھی ۔ جبکہ وفد کی قیادت مولانا مرتضیٰ احسن چاند پوری کر رہے تھے ۔ یہ وفد مسلم لیگ کے اجلاس کے بعد پٹنہ کے بیرسٹر عبدالعزیز کے مکان پر قائداعظم سے ملا جہاں قائداعظم قیام پذیر تھے ۔ وفد نے پاکستان کے موضوع پر قائداعظم سے تقریباً ایک گھنٹہ ملاقات کی ۔ اور اپنی حمایت کا یقین دلایا ۔ سلہ

سلہ ۔ منشی عبدالرحمٰن خان ص۲۲ - پاکستان اور علماء ربانی - مطبوعہ ملتان ۱۹۵۶ء

۱۹۳۹ء

پٹنہ کے اجلاس میں شرکت کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کو الٰہ آباد یونیورسٹی کے مسلم طلبہ نے الٰہ آباد آنے کی دعوت دی چنانچہ وہ پٹنہ سے دہلی واپسی پر ایک دن کے لئے الٰہ آباد گئے۔ جہاں انہوں نے جنوری ۱۹۳۹ کے پہلے ہفتہ میں الٰہ آباد یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کیا۔

۳ فروری سنہ ۱۹۳۹ء کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کا سیشن شروع ہو چکا تھا چنانچہ جناح دہلی میں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی تیاری کرتے رہے۔ اس دوران مسلم لیگ کی تنظیم اور دیگر متنازعہ امور بھی قائداعظم کے پیش نظر رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قائداعظم ہمہ تن اس جدوجہد میں مصروف تھے۔ کہ مسلمانوں کے تمام طبقوں اور فرقوں کو یکجا کر دیا جائے۔ ۶ فروری کو اسمبلی کے اجلاس کے دوران لاہور سے آئے ہوئے دو مولویوں نے قائداعظم سے ملاقات کی اور خلع کے مسئلہ پر بات چیت کی ۲۰ فروری کو ریلوے بجٹ میں ریلوے بورڈ کی طویل المیعادی پالیسی کے خلاف کانگریس کے رکن سیتا مورتی کی تحریک پر بحث میں حصہ لیا۔ اور رائے شماری میں حکومت کے حق میں ووٹ دیا۔ ۲۲ فروری کو مسلم لیگ کی جانب سے مولوی عبدالغنی نے ریلوے بجٹ میں سو روپے کی تخفیف کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کی حمایت میں قائداعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم ملامت کرنا نہیں چاہتے بلکہ ریکارڈ پر یہ بات لانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے کیا مطالبات ہیں۔ کانگریس کے ایک رکن ستیامم

کی مداخلت پر قائداعظم نے کہا کہ ان دنوں کانگریس کی مثال مگر مچھ کی سی ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ دریا میں صرف وہ ہی رہیں ہندوستان ایک قوم نہیں بلکہ ایک ملک ہے جس میں بہت سی قومیں فرقے اور ذاتیں ہیں اس لئے موجودہ حالات میں اس حقیقت کو نظر انداز کرنا بے وقوفی ہے۔ [1]

یکم مارچ ۱۹۳۹ء کو ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے جو مولانا شوکت علی کی جگہ اسمبلی میں منتخب ہو کر آئے تھے اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی کے اعزاز میں ایک ظہرانہ دیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی شرکت کی۔ ۱۹۳۸ء میں قائداعظم چونکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ سے وعدہ کر چکے تھے کہ اب وہ سال میں دو مرتبہ علی گڑھ آیا کریں گے۔ اس لئے جب مارچ ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ کے اساتذہ کی جانب سے اُن کو ایک دعوت نامہ موصول ہوا تو وہ علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر قائداعظم کی علی گڑھ آمد کی تفصیل جمیل الدین احمد نے اپنی کتاب گلمپسز آف قائداعظم میں اور مختار مسعود نے آواز دوست میں درج کی ہے مختار مسعود نے لکھا ہے کہ چند ماہ بعد قائداعظم دوبارہ علی گڑھ آئے ابھی قرارداد پاکستان کے پیش کرنے اور منظور ہونے میں سال بھر پڑا تھا مگر قائداعظم برصغیر کے مسلمانوں کے واحد اور سب سے بڑے رہنما تسلیم کئے جا چکے تھے۔ یہ وہ شب و روز تھے جب قائداعظم کی شہرت اور اُنکی جماعت کی مقبولیت کو دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب ہو رہی تھی چند مہینوں میں اتنا فرق پڑا کہ سارے شہر اور یونیورسٹی کے مسلمان ریلوے اسٹیشن پر امنڈ آئے۔ سب ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں تھے بچوں نے بچہ مسلم لیگ بنا ڈالی نوجوانوں نے گلے گلے جان کی قربانی دینی شروع کر دی۔ بوڑھوں نے مسلم لیگ کی رکنیت کے فارم پُر کرنے شروع کر دیئے۔ آخر پردہ دار عورتیں کیوں پیچھے رہ جاتیں انہوں نے بھی یونین ہال میں قائداعظم کے لئے جلسہ کر ڈالا۔ یونین ہال کی سڑک پر پہلی بار تانگوں کی قطار لگ گئی ان تانگوں پر پلنگ کی سفید چادریں بندھی ہوئی تھیں۔ اور اندر سواریاں برقعے پہنے ہوئے

---

[1] نواب یامین خان۔ صہ ۲۳

تھیں۔ ہال میں ڈائس کے پیچھے چقیں لگی ہوئی تھیں اُن کے پیچھے عورتیں اور لڑکیاں آکر بیٹھ گئیں۔ خواتین کا جلسہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پردہ دار عورتوں کا جوش وخروش اور اُنکی تعداد دیکھ کر یقین ہوگیا کہ اب مسلم سیاست میں پورا انقلاب آچکا ہے قائداعظم اس بار علی گڑھ کیا آئے کہ لوگ سرسید کے خواب کی تعبیر اور اقبال کے اشعار کی تاثیر کا ذکر کرنے لگے۔ [1]

علی گڑھ سے واپسی پر محمد علی جناح کو روہیلکھنڈ کے مسلمانوں نے بریلی آنے کی دعوت دی جناب محمد علی جناح ۱۷ مارچ ۱۹۲۹ء کو بریلی پہنچے۔ مولانا قاری احمد پیلی بھیتی نے اپنی کتاب تاریخ ہند و پاک میں لکھا ہے کہ جب جناح صاحب علی گڑھ سے بریلی تشریف لائے تو بے شمار مسلمانوں نے اسٹیشن پر اُن کا استقبال کیا۔ اللہ اکبر، اسلام زندہ باد اور مسلم لیگ زندہ باد کے نعروں سے پورا شہر گونج اٹھا۔ بدایوں۔ شاہجہاں پور، مرادآباد اور قرب وجوار کے قصبوں سے ہزارہا مسلمان بریلی پہنچ گئے تھے۔ راقم الحروف بھی پیلی بھیت سے صدہا کارکنوں اور مسلمانوں کے ساتھ شریک استقبال ہوا۔ اسٹیشن سے باہر جلسہ گاہ میں جانے کے لئے جب محمد علی جناح کھلی گاڑی میں کھڑے ہوئے تو گلے میں ہاروں کی کثرت سانس بند کئے دے رہی تھی۔ قریب ہی کھڑے ہوئے ایک صاحب خلیل اللہ پیلی بھیتی نے بڑی عجلت سے آگے بڑھ کر گلے کے ہار ہلکے کر دیئے۔ جناح صاحب نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ رات کو عظیم الشان جلسہ ہوا اس جلسہ میں گورنمنٹ ہائی اسکول بریلی کے ہیڈ مولوی بنے خاں سرخوش رامپوری نے قائداعظم کی شان میں فارسی کی ایک نظم پڑھی جسکے اشعار کچھ یوں تھے۔ ؎

جناح آمد بریلی را بہارا ندر بہار آمد — برائے پیشوائی صد ہزارا ندر ہزار آمد
ہجوم عاشقان دیدار جو در کوچہ و برزن — بہ شہر تشنہ کامان محبت جوئے یار آمد
ہزاراں سال باشد تازہ و خرم بہار ما — بریلی را بہار بے خزاں یادگار آمد

قائداعظم محمد علی جناح نے جلسہ سے اردو میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

---
[1] مختار مسعود صہ ۲۳۲

انگریز کیا چاہتا ہے؟ ہندو کیا چاہتے ہیں؟ انگریز چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمان لڑتے رہیں اور ہم حکومت کرتے رہیں۔ ہندو چاہتے ہیں کہ انگریز کے زیر سایہ ہماری حکومت مسلمانوں پر قائم رہے۔ اور ہم مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ہم نہ انگریز کے غلام رہیں اور نہ ہندوؤں کے۔ بلکہ ہندوستان میں آزاد قوم کی طرح ہمارا وجود قائم اور منظم ہو۔[1]

۲۲ مارچ ۱۹۳۶ء کو محمد علی جناح نے دہلی میں مرکزی اسمبلی کے سیشن میں شرکت سے قبل پارٹی کے کمرے میں مسلم لیگ کے ارکان اسمبلی سے خطاب کیا۔ پارٹی کے ارکان اسمبلی نے طے کیا کہ وہ کوئی ترمیم پیش نہیں کریں گے۔ اور نہ کسی ترمیم پر ووٹ دیں گے لیکن بعض ترمیمات پر تقریر کرکے ایوان کو اپنی رائے سے آگاہ ضرور کریں گے۔ اسی دن اسمبلی میں نمک کے ٹیکس پر بحث ہو رہی تھی محمد علی جناح نے اسمبلی کی کارروائی شروع ہونے پر اس بل پر تقریر کی۔ انہوں نے کہا میں شروع میں اس بل پر تقریر کرنے اس لئے کھڑا ہو گیا ہوں کہ اس بل کے سلسلے میں مسلم لیگ کے رویہ کا اظہار کر دوں۔ مجھ کو بجٹ قطعی پسند نہیں نہ میں اس میں تبدیلی کر سکتا ہوں اگر میں ایسا کر سکتا تو بجٹ کی شکل دوسری ہوتی مسلم لیگ پارٹی کی حیثیت سے اسمبلی میں بڑی اہم ہے۔ ہمارا درجیت ہمارے ہاتھ میں ہے اگر ہم حکومت کا ساتھ دیں تو بل بغیر کسی تبدیلی کے منظور ہو جائے گا۔ اور اگر مخالفت کریں تو یہ بل مسترد ہو جائے گا۔ مگر ہمارا یہ اصول رہا ہے کہ جو بات صحیح ہو اس کے حق میں رائے دیں۔ ماضی میں جب حکومت حق پر ہوئی تو ہم نے اس کا ساتھ دیا اور جب کانگریس حق پر ہوئی تو اس کا ہم نے ساتھ دیا۔ لیکن جب ہم حق پر ہوتے ہیں تو کوئی ہمارا ساتھ نہیں دیتا۔

محمد علی جناح نے اپنی اس تقریر میں کانگریس اور حکومت کے رویہ پر کڑی تنقید کی اور یہ ظاہر کر دیا کہ مسلمان اب کسی قیمت پر نچلے بیٹھنے کو تیار نہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ: میں کہتا ہوں کہ اب حکومت اور کانگریس مل کر بھی مسلمانوں کی روح

---

[1] مولانا قاری احمد پیلی بھیتی۔ ص ۲۹۳

کو کچل نہیں سکتے۔ تم ہماری تہذیب کو جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے تباہ نہیں کر سکتے۔ اسلامی کلچر اور اس کی روح زندہ ہے زندہ تھی اور زندہ رہے گی۔" قائداعظم کی اس تقریر نے پورے ایوان میں سناٹا بچھا دیا۔ اور مخالف ارکان میں سے کوئی بھی قائداعظم کی تقریر کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکا۔

۲۸ مارچ کو قائداعظم نے اسمبلی کے ارکان مسلم لیگ کا ایک اجلاس طلب کیا۔ اور اسمبلی میں پارٹی کے رویہ سے متعلق فیصلے کئے۔ ۵ اپریل کو اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ اسمبلی کا اجلاس ختم ہونے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح بلوچستان کے دورہ پر گئے جہاں آپ نے ۲۵ دن قیام کیا اور صوبہ کے مختلف مقامات پر جا کر وہاں کے قبائلیوں تک مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔

ادھر کانگریسی وزارتوں نے پیرپور رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسلمانوں پر مظالم کا دائرہ مزید تنگ کر دیا اور اُن کو طرح طرح کی ذہنی و جسمانی اذیتیں دینا شروع کر دیں یہ صورتحال کافی سنگین تھی چنانچہ پورے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی دوسری طرف جرمنی اور برطانیہ کی ٹھن گئی اور دوسری جنگِ عظیم کا خطرہ منڈلانے لگا۔ ان حالات میں تمام کارروائیاں معطل ہو کر رہ گئیں مسلمانوں پر مظالم کو روکنے کے سلسلے میں کانگریسی وزارت کے صوبوں میں گورنروں نے مداخلت شروع کر دی چنانچہ کانگریس اور حکومت میں ٹھن گئی۔

۲ جولائی کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں واردھا اسکیم کو نامنظور کیا گیا۔ اور اس پر اعتراضات کئے گئے۔ واردھا اسکیم اور ودیا مندر اسکیم دراصل مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ اشتعال کا سبب بنی۔ تمام اخبارات میں اس کے خلاف مسلمانوں نے منظم مہم شروع کر دی۔ ٹائمز آف انڈیا نے اس سلسلہ میں بحث کے لئے باقاعدہ ایک کالم مخصوص کر دیا۔

کی دعوت دی ۔ یہ پہلا موقع تھا کہ سرکاری سطح پر مسلم لیگ کو کانگریس کا ہم مرتبہ تصور کیا گیا
۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو قائداعظم نے وائسرائے سے ملاقات کی اور امداد وتعاون کے سوال پر
صاف کہہ دیا کہ بغیر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے مشورہ کئے مسلم لیگ کی طرف سے میں کوئی
وعدہ نہیں کر سکتا ۔

۱۱ ستمبر کو وائسرائے نے اسمبلی کے دونوں ایوانوں کے اراکین سے خطاب کیا اور بادشاہ
کا وہ پیغام پڑھ کر سنایا جس میں کہا گیا تھا کہ جنگ کے پیش نظر فیڈریشن کو ملتوی کر دیا گیا ہے ۔
لیکن حکومت برطانیہ کا نصب العین فیڈریشن ہی رہے گا ۔ اس طرح مسلم لیگ کو یہ
موقع مل گیا کہ وہ فیڈریشن کی قطعی تنسیخ کے لئے مزید کوشش کر سکیں ۔ ۱۷ ستمبر کو آل انڈیا
مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح کر رہے تھے ۔ ایک قرارداد
کے ذریعے فیڈریشن کے التوا کو ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے مفید قرار دیا اور
مطالبہ کیا کہ بجائے التوا کے وفاق کو بالکل ترک کر دیا جائے ۔

ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لنلتھگو مسلسل ہندوستان کے عوام کا تعاون حاصل
کرنے اور اُن کو دستوری اور ذہنی اختلافات میں الجھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے
اور اس تگ ودو میں ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا چنانچہ انہوں نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو حکومت
کی پالیسی کا اعلان کیا جس میں اقلیتوں کو اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ دستوری مسائل میں اُن
کی رائے معلوم کی جائے گی وائسرائے کا یہ بیان ہر چند بہت الجھا ہوا تھا لیکن مسلم لیگ کے
نزدیک بہت اہم تھا چنانچہ ۲۲ اکتوبر کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس پر غور کر کے ایک
قرارداد کے ذریعے حکومت کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے کانگریس کا یہ دعویٰ رد کر دیا ہے کہ کانگریس
ہی ہندوستان کی نیابت کا حق رکھتی ہے ۔ قرارداد میں یہ بھی کہا گیا کہ مسلم لیگ ہندوستان
کے آئندہ دستور کے متعلق کسی منصوبہ کو اُس وقت تک اس قابل نہیں سمجھے گی جب تک کہ
اُس کو مسلم لیگ کی منظوری حاصل نہ ہو ۔ ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح

۲۷ اگست ۱۹۳۹ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ مسلمانوں کے تحفظ کے لئے صوبوں میں کانگریس جو مظالم کر رہی ہے اُس سے صوبائی گورنر چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے خصوصی اختیارات کام میں نہیں لا رہے ہیں۔ اس اجلاس میں عالمگیر جنگ شروع ہونے کی صورت میں مسلمانوں کی پالیسی کے سوال پر بھی غور کیا گیا اور کئی تجاویز مرتب کی گئیں۔ اس سے قبل کانگریس اپنے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں یہ طے کر چکی تھی کہ کانگریس کے ارکان اسمبلی میں موجودہ حالات کے پیشِ نظر اسمبلی کے اجلاس میں شریک نہ ہوں اور جنگ کی تیاری میں حکومت کی کوئی مدد نہ کریں۔

۳۰ اگست ۱۹۳۹ء کو شملہ میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا۔ کانگریس کے تمام ارکان اجلاس سے غائب تھے جبکہ مسلم لیگ پارٹی کے تمام ارکان مع قائداعظم اسمبلی میں موجود تھے۔ سردار سنت سنگھ نے اسمبلی میں ایک تحریک التواء پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ چونکہ حکومت نے اسمبلی کی اجازت کے بغیر ہندوستان سے باہر فوج بھیجی ہے اس لئے اس مسئلہ پر بحث کی جائے۔ وائسرائے نے بحث کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد لوکوموٹو کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی جس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ یہ ایک ٹیکنیکل رپورٹ ہے اس لئے ۱۵ ستمبر تک اس پر بحث ملتوی کر دی جائے۔ ۳۱ اگست ۱۹۳۹ء کو بھی قائداعظم نے خلیج کے مسئلہ پر بحث میں حصہ لیا۔

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اسمبلی میں خبر آئی کہ پولینڈ پر جرمنی کے حملے کے بعد برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ چنانچہ وائسرائے نے اسمبلی ملتوی کر دی اور ہندوستان کے عوام کو ایک پیغام دیا جس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان جرمنی کے خلاف ہے چنانچہ ہندوستانی عوام اس سلسلے میں حکومت کی مدد کریں۔“

اس کے بعد وائسرائے لارڈ لنلتھگو نے گاندھی جی اور قائداعظم کو علیحدہ علیحدہ مذاکرات

کو یہ اختیار بھی دیا کہ وہ مذکورہ بالا نکات پر غور کرنے کے بعد حکومت برطانیہ کو اس امر کا یقین دلا دیں کہ مسلمانانِ ہند اہتمامِ جنگ میں اُس کی تائید اور اُس کے ساتھ تعاون کریں گے۔ [۱]

جرمنی اور برطانیہ کے درمیان جنگ کے مسئلے پر بحث جاری تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح کو انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی جانب سے سالانہ عشائیہ میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا چنانچہ محمد علی جناح ۲۷ ستمبر کو حیدرآباد دکن پہنچے اور ۲۸ ستمبر کی شب جامعہ عثمانیہ کے قدیم طلبہ سے خطاب کیا۔ اس موقع پر آپ نے کہا کہ میرے ملک کے مفادات کے لئے میرا عزم غیر متزلزل ہے اور میں اپنے ملک کے لئے حصولِ آزادی کی جدوجہد میں کسی سے ہار نہیں مانوں گا۔ میں ہر مسلمان سے کہتا ہوں کہ اسلام تم سب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم اپنا فرض ادا کروگے۔ اور ایک قوم کی طرح اپنی جماعت کا ساتھ دوگے۔ [۲]

ادھر کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس ۲۲ اکتوبر کو واردھا میں ہوا جس میں وائسرائے کے بیان کی مذمت کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ کانگریس جنگ میں حکومتِ برطانیہ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اسے استعماری پالیسی کی توثیق تصور کرتی ہے۔ اجلاس میں تمام کانگریسی وزارتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ۳۱ اکتوبر تک وزارتوں سے استعفیٰ دیدیں۔ ۲۶ اکتوبر کو ہندوستان کی صورتحال پر برطانوی پارلیمنٹ میں بحث کے دوران مسٹر ویجووڈ بین نے تجویز پیش کی کہ وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں توسیع کی جائے۔ تاکہ اس میں ہندوستانی رہنماؤں کی شرکت حاصل ہو سکے۔ سر سیمیل ہور نے اس پر رضامندی ظاہر کردی۔ پنجم نومبر کو سر سیمیل ہور کی پیش کش پر غور کرنے کے لئے وائسرائے ہند نے قائداعظم گاندھی جی، اور راجندر پرشاد کو گفتگو کی دعوت دی اور ۲ نومبر کو ایک خط کے ذریعے تینوں لیڈروں کو گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ مگر کانگریس نے اپنی ہٹ دھرمی برقرار رکھی۔ ۴ نومبر کو قائداعظم نے وائسرائے سے ملاقات کی اور ۵ نومبر کو ایک خط کے ذریعے آئینی مسائل کے سلسلے میں مسلم لیگ کے نکات بیان کردیئے۔ اس کے بعد وائسرائے اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان

---

۱ مولانا حسن ریاض ص ۲۱۷ ۔ ۲ عثمان معراقی ص ۱۲۱

بذریعہ خطوط مذاکرات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس عرصہ میں ۲۷ اکتوبر کو مدراس کی اور ۵ نومبر تک تمام صوبوں کی کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دیدیا۔ مسلمانانِ برصغیر کے لئے یہ بڑی خوش آئند بات تھی۔ چنانچہ ہر طرف مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس موقعہ پر قائداعظم نے فوری طور پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا جیسا کہ اس زمانہ میں آپ کے خطوط اور تقاریر میں کانگریس کی وزارتوں کے مستعفی ہوجانے کے بارے میں کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

۱۳ نومبر کو آپ نے یوم عید کے موقع پر مسلمانوں کے نام اپنا پیغام عید جاری کیا یہ پیغام عید اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا کہ اس میں قائداعظم نے نہایت عالمانہ انداز میں فلسفۂ عبادات کی تشریح کی تھی۔ اس تقریر سے آپ کے تعلیمات اسلامی کے گہرے مطالعہ اور ایک مثبت فکر کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

۲۸ نومبر کو انجمن اتحاد طلبہ نے اینگلو عربک کالج دہلی میں مولانا شوکت علی کی پہلی برسی کے موقع پر مولانا مرحوم کی ایک قدآدم تصویر کی نقاب کشائی کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں قائداعظم نے بطور مہمانِ خصوصی شرکت کی آپ نے تصویر کی نقاب کشائی کے بعد طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: "میں ایک رفیق باوفا سے محروم ہوگیا ہوں لیکن میں مایوس نہیں ہوں کیونکہ ابھی تو کام کا آغاز ہوا ہے یہ کام بہر صورت جاری رہے گا۔" قائداعظم نے اس جلسہ میں اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ مسلمان دوسرے کسی فرقے کے مقابلے میں بہتر سیاسی دماغ رکھتے ہیں۔ ادراک سیاسی مسلمانوں کے خون میں شامل ہے اُن کی رگوں اور شریانوں میں دوڑ رہا ہے اور اسلام کی باقی ماندہ عظمت اُن کے دلوں میں دھڑک رہی ہے لیگ نے انہیں ایک پرچم ایک لائحہ عمل اور ایک حکمت عملی دی ہے۔ اب مسلمان اپنی تنظیم کو وسیع اور استوار کریں۔ [1]

یکم دسمبر ۱۹۳۹ء سے ۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء تک جواہر لال نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان

[1] عثمان صحرائی ص ۱۲۹

فرقہ وارانہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر خط و کتابت ہوتی رہی لیکن ۱۰ دسمبر کو جواہر لال نہرو نے ایک خط میں لکھ دیا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان چونکہ کوئی بنیاد اور مقصد مشترک نہیں ہے لہٰذا میرا آپ سے ملنا اور گفتگو کرنا بے سود ہے۔ ؎۱

۲ دسمبر کو محمد علی جناح نے مانچسٹر گارجین کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جس وقت سے نیا صوبجاتی دستور العمل نافذ ہوا ہے اور خصوصاً جس طریق پر کانگریس نے اپنا پروگرام بنایا ہے اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ کانگریس کا اصل مقصد ہندوستان کی دوسری تمام جماعتوں کو فنا کر دینا ہے۔ مسلم لیگ گہرے انہماک کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے تمام مسائل پر از سر نو غور کرنا چاہیے اور مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کی منظوری کے بغیر ملک معظم کی گورنمنٹ کو کوئی اعلان نہیں کرنا چاہیے۔

۲ دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناح نے برصغیر کے مسلمانوں کے نام ایک اپیل کی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۹ء کو کانگریس کی حکومتوں کے خاتمہ کی خوشی میں یوم نجات منائیں۔ قائداعظم کی اس اپیل پر مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ پارسی، عیسائی اور اچھوتوں نے بھی یوم نجات منایا۔ چھوٹے دیہات سے لے کر بڑے شہروں تک میں پرامن جلسے ہوئے اور قرار دادیں منظور ہوئیں۔ یوم نجات کے سلسلہ میں سب سے بڑا اجتماع بمبئی میں ہوا جہاں قائداعظم محمد علی جناح ان دنوں موجود تھے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اس جلسہ میں جو مانڈوی پوسٹ آفس محمد علی روڈ کے میدان میں ہوا تھا۔ ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔ پرائمری مسلم لیگ بی وارڈ بمبئی کے جنرل سکریٹری جناب رقیب پونا والا نے ایک ملاقات میں بتایا کہ چونکہ یہ جلسہ صوبائی مسلم لیگ کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس لئے اس کے تمام انتظامات میں بمبئی کے تمام کارکن شامل تھے۔ جلسے سے قبل شہر میں ایک جلوس بھی نکالا گیا جو مختلف شاہراہوں سے ہوتا ہوا مغرب کے وقت محمد علی روڈ پہنچا۔ بمبئی کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا

؎۱ عبدالرحمٰن سید ص ۱۱۳

سب سے بڑا جلوس تھا۔ شرکاء جلوس اپنے ہاتھوں میں مسلم لیگ کے پرچم اور بینر اٹھائے ہوئے تھے جن پر مختلف قسم کے مطالبات اور نعرے درج تھے۔ ایک بڑا بینر جو جلسہ گاہ کے باہر اور جلوس کے آگے لگایا گیا تھا اُس پر یہ شعر تحریر تھا کہ [1]

شکر ہے تیرا خدائے پاک ذات　　　مل گئی ظالم حکومت سے نجات

جلسہ کی صدارت سر محمد علی خان دہلوی نے کی جبکہ جلسہ سے خطاب کرنے والوں میں مقامی رہنماؤں کے علاوہ راجہ صاحب محمود آباد مولانا جمال میاں فرنگی محلی۔ جناب آئی آئی چندریگر اور قائداعظم محمد علی جناح شامل تھے۔ [1]

١٢ر فروری ١٩٣٩ء کو دہلی میں مولانا شبیر علی تھانوی کی قیادت میں علماء کے وفد نے شام سات بجے قائداعظم سے اُن کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور سیاست و مذہب کے موضوع پر بات چیت کی۔ [2]

---

[1] رقیب پوناوالا سابق جنرل سکریٹری صوبائی مسلم لیگ بلوائڈ بمبئی حال سینئر فوٹوگرافر روزنامہ حریت کراچی۔
[2] منشی عبدالرحمن خان ص ۸۱ - پاکستان اور علماء ربانی۔

سنہ ۱۹۴۰ء

برصغیر میں ۱۹۴۰ کا سورج نئے ولولے اور نئی امنگوں کے ساتھ طلوع ہوا۔ یوم نجات کی کامیابی سے سرشار مسلمان ایک صدی کے ذلت اور رسوائی کے صدمات اٹھانے کے بعد چند سال کے اندر ہی اپنی منزل سے بہت قریب ہوگئے۔ اس سال مجدد الف ثانی کی پیشین گوئی کی تکمیل ہوئی۔ علامہ اقبال کے خواب کی تعبیر سامنے آئی چودھری رحمت الٰہی کے خاکے کو رنگ میسر آئے۔ اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت وجدوجہد کو دوام حاصل ہوا۔

۱۶ جنوری ۱۹۴۰ء کو گاندھی جی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط تحریر کیا جس میں پہلی مرتبہ انہوں نے محمد علی جناح کو قائداعظم کہہ کر مخاطب کیا۔ گاندھی جی نے اپنے خط میں لکھا کہ اس خط کا مقصد آپ کی خدمت میں اس غیر مطبوعہ مضمون کی ترسیل ہے جسے میں نے ہریجن میں اشاعت کی غرض سے روانہ کیا ہے اُس مقصد کے پیش رفت میں یہ مضمون لکھا گیا ہے جسے میں نے آپ کے حالیہ بیانات سے اخذ کیا ہے۔" گاندھی جی نے اس خط کے ہمراہ گلبرگہ حیدرآباد دکن کے مسلمانوں کی جانب سے موصول ہونے والے ٹیلیگرام کی نقل بھی منسلک کردی جو انہوں نے گاندھی جی کو یوم نجات کی کامیابی پر ارسال کیا تھا۔ اس ٹیلیگرام میں مسلمانوں نے "یوم نجات کی مبارکباد" اور "قائداعظم زندہ باد" درج کیا تھا۔ گاندھی جی نے اپنے خط میں لکھا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ یہ تار میرے احساسات کو مجروح کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے لیکن بھیجنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ جب مجھے یہ ملا تو میں خاموشی کے ساتھ اُن کی اس دعا میں شریک ہوگیا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی جی کے اس خط کا مفصل جواب ۲۱ جنوری ۱۹۴۰ء
کو مالابار ہل بمبئی سے ارسال کیا۔ جس میں دیگر سیاسی مسائل پر روشنی ڈالنے کے علاوہ
قائداعظم نے تحریر فرمایا کہ میرے نام کے ساتھ آپ نے جو القاب استعمال کئے ہیں اور
میرے احساسات کا احترام کیا ہے اُس کے لئے میں آپ کا مشکور ہوں۔ لیکن القاب کی
اہمیت ہی کتنی ہوتی ہے گلاب کو خواہ کسی نام سے یاد کیا جائے اُس کی خوشبو بہرحال
باقی رہے گی۔

قائداعظم نے اس سے قبل ۷ جنوری کو وہ خط وکتابت جو ۱۹۳۹ کے آخر میں جواہر لال نہرو
اور اُن کے درمیان ہوئی تھی بغرض اشاعت اخبارات کو ایک بیان کے ساتھ حوالے کر دی
اس بیان میں قائداعظم نے کہا تھا کہ مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ پنڈت نہرو نے اپنے حالیہ
دورۂ پنجاب میں اور دوسرے مقامات پر اس طرح مجھ پر حملے کئے ہیں جو ایک ذمہ دار رہنما
کے شایان شان نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں ہندوستان میں برطانوی
تسلط کو قائم رکھنے کی طرف مائل ہوں یہ الزام صرف غیر ضروری ہی نہیں بلکہ کمینہ ہے
میں اُن کے بے تکے اور غیر ذمہ دارانہ بیانات پر مزید روشنی نہیں ڈالوں گا بلکہ اس پر
اکتفا کرتا ہوں کہ اس مسئلے پر میرے اور اُن کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی ہے اُسے شائع
کر دوں میں عوام پر چھوڑتا ہوں کہ وہ دیکھیں کہ جواہر لال نہرو اور کانگریس کا عمل کس قدر
نامناسب ہے۔

۱۹ جنوری کو لندن کے ممتاز ہفت روزہ "ٹائم اینڈ ٹائڈ" میں ہندوستان کے دستوری
مسائل سے متعلق قائداعظم محمد علی جناح کا ایک بیان شائع ہوا جس میں انہوں نے
کھل کر کانگریس کے رویہ اور برطانوی حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی کی تھی۔

۳ فروری ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس خان لیاقت علی
خان کے مکان گل رعنا واقع ہارڈنگ ایونیو دہلی میں منعقد ہوا جس کی صدارت قائداعظم

محمد علی جناح نے کی۔ اس اجلاس میں ورکنگ کمیٹی نے اُس خط وکتابت پر غور کیا جو وائسرائے لارڈ لنلتھگو اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں وائسرائے سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ۱۸ ستمبر ۱۹۳۹ء اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے اجلاس کی قراردادوں پر غور کر کے فیصلہ کریں تاکہ مسلمانوں کے دل سے تمام شبہات اور وسوسے دور ہو سکیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد کی ایک کاپی ۶ فروری ۱۹۴۰ کو وائسرائے کو ارسال کر دی۔ اسی دن دہلی میں مرکزی اسمبلی میں جنگ کے پیش نظر ایک بل پیش ہوا جس میں زائد منافع پر ٹیکس لگانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس بل پر محمد علی جناح نے نہایت مختصر تقریر کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ اسے ۱۲ فروری تک کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔ ۱۲ فروری کو یہ بل دوبارہ اسمبلی میں پیش ہوا تو محمد علی جناح نے اس پر ایک مدلل تقریر کی اور اسے سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کرنے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ یہ بل سلیکٹ کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا۔[1]

اسمبلی کا اجلاس جاری تھا کہ وائسرائے نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی چنانچہ انہوں نے ۶ فروری کو وائسرائے سے ملاقات کی اور ۱۳ فروری کو وائسرائے کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا کہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اس بات کا یقین چاہتی ہے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کے متعلق کوئی قرارداد منظور نہ کی جائے گی اور کسی دوسری پارٹی کے ساتھ عبوری دور کے لیے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا جب تک کہ مسلم لیگ اسے منظور اور قبول نہ کر لے۔[2]

۲۵ فروری کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس دہلی میں ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کی۔ آپ نے موجودہ حالات میں لیگ کے مطالبات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا مقصد

---

[1] ۔ نواب سر یامین خان ص ۶۳
[2] ۔ پروفیسر حسن ریاض ص ۲۴۰

کیا ہے اگر اب بھی تم ہمارا مقصد نہیں سمجھے تو میں کہوں گا کہ تم کبھی نہیں سمجھ سکتے ۔ ہم نہ برطانیہ کو اور نہ ہی مسٹر گاندھی کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے ۔ ہم آزاد رہنا چاہتے ہیں ۔[1]

۶ر مارچ ۱۹۴۰ء کو قائداعظم محمد علی جناح انجمن اتحاد طلبہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی دعوت پر علی گڑھ پہنچے اور آپ نے طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کیا ۔ آپ نے ہندوستان کی دستوری تاریخ کا ایک اجمالی جائزہ لیتے ہوئے طلبہ سے کہا کہ ہم برطانوی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ کسی دستور کا نفاذ یا کوئی ہنگامی فیصلہ مسلمانوں کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہ کیا جائے ۔ اگر ہمارے اندیشے صحیح ثابت ہوئے تو متعلقہ افراد کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان ممکنہ ذرائع سے اس کی مدافعت کریں گے اور ہر تصفیہ کو ناقابل عمل بنا کر رکھ دیں گے آپ نے طلبہ سے اپیل کی کہ وہ منظم رہیں اور عوام کو منظم کریں ۔ انہیں ایک مرکز پر لائیں ۔ انہیں قواعد سکھائیں اور ان کی ایک ایسی حیرت انگیز سیاسی فوج بنا دیں جس کی ہندوستان میں نظیر نہ ملے پھر ہم منزل مقصود پر چشم زدن میں پہنچ جائیں گے ۔[2]

۱۳ر مارچ کو دہلی میں قائداعظم کو وائسرائے نے ملاقات کی دعوت دی ۔ اس ملاقات میں قائداعظم نے مسلمانوں کے مطالبات اور خیالات بہت صاف صاف بیان کئے مگر وائسرائے نے کوئی معین اور قطعی بات نہیں کی ۔[3]

ادھر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مجوزہ اجلاس کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں ۔ صوبائی مسلم لیگ کے زیر انتظام مختلف کمیٹیاں قائم کر دی گئیں تھیں جو اس اجلاس کی کامیابی کے لئے رات دن کوشاں تھیں ۔ اس سلسلے میں مسلمانانِ پنجاب نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ اور صرف اجلاس کے انعقاد کے لئے ۲۰ ہزار روپیہ کے قریب چندہ جمع ہوا جس میں سے اجلاس پر پہلے گیارہ ہزار روپے خرچ ہوئے جبکہ باقی ماندہ رقم مسلم لیگ کے فنڈ میں جمع کرا دی گئی ۔

---

[1] ۔ عثمان صحرائی ص ۱۳۸ [2] عثمان صحرائی ص ۲۴۰

[3] ۔ پروفیسر حسن ریاض ص ۲۴۰

۲۰ مارچ کی شام کو منٹو پارک لاہور میں قائداعظم کو جلسہ کی کارروائی سے قبل پرچم کشائی کی رسم ادا کرنا تھی۔ اس لئے مسلم لیگ کا رکن رات دن منٹو پارک کو سجانے میں معروف تھے۔ اس دوران ایک المناک سانحہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ خاکساروں کا ایک دستہ ۱۹ مارچ کو بھاٹی بازار میں پریڈ کر رہا تھا۔ کہ اس کا تصادم پولیس سے ہوگیا۔ پولیس نے فائرنگ شروع کر دی جس سے تقریباً ۳۲ خاکسار ہلاک اور لاتعداد زخمی ہو گئے۔ اس تصادم کی اطلاع جب ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پہنچی تو ایک عام خیال پیدا ہو گیا کہ شاید اب مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ علامہ مشرقی اور قائداعظم کی فکر میں بعد مشرقین ہے لیکن قائداعظم نے ان افواہوں کو کوئی اہمیت نہیں دی اور وہ برابر اجلاس کی تیاریوں میں معروف رہے۔

۲۰ مارچ ۱۹۴۰ کو ساڑھے سات بجے شام قائداعظم محمد علی جناح ایک اسپیشل ٹرین کے ذریعے لاہور روانہ ہو گئے۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس کے بارے میں ایک عام تاثر یہی تھا کہ اس اجلاس میں مسلمانوں کے مستقبل سے متعلق کوئی اہم فیصلہ ہوگا۔ اس لئے تمام مسلمان اس کو بڑی اہمیت دے رہے تھے۔ چنانچہ قائداعظم کی ٹرین جب غازی پور، میرٹھ، مظفر نگر سہارنپور اور امرتسر سے گذری تو وہاں پر پہلے سے قائداعظم کے استقبال کے لئے جمع ہزاروں مسلمانوں نے پرجوش نعرے بلند کئے۔

قائداعظم کی ٹرین ۲۱ مارچ کی صبح نو بجے لاہور کے اسٹیشن پر پہنچی جہاں اخباری اطلاعات کے مطابق تقریباً ستر ہزار مسلمان قائداعظم کے استقبال کے لئے جمع تھے اسٹیشن سے قائداعظم کے جلوس کا شاندار انتظام کیا گیا تھا۔ قائداعظم اسٹیشن سے سیدھے میو ہسپتال پہنچے جہاں آپ نے زخمی خاکساروں کی عیادت کی۔

۲۱ مارچ کی شام منٹو پارک میں پرچم کشائی کی رسم ادا کرتے ہوئے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں آپ نے ایک مرتبہ پھر خاکساروں کی ہلاکت پر اظہار افسوس کیا۔

۲۲ مارچ کی شب مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس منٹو پارک میں شروع

سجا۔ اس اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ "یہ مسئلہ جو ہندوستان میں ہے فرقوں کے درمیان نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے اور اس کو بین الاقوامی ہی جان کر حل کرنا چاہیئے۔ جب تک یہ بنیادی حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی اس وقت تک کوئی دستور وضع کیا گیا تو وہ تباہی پر منتج ہوگا اور صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ہندوؤں کے لئے اور برطانویوں کیلئے بھی مضر اور تباہ کن ثابت ہوگا۔ اگر حکومت برطانیہ اس برصغیر کے باشندوں کے لئے یہ چاہتی ہے کہ اُن کو امن اور خوشی حاصل ہو اور اس کی یہ خواہش واقعی مخلصانہ ہے، تو اس کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ ہندوستان کو تقسیم کر کے بڑی اقوام کے لئے جداگانہ قومی وطن منظور کئے جائیں، جن میں وہ خود اختیاری کے ساتھ قومی ریاستیں قائم کریں۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ان ریاستوں میں باہم عداوت ہو۔ البتہ ان کی یہ رقابت اور یہ طبعی خواہش اور کوشش جاتی رہے گی کہ ایک دوسرے کے اجتماعی نظام پر چھا جائے اور ملک کی حکومت میں سیاسی برتری حاصل کر لے۔ بین الاقوامی معاہدات کے ذریعے سے اُن کے درمیان خیرخواہی اور خیرسگالی پیدا ہو جائے گی اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ وہ امن سے رہ سکیں گے۔ مزید یہ کہ اس سے اقلیتوں کا مسئلہ حل کرنے میں بڑی آسانی ہو گی۔ ہندوستان اور مسلم ہندوستان کے درمیان باہمی رضا و رغبت سے معاملات طے ہو جائیں گے۔ اور اس سے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق و مفاد کی زیادہ موثر طریقے پر حفاظت ہو جائے گی۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں، معاشرتی رواجوں اور ادبیات سے ہے۔ نہ ان کے درمیان باہم شادیاں ہوتی ہیں، نہ یہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں دو ایسی تہذیبوں کے پیرو ہیں جن کی بنیاد متصادم خیالات اور تصورات پر ہے۔ یہ بالکل واضح ہے کہ وہ تاریخ اور ہے جس پر ہندوؤں کو فخر اور ناز ہے اور وہ اور ہے جس پر مسلمان نازاں ہیں اور جس سے اِن کے دلوں میں امنگ پیدا ہوتی ہے۔ دو ایسی

قوموں کو نظام ریاست میں اس طرح باندھنے کا نتیجہ، کہ ان میں ایک اکثریت ہو اور دوسری اقلیت، یہ ہوگا کہ ان میں بے چینی بڑھے گی اور بالآخر وہ نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔

تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں، جیسی برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ اور چیکو سلواکیہ اور پولینڈ کے اتحادوں کی۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ برصغیر ہند کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹے چھوٹے جغرافیائی رقبے جو یکجا رہنے کی صورت میں ایک ملک کہے جاتے اتنی ہی ریاستوں میں تقسیم کر دیئے گئے جتنی ان میں قومیں آباد تھیں جزیرہ نمائے بلقان میں ۷ یا ۸ خود مختار ریاستیں ہیں۔ اسی طرح جزیرہ نمائے آئی بیریا ہے۔ جو پرتگالیوں اور ہسپانویوں کے درمیان تقسیم ہوا۔ مگر ہندوستان کے اتحاد کے لئے اور ایک قوم کی بنیاد پر، جس کا کوئی وجود نہیں، یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ایک مرکزی حکومت ہونا چاہیئے۔ حالانکہ بارہ سو برس کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ اتحاد حاصل نہیں ہو سکا اور ہندوستان ہمیشہ ہندو اور مسلم ہندوستان میں تقسیم رہا۔ ہندوستان کا موجودہ مصنوعی اتحاد صرف اس وقت سے ہے کہ انگریزوں نے اس ملک پر تسلط حاصل کیا۔ اور برطانوی سنگینوں سے یہ قائم ہے۔ لیکن جہاں برطانوی حکومت ختم ہوئی، جس کا ملک معظم کی گورنمنٹ کے حالیہ بیان میں کنایۃً ذکر ہے، ایسی کامل ٹوٹ پھوٹ ہوگی اور ایسی سخت تباہی کے ساتھ کہ مسلمانوں کے ماتحت گذشتہ ایک ہزار برس میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ یقیناً یہ وہ براورثہ ہوگا جو ڈیڑھ سو برس کی حکومت کے بعد اہلِ برطانیہ ہندوستان کے لئے چھوڑنا پسند نہ کریں گے اور نہ ہندو اور مسلمان اس اختلال کا خطرہ گوارہ کرلینے کے لئے تیار ہوں گے۔

مسلم ہندوستان کوئی ایسا دستور قبول نہیں کرے گا جو لازماً ہندو اکثریت پر منتج ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو اگر کسی ایسے جمہوری نظام کے تحت یکجا کیا جائے گا جو اقلیتوں پر مسلط کیا گیا ہو، تو اس کے معنیٰ صرف ہندو راج ہوں گے۔

جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے اور سمجھا جاتا ہے، مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ذرا کوئی

آنکھیں کھول کر دیکھیے، تو اس کو معلوم ہوگا کہ اسی نقشے کی رو سے جو برطانویوں نے بنایا ہے ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں مسلمانوں کو کم و بیش غلبہ حاصل ہے اور وہ اس کے باوجود حکومتیں چلا رہے ہیں۔ کہ کانگریس کی اعلیٰ ہندو قیادت عدم تعاون اور سول نافرمانی کے لیے تیاریاں کر رہی ہے۔ قومیت کی ہر تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں اور چاہیئے کہ ان کے پاس قومی وطن ہو، ان کا اپنا ملک ہو، اور اپنی ریاست و دولت ہو ہماری یہ خواہش ہے کہ آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ با امن اتحاد رہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قوم، اپنے تصوّرات اور مزاج کے مطابق اور جس طرح ہمارے خیال میں بہتر ہو، روحانی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی زندگی میں ترقی کرے۔ دیانت کا یہ تقاضہ ہے اور ہماری قوم کے کروڑوں آدمیوں نے ہم پر یہ مقدس فرض عائد کر دیا ہے کہ ہم کوئی ایسا باعزت اور پرامن حل نکالیں جو سب کے حق میں منصفانہ ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ہم پر دھمکیوں اور تخویف کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا اور جو نصب العین ہم نے معین کر لیا ہے اور جو مقصد ہمارے سامنے ہے، اُن کی وجہ سے ہم اس کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے جو مطمع نظر ہم نے اپنے سامنے رکھ لیا ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے ہم کو چاہیئے کہ تمام دشواریوں اور نتائج کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جائیں اور وہ تمام قربانیاں کرنے کے لئے کمربستہ رہیں، جن کی ضرورت ہو۔

دوستو، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم قطعی فیصلہ کر لو اور پھر تدابیر پر غور کرو، اپنی تنظیم کو مستحکم کرو، پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو متحد کرو، میرا خیال یہ ہے کہ عام مسلمان بالکل بیدار ہیں۔ وہ صرف تمہاری رہنمائی اور قیادت چاہتے ہیں۔ اسلام کے خادم بن کر آگے بڑھو اور اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی تنظیم کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تم وہ طاقت بنو گے جس کو ہر شخص تسلیم کرے گا۔[1]

شب میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا اور دوسرے روز دن میں سبجیکٹس کمیٹی کا۔ صدر

---

[1] پروفیسر حسن ریاض صفحہ ۲۵

کی تقریر کی روشنی میں ورکنگ کمیٹی نے ، جو رزولیوشن مرتب کیا تھا وہی سبجیکٹس کمیٹی کے سامنے آیا ۔ اس پر بڑی تفصیل سے بحث ہوئی۔

نواب سر یامین خان نے نامۂ اعمال میں لکھا ہے کہ قرارداد پر غور و فکر کے دوران آریبل کنٹریکٹر خان رشید احمد نے قائد اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو آپ کو لیڈر مان چکے ہیں ۔ جو آپ کہیں گے تسلیم کرلیں گے ۔ اس پر مسٹر جناح نے بہت ڈانٹ کر کہا کہ آپ لوگ تمام ہندوستان سے اس لئے نہیں آئے ہیں کہ اپنی اپنی رائے نہ دیں بلکہ اس لئے کہ جو میں کہوں اس کو آنکھیں بند کر کے منظور کرلیں اگر ایسا ہوتا تو میں اپنی رائے اخبارات میں شائع کرا دیتا اور آپ اسے منظور کر لیتے ۔ [1]

۲۳ مارچ کی شام منٹو پارک کے کھلے اجلاس میں یہ قرارداد پیش ہوئی ۔

قرار پایا کہ غور و خوض کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ بغیر اس کے اس ملک میں قابلِ عمل اور مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر مبنی ہو : یعنی یہ کہ حد بندی کر کے اور ملکی تقسیم کے اعتبار سے حسب ضرورت رد و بدل کر کے متصل واحدوں کو ایسے منطقے بنا دیا جائے کہ وہ علاقے ، جن میں مسلمان بہ اعتبار تعداد اکثریت ہیں ۔ جیسے ہندوستان کے شمالی و مغربی اور مشرقی منطقوں میں ، اس طرح یکجا ہو جائیں کہ وہ ایسی خود مختار ریاستیں بن جائیں جن کے واحدے اندرونی طور پر بااختیار اور خود مختار ہوں ۔

یہ کہ ، ان واحدوں میں اور ان علاقوں میں اقلیتوں کے لئے ان کے مذہبی ، ثقافتی ، اقتصادی ، سیاسی ، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لئے ان کے مشورے سے بقدر ضرورت موثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور کے اندر رکھے جائیں ۔ اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں حسب ضرورت موثر اور واجب التعمیل تحفظات ان کے اور دوسری اقلیتوں کے مذہبی ، ثقافتی ، اقتصادی

---

[1] نواب سر یامین خان ۔ صفحہ ؟

سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے اُن کے مشورے سے معین طور پر دستور کے اندر رکھے جائیں۔

یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو یہ مزید اختیار دیتا ہے کہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق دستور کی ایسی ایک اسکیم مرتب کرے جس میں اس کا انتظام ہو کہ بالآخر یہ جداگانہ علاقے ایسے تمام اختیارات لے سکیں جیسے دفاع، امور خارجیہ، رسل و رسائل، کروڑگیری (کسٹمس) اور دوسرے امور جو ضروری ہوں۔

مسٹر اے کے فضل الحق نے جو اس زمانے میں بنگال کے وزیر اعلیٰ تھے قرارداد پیش کی اور چودھری خلیق الزماں ایم. ایل. اے یوپی نے تائید۔ ان کے بعد مندرجہ ذیل حضرات نے مزید تائید کی۔ مولانا ظفر علی خان ایم. ایل. اے مرکزی (پنجاب)، سردار اورنگزیب خان ایم ایل اے صوبہ سرحد، حاجی سر عبداللہ ہارون ایم. ایل. اے. مرکزی (سندھ)، خان بہادر نواب محمد اسمٰعیل. ایم. ایل. سی (بہار)، قاضی محمد عیسیٰ صدر مسلم لیگ بلوچستان، عبدالحمید خان صاحب ایم. ایل. اے (مدراس) آئی آئی چندریگر. ایم. ایل. اے. (بمبئی)، سر عبدالرؤف شاہ ایم. ایل. اے (سی پی) ڈاکٹر محمد عالم ایم. ایل. اے (پنجاب) اسپیڈ ناکرگلی (یوپی)، بیگم صاحبہ مولانا محمد علی (یوپی)، مولانا عبدالحامد بدایونی (یوپی)

قرارداد باتفاق رائے منظور ہو گئی اور نعروں کے ساتھ اور تبریک و تہنیت کے ساتھ۔ واقعی لوگوں کو اس قرارداد کے منظور ہونے پر بڑی خوشی تھی۔ اپنی سلطنت و حکومت جانے کے بعد یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کو وہ مطمع نظر اور نصب العین ملا جو ان ہی کے لئے تھا اور جس کا حصول محض ان ہی کی سعی اور جدوجہد پر منحصر تھا۔

خطبہ صدارت میں، قرارداد میں، اور محرک و مویدین کی تقریروں میں پاکستان کا قطعی ذکر نہ تھا۔ اس قرارداد کو محض تقسیم ہند کی قرارداد کہا گیا۔ البتہ بیگم محمد علی نے اپنی تقریر میں اس کو پاکستان کی قرارداد کہا۔ اور وہ بھی اس وجہ سے کہ چودھری رحمت علی

کی کوشش اور سعی سے یہ لفظ مشہور ہو چکا تھا وہ اس سے واقف تھیں اور ان کو یہ آسان معلوم ہوا کہ تقسیم برصغیر ہند کی قرارداد کے بجائے اس کو پاکستان کی قرارداد کہیں، پھر ہندو پریس نے تو طعن و طنز کے طور پر اس کو ایسا اچھالا کہ یہ زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ سلہ

قرارداد لاہور کی منظوری کے بعد ہر طرف سے قرارداد کے مقاصد پر اظہار خیال ہونے لگا۔ خصوصاً ہندو رہنماؤں اور ہندو پریس نے تو بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اس قرارداد کو "قرارداد پاکستان" کا نام دیا۔ قرارداد میں جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن علیحدہ وطن کا کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا تھا۔ مگر ہندو پریس نے جب علی الاعلان اسے قرارداد پاکستان کہنا شروع کیا تو مسلمان بھی اسے اسی نام سے یاد کرنے لگے۔ قرارداد کے مندرجات پر بھی ہندو اخبارات نے بحث و تمحیص کا ایک سلسلہ شروع کر دیا چنانچہ مسلمانوں کے موقف کی ترجمانی کرنے والے اخبارات نے بھی قرارداد کے حق میں وضاحتی مضامین شائع کئے۔ بمبئی کے ہفت روزہ "پروگریس" نے ۱۴ اپریل ۱۹۴۰ء کو یوپی کے صحافی فضل احمد صوفی کا "مسلم لیگ ہوم لینڈ پلان" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ شائع کیا جس میں ہندوؤں کے اعتراضات کے جوابات دینے کے ساتھ ساتھ علیحدہ وطن کے مطالبے کی تاریخی اہمیت اور حیثیت پر بحث کی گئی تھی، فضل احمد صوفی نے اپنے اس مقالہ میں کانگریس کے ڈھائی سالہ دور اقتدار میں ہونے والی ناانصافیوں اور مسلمان دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر ہندو منافقت سے کام نہ لیتے اور مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق کے حصول میں مدد دیتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ علیحدہ وطن کا مطالبہ کرتے کیونکہ وہ تو ماضی میں ایک ہزار سال تک متحدہ ہندوستان پر حکمرانی کرتے رہے ہیں سلہ

قرارداد لاہور کی منظوری کے خلاف جو رہنما سب سے زیادہ زور باندھے ہوئے

سلہ پروفیسر حسن ریاض صفحہ ۲۵۶

سلہ فضل احمد صوفی، مسلم لیگ ہوم لینڈ پلان بحوالہ ہفت روزہ پروگریس بمبئی ۱۴ اپریل ۱۹۴۰ء

تھے۔ اُن میں گاندھی جی اور راج گوپال اچاریہ سرفہرست تھے۔ گاندھی جی نے فوری طور پر ہریجن میں ایک مضمون قلمبند کر ڈالا جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ ایک قوم کی طرح ہندوستان میں زندگی گذاریں گاندھی جی کے اس مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۴۲ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے کہا کہ گاندھی جی اپنے دن کا آغاز بھگوت گیتا کی تلاوت سے کرتے ہیں اور آشرم کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ اہنسا کے پجاری، کھدر کے شوقین، سنسکرت اور دودھیا سندر کے داعی اور ہندو دھرم کے ماننے والے ہیں۔ اور کوئی مسلمان بھی گاندھی جی کے ان عقائد کو قبول نہیں کر سکتا رام گڑھ کے سالانہ اجلاس میں کون سی چیز اسلامی تھی۔ سوائے اجلاس کے صدر مسٹر ابوالکلام آزاد کے جنکو ورکنگ کمیٹی کے چار ارکان نے نامزد کیا تھا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کہا کہ اس وقت گاندھی جی ایک جذباتی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس لئے میں اُن کے اس فضا سے باہر آنے کا منتظر ہوں تاکہ وہ معقولیت کے ساتھ میرے مطمحِ نظر کو سمجھنے کی کوشش کر سکیں۔ مسلم لیگ کے ۲۷ ویں اجلاس کی ہدایت کے مطابق برصغیر کے تمام مسلمان ۱۹ر اپریل کو لاہور میں منظور کی جانے والی قرارداد پر اظہار اعتماد کے لئے یوم پاکستان منائیں گے۔ اس طرح گاندھی جی کو اپنی اُس غلط فہمی کا بھی جواب مل جائے گا کہ لاہور میں پچاس ہزار سے زائد افراد کے درمیان منظور کی جانے والی قرارداد چند افراد کی منظور کردہ نہیں بلکہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی آواز ہے۔ ۱؎

۲۶ر مئی کو بمبئی پریسیڈنسی میں مسلم لیگ کانفرنس کا جلسۂ عام راجہ صاحب محمود آباد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں قائدِ اعظم اپنی مصروفیات کی بناء پر شریک نہ ہو سکے۔ لیکن انہوں نے اس موقع پر ایک پیغام بھیجا جس میں انہوں نے کہا کہ مسلمانانِ ہندوستان کی مسلم لیگ نے صحیح رہنمائی کی ہے اور لاہور کی قرارداد منظور کر کے ایک معین نصب العین اور مطمحِ نظر پیش کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو اس مقصد کو حاصل کرنے کے

۱؎ - ہفت روزہ پروگریس بمبئی، ۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

لئے جد وجہد کرنا چاہیئے۔ ہمارا نصب العین اور ہماری جدوجہد کسی فرقہ کو نقصان پہنچانا نہیں ہے اور نہ دوسروں کی ترقی اور مفاد میں روڑے ڈالنا ہمارا منشا ہے بلکہ ہم اپنی حفاظت آپ کرنا چاہتے ہیں ہم اس ملک میں باعزت اور آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہیں اور آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کی تمنا رکھتے ہیں۔[1]

جون ۱۹۴۰ء میں قائداعظم محمد علی جناح شملہ میں مقیم تھے۔ اس دوران لارڈ لنلتھگو سے انکی خط و کتابت بھی جاری تھی، اور بالمشافہ گفتگو بھی ہو رہی تھی! اس گفتگو کا مقصد آئینی صورتحال اور جنگ میں تعاون کا سوال تھا۔ ۲۹ جون کو وائسرائے نے گاندھی جی کو اس گفتگو میں شریک کر لیا۔ اسی دن قائداعظم اور گاندھی جی نے بیک وقت وائسرائے سے ملاقات کی۔ قائداعظم نے وائسرائے سے کہا کہ مسلم لیگ تعاون کے لئے تیار ہے لیکن اسے صوبائی اور مرکزی وزارتوں میں مناسب اور مؤثر نمائندگی دی جائے۔ اور آئندہ کے لئے جو دستوری خاکہ مرتب کیا جائے اس میں دو خود مختار آزاد ریاستوں کا اصول شامل کیا جائے۔ یکم جولائی کو قائداعظم نے اس سلسلے میں وائسرائے کو مسلم لیگ کی تجاویز ارسال کر دیں جس کی روشنی میں وائسرائے نے وزیر ہند کو اپنی رپورٹ ارسال کر دی ۸ اگست کو وائسرائے نے ایک بیان جاری کیا جس میں انہوں نے ہندوستان کو متحد رکھنے اور اہل ہند کو خود مختاری دینے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ ۱۱ اور ۱۲ اگست کو قائداعظم نے وائسرائے سے پھر ملاقات کی اور اس بیان کے سلسلے میں وضاحت جاری کرنے کی درخواست کی۔ وائسرائے نے ۱۴ اگست کو ایک وضاحت مسلم لیگ کے نام بھیجی جو تشفی بخش نہیں تھی، اس وضاحت پر غور کرنے کے لئے ۲۱ اگست سے ۲ ستمبر تک بمبئی میں قائداعظم کے مکان پر مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس ہوئے اور اس کے فیصلے وائسرائے کو ارسال کر دیئے گئے۔ ۲۴ ستمبر کو قائداعظم نے وائسرائے سے پھر ملاقات کی۔ اور ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں پر تفصیل بات چیت ہوئی۔ ۲۵ ستمبر

---

[1] رئیس احمد جعفری صفحہ ۲۱۹ خطبات قائداعظم۔

کو وائسرائے نے اس ملاقات کا تحریری جواب مسلم لیگ کو بھیجا جس پر غور کرنے کے لئے ۲۸ ستمبر ۱۹۴۰ کو دہلی میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا۔

ادھر ہندو مہاسبھا اور کانگریس دونوں وائسرائے پر زور دے رہے تھے کہ حکومت اس بات کا واضح اعلان کرے کہ وہ تقسیم سے متعلق مسلم لیگ کا مطالبہ منظور نہیں کرے گی۔ نہ صرف یہ بلکہ ۱۳ اکتوبر کو واردھا میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس گاندھی جی کی صدارت میں ہوا جس میں سول نافرمانی شروع کرنے کا اعلان کیا گیا۔

۲۹ ستمبر کو قائداعظم نے ورکنگ کمیٹی کے مشورہ سے وائسرائے اور اُن کے درمیان ہونے والی خط وکتابت اشاعت کے لئے پریس کے حوالہ کر دی۔

۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو حیدرآباد دکن کے مسلم رہنما ڈاکٹر سید عبداللطیف نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط تحریر کیا جس میں انہوں نے سروجنی نائیڈو کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم سے دریافت کیا کہ اُن کو کانگریسی رہنماؤں سے دستور کے مسائل پر گفتگو کرنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ آپ اس سلسلہ میں اپنی رائے دیں۔ اسی دن قائداعظم نے بذریعہ ٹیلیگرام ان کو مطلع کیا کہ وہ کانگریس کے کسی رہنما سے ملاقات نہ کریں۔ ۱۷ اکتوبر کو ڈاکٹر عبداللطیف نے اس خط کا جواب دیا اور ۲۱ اکتوبر کو قائداعظم نے اُن کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا کہ وہ بمبئی کے بجائے دہلی میں ملاقات رکھیں کیونکہ میں چند دن بعد دہلی روانہ ہو رہا ہوں۔

۵ نومبر سے دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا اس لئے مسلم لیگ کے تمام اراکین اسمبلی دہلی پہنچ چکے تھے۔ ۴ نومبر کو نواب سر یامین خان کے مکان پر مسلم لیگ کی اسمبلی پارٹی کا اجلاس ہوا جس کی صدارت محمد علی جناح نے کی۔ اس اجلاس میں اسمبلی کے دوران مسلم لیگ پارٹی کی کارکردگی سے متعلق امور پر بات چیت ہوئی۔

۵ نومبر کو اسمبلی جب شروع ہوئی تو کانگریس پارٹی کے تمام اراکین

بھی ایوان میں موجود تھے۔ جبکہ کانگریس کے فیصلے کے مطابق بیار کان شروع سال میں اسمبلی کا بائیکاٹ کیے رہے۔

۱۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو اسمبلی میں فنانس بل پر تغاریر ہورہی تھیں ابھی تک اس بل پر مسلم لیگ پارٹی کی جانب سے کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۹ نومبر کو اس بل پر ایک طویل تقریر کی۔ قائداعظم کی یہ تقریر اپنے معنویت کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس تقریر میں آپ نے کانگریس کی فریب کاریوں کو بے نقاب کرتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کی تشریح کی۔ آپ نے اپنی تقریر کا آغاز نہایت دھیمے لہجے میں اور پھر پورے ایوان پر اپنی خطابت سے سحرطاری کر دیا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کی جانب سے تعاون کے مسئلہ پر حکومت کو خبردار کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ "اگر ہم تعداد میں کم ہیں تو ہوا کریں اور ہیں بھی لیکن میں تم کو بتلا دینا چاہتا ہوں اور یہ کہنے کی جرأت اپنے اندر پاتا ہوں۔ یہ دھمکی نہیں ہے تمہارے علم، اطلاع اور واقفیت کے لئے ہے کہ اگر ہم چاہیں اور تہیہ کرلیں تو تمہیں کانگریس سے سوگنا زیادہ تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اسمبلی میں تقریر کے بعد انجمن اتحاد طلبہ اینگلو اورنٹیل عربک کالج کے طلبہ سے خطاب کیا۔ یہاں بھی آپ نے طلبہ کو کانگریس کی مذموم پالیسیوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ آزادی تقریر کا مطالبہ کانگریس نے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے کیا ہے ورنہ کانگریس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انصرام جنگ میں رخنہ اندازی کرکے حکومت کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو نظرانداز کردے۔ ؎۱

نومبر کے آخری عشرہ میں قائداعظم نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی پہلی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ آپ نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہر دیانت دار شخص کو یقین

؎۱ عثمان صمرانی ص ۱۵۳

ہو گیا ہے کہ کانگریس ایک ہندو ادارہ ہے اور کانگریس کی اعلیٰ کمان کا واحد مقصد ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے ۔ آج ہمارا واحد مقصد پاکستان ہے جس کے لئے ہندوستان کے مسلمان زندہ رہیں گے ۔ اور ضرورت ہوئی تو اُس کے لئے اپنی جان بھی دیدیں گے۔

۲۷ر نومبر ۱۹۴۳ کو اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی ہو گیا چنانچہ محمد علی جناح دسمبر کے پہلے ہفتے میں بمبئی آ گئے ۔

مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن احمد آباد کا سالانہ اجتماع ۲۹ ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو احمد آباد میں ہوا قائد اعظم کو اس اجتماع سے خطاب کرنے کی دعوت دی گئی ۔ چنانچہ آپ ۲۸ ر دسمبر کو بمبئی سے احمد آباد پہنچ گئے ۔ آپ نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کو تقسیم کر دینا چاہیئے ۔ تاکہ ہندو اور مسلم تقسیم کے بعد اچھے پڑوسیوں کی طرح آپس میں زندگی بسر کر سکیں اگر ہندوؤں نے سارا ہندوستان لینے کی کوشش کی تو وہ سارا ہندوستان کھو دیں گے ۔[1]

---

[1] ۔ رئیس احمد جعفری ص ۲۶۱ ۔ خطبات قائد اعظم ۔

۱۹۴۱ء

۱۹۴۱ء میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کے مطالبہ کی گونج پورے ہندوستان میں سنائی دے رہی تھی۔ برطانیہ اور حکومت ہند مغربی محاذوں پر ہونے والی جنگ سے نبرد آزما تھے۔ اور کانگریس گاندھی جی کی سرپرستی میں سول نافرمانی کی تحریک چلا رہی تھی فرقہ وارانہ مسائل کانگریس کی ہٹ دھرمی کی بنا پر جوں کے توں تھے خصوصاً بنگال میں خاصی کشیدگی موجود تھی۔ اس کشیدگی کا حل تلاش کرنے کے لئے ۸ دسمبر ۱۹۴۰ء کو بنگال کے وزیر اعلیٰ فضل الحق نے ایک خط قائداعظم کو تحریر کیا جس میں مشورہ دیا کہ وہ اس مسئلہ کے حل کے لئے مسلم لیگ کونسل کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کریں۔ اس سلسلہ میں قائداعظم اور فضل الحق کے درمیان خط وکتابت ہوئی۔ ۱۴ جنوری ۱۹۴۱ء کو قائداعظم نے فضل الحق کو لکھا کہ فرقہ وارانہ مسائل کا حل ضروری ہے لیکن اس سلسلہ میں کس سے بات چیت کی جائے کانگریس جو سول نافرمانی کی تحریک چلا کر حکومت کو صرف اس لئے جھکانا چاہتی ہے کہ وہ ہم پر حکومت کرسکے میں نہیں سمجھتا کہ آپ جیسا تجربہ کار سیاست دان اور مجاہد کس طرح اس انداز میں سوچ رہا ہے۔

۳ جنوری ۱۹۴۱ء کو قائداعظم نے انجمن ترقی مسلمین اور مجلس مسلم نوجوانان بمبئی کے ایک مشترکہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ جو کچھ چاہتی ہے وہ اس قدر کہ اسے ان دو منطقوں میں جسے وہ اپنا وطن سمجھتی ہے اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی تہذیب تمدن کو ترقی دینے کا موقع ملے۔ [1]

۲۲ فروری ۱۹۴۱ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس

[1] عثمان صحرائی۔ صفحہ ۱۶۳

ہوا۔ جس میں ایک قرارداد کے ذریعہ طے کیا گیا کہ ہر سال مسلم لیگ ۲۲ مارچ کا دن یادگار کے طور پر منائے گی اور اس موقع پر جلسوں میں قرارداد پاکستان کے اصولوں کی تشریح کی جائے گی۔

فروری کی آخری تاریخوں میں قائداعظم دہلی سے پنجاب روانہ ہوئے جہاں لاہور میں اُن کو پنجاب اسٹوڈینٹس فیڈریشن کے ایک جلسہ کی صدارت کرنا تھی۔ فیڈریشن نے یہ خصوصی اجلاس پاکستان کے حق میں منعقد کیا تھا۔ قائداعظم نے ۲ مارچ کو اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایک قوم کے لئے ایک وطن یا مملکت بھی لازم ہوتا ہے اپنے آپ کو ایک قوم قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوئی قوم ہوا میں نہیں بستی۔ وہ زمین پر زندگی بسر کرتی ہے۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ کسی زمین یا مملکت کی حاکم ہو۔ اُس کے قبضہ میں ایک خودمختار ریاست ہو۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو تمام وسائل کام میں لانا ہیں۔ [1]

پنجاب اسٹوڈینٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کے بعد آپ علی گڑھ پہنچے جہاں آپ نے مسلم یونیورسٹی کے طلبہ سے ۱۰ مارچ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم ایک تعمیری لائحہ عمل کے لئے اپنے آپ کو وقف کردو۔ تم اپنی چھٹیوں کو تعمیری کاموں میں صرف کردو۔ اور اپنے آدمیوں میں تعلیم کی اشاعت اور معاشرے کی اصلاح کرو۔ اقتصادی ارتقاء۔ برتر شعور سیاسی اور اپنی تنظیم کو وسیع کرو۔

۳۰ مارچ کو قائداعظم کانپور مسلم لیگ اور مسلم فیڈریشن کانپور کی دعوت پر کانپور پہنچے۔ اس موقع پر شہر میں آپ کا شاندار جلوس نکالا گیا۔ کانپور پھول باغ میں جلسہ ہوا۔ شاندار اسٹیج سجایا گیا تھا۔ قائداعظم نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک قوم ہیں۔ اور وہ کوئی ایسا سمجھوتہ قبول نہیں کریں گے۔

---

[1] رئیس احمد جعفری ص ۲۶۸ خطبات قائداعظم

جس میں اُن کی حیثیت اقلیت کی ہو۔

قائد اعظم محمد علی جناح کی عمر اُس وقت تقریباً ۶۴ برس تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ نہایت مستعدی کے ساتھ ملک کے طول و عرض کے دورے کر رہے تھے۔ آرام و آسائش سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے برخلاف بقول اندلال پاجنک "جب گاندھی جی تھک جاتے تو وہ سول نافرمانی شروع کر کے جیل چلے جاتے تاکہ کچھ دنوں آرام کر لیں" قائد اعظم ان تمام مصلحتوں اور ہتھکنڈوں سے پاک تھے۔ وہ نیک نیتی سے ایک مقصد کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تمام تر جدوجہد میں کبھی قانون شکنی نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جیل جانا لیڈر شپ نہیں بلکہ وقت کا زیاں اور قوم کو دھوکہ دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے جو ۱۴ اپریل کو مدراس میں شروع ہو رہا تھا۔ بمبئی سے روانہ ہوئے تو اُنکی طبیعت مضمحل تھی۔ چنانچہ جب وہ ۱۰ اپریل کو مدراس پہنچے تو بے ہوش ہو گئے۔ اس خبر نے سارے اسلامی ہند کو سراسیمہ اور متوحش کر دیا لیکن دوسرے دن حالت سنبھل گئی۔ ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا لیکن آپ نے انکار کر دیا کیونکہ آپ کو ۱۴ اپریل کے اجلاس میں خطبہ صدارت پیش کرنا تھا۔[1]

سید حسن ریاض نے اپنی کتاب "پاکستان ناگزیر تھا" میں اس اجلاس کی تفصیل کچھ اس طرح درج کی ہے: "مدراس وہ صوبہ تھا جس میں مسلمانوں کی آبادی صرف سات فیصد تھی اور جو جنوب میں سمندر کے کنارے واقع تھا کسی طرح بھی مجوزہ پاکستان کے ساتھ اس صوبہ کا لگاؤ نہیں تھا۔ اور اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ پاکستان میں شامل ہوگا۔ مگر مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے جو اہتمام یہاں تھا۔ وہ اس سے پہلے کہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اس کے باوجود اس کا ہر اجلاس شاندار ہوا اور ایک دوسرے سے ہر طرح بہتر۔ مدراس کا پنڈال بڑا پر تکلف اور بہت وسیع تھا۔

---

[1] رئیس احمد جعفری ص ۲۸۳ "خطبات قائد اعظم"

مدراس کا ہجوم و ازدحام عظیم۔ مدراس کا انتظام نفیس۔ ہندوؤں میں غصہ اس قدر بڑھا ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اس قدر سوزش تھی کہ انہوں نے اس وسیع پنڈال کو جو مغلیہ عمارتوں کی وضع پر بنایا گیا تھا۔ دو مرتبہ آگ لگانے کی کوشش کی مگر رضاکاروں نے ایسی چستی اور ہوشمندی سے نگرانی کی کہ یہ ہو نہ سکا۔ اس اجلاس کا اہتمام ہر پہلو سے عوامی تھا۔ لوگ دور دراز سے پیدل سفر کرکے آئے تھے۔ اور ٹکٹ خریدتے تھے۔ سلہ۔

۱۴ اپریل کے اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے کہا کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے وطن کے منطقوں میں آباد اقلیتیں دیکھیں گی کہ ہمارے مسلمان حاکم نہ صرف منصف ہیں بلکہ فیاض بھی اور کیوں نہ ہوں اسلام کی روایات ہی ایسی ہیں اسلام یہی سکھاتا ہے اور اس نے اپنے پیروؤں کو ایسی ہی وراثت دی ہے۔"

سید حسن ریاض نے لکھا ہے کہ قائداعظم نے یہ تقریر برجستہ کی کیونکہ خطبہ صدارت لکھنے کی انکو فرصت ہی کہاں تھی۔ مگر تقریر کیا تھی ہر اعتبار سے شاہکار۔ کوئی تندرست جوان ہی اس طرح بول سکتا تھا۔ آواز میں وہی کڑک، لہجے میں وہی زور اور پھر دو گھنٹے سے زیادہ بولتے رہے۔ قدرت جن لوگوں سے کام لینا چاہتی ہے انکو غیر معمولی طاقتیں بھی دیتی ہے۔

مدراس کے اجلاس کے بعد ہر چند قائداعظم محمد علی جناح کی صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ مزید سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیں مگر انہوں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ قومی جدوجہد میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کریں گے۔ مدراس کے خطبہ صدارت میں قائداعظم نے سر تیج بہادر کے حالیہ اقدامات پر بھی کڑی تنقید کی جس کے نتیجے میں انہوں نے قائداعظم سے مراسلت شروع کی۔ جو بہر حال کسی

سلہ۔ سید حسن ریاض صفحہ ۲۸۵۔

نتیجے کے بغیر ختم ہو گئی۔ اور قائداعظم نے تمام خط و کتابت یکم مئی کو بغرض اشاعت اخبارات کے حوالے کر دی اس دوران قائداعظم آرام کی غرض سے بنگلور میں نندی ہل اسٹیشن پر مقیم تھے۔ اور تمام تر خط و کتابت یہاں سے جاری تھی۔ ۱۳ مئی کو آپ نے سر عبداللہ ہارون کو ایک خط لکھا اور سندھ میں مسلم لیگ کو تقویت دینے کے سلسلے میں اُن کی کوششوں کو سراہا۔ جون کے اولین عشرے میں مدراس کے گرمائی دارالحکومت اوٹاکمنڈ کے مسلمانوں نے قائداعظم کو ایک استقبالیہ دیا جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ انفرادی طور پر میرا یہ ایقان ہے اور یقیناً مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ بھی یہی یقین رکھتی ہے کہ ہماری آزادی کے حصول کا واحد ذریعہ پاکستان ہے اور جب میں ہماری آزادی کہتا ہوں تو اس کا مطلب ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ آزادی ہوتا ہے۔"

اسی ماہ میسور اسٹیٹ مسلم لیگ کی جانب سے قائداعظم کو استقبالیہ دیا گیا جس سے آپ نے خطاب کیا۔

جولائی میں قائداعظم بمبئی واپس آ گئے۔ اس دوران کسی حد تک سیاسی تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وائسرائے دوسری جنگ عظیم کے نتائج میں الجھے ہوئے تھے۔ مغربی محاذوں سے اتحادی افواج کی پسپائی کی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں چنانچہ انہوں نے اس گھبراہٹ میں ۲۱ جولائی کو گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کی توسیع اور قومی مجلس دفاع کی تشکیل کا اعلان کر دیا۔ وائسرائے نے اس اعلان کی اطلاع ایک دن قبل گورنر بمبئی کے ذریعے قائداعظم کو دی لیکن قائداعظم نے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا کیونکہ وائسرائے نے بغیر صدر مسلم لیگ کی اجازت کے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ارکان کو ایگزیکٹو کونسل اور قومی مجلس دفاع کا رکن بنا لیا تھا۔ نواب چھتاری جو مسلم لیگ کونسل کے رکن تھے انہوں نے بھی مجلس دفاع میں رکنیت کی پیشکش

قبول کرلی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کونسل سے اپنا استعفیٰ قائداعظم کو ارسال کر دیا۔ قائداعظم نے نواب چھتاری کو ۳۰ جولائی کے ایک خط میں مطلع کیا کہ اُن کا استعفیٰ مسلم لیگ کے سکرٹیری کے سپرد کر دیا گیا ہے جس پر ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں غور کیا جائے گا۔ ایگزیکیٹو کونسل اور مجلس دفاع میں وزیراعلیٰ پنجاب سر سکندر حیات، وزیراعلیٰ بنگال مولوی فضل الحق، وزیراعلیٰ آسام سر محمد سعداللہ، سر سلطان احمد اور بیگم شاہنواز کو بھی رکنیت دی گئی تھی۔ اس صورتحال پر غور کرنے کے لئے بمبئی میں ۲۴ر اگست سے ۲۶ر اگست تک مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا اس اجلاس میں تمام مسلم لیگیوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ دس دن کے اندر ایگزیکیٹو کونسل اور مجلس دفاع کی رکنیت سے مستعفی ہو جائیں ورنہ اُن کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ چنانچہ سر سکندر حیات، مولوی فضل الحق اور سر سعداللہ نے رکنیت سے استعفیٰ دیدیا۔ جبکہ بیگم شاہنواز اور سر سلطان احمد مستعفی نہیں ہوئے اور اُن کو مسلم لیگ سے پانچ سال کی مدت کے لئے نکال دیا گیا۔

اس کے بعد ورکنگ کمیٹی اور کونسل آف آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس ۲۶ر اور ۲۷ر اکتوبر کو دہلی میں منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں جنکی صدارت قائداعظم محمد علی جناح کر رہے تھے۔ فیصلہ کیا گیا کہ وائسرائے ہند کی من مانی کارروائی کے پیش نظر مسلم لیگ اس سال مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گی۔

دہلی میں ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو قائداعظم نے "مسلمانوں کے انگریزی ہفت روزہ ڈان کا افتتاح کیا۔

۲۸ر اکتوبر کو مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں جب ایک تحریک التواء پر بحث ہو رہی تھی قائداعظم محمد علی جناح نے ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے گذشتہ روز ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں کئے جانے والے فیصلے سے ایوان کو آگاہ کیا اور تمام مسلم

لیگی ارکان کے ہمراہ ایوان سے باہر آ گئے۔

۲ر نومبر ۱۹۴۲ء کو قائداعظم محمد علی جناح علیگڑھ پہنچے اور آپ نے مسلم یونیورسٹی یونین کے ایک جلسہ سے خطاب کیا۔

۲۶ر اور ۲۷ر دسمبر کو ناگپور میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے اعلان کیا گیا کہ مسلم لیگ پہلے کی طرح اب بھی تنہا یا دوسری پارٹیوں کے تعاون سے ملک کے دفاع کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ موجودہ دستور کے تحت مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں اسے مناسب حصہ دیا جائے مگر آئندہ دستور کی تشکیل سے متعلق اہم سیاسی مسئلوں میں اس کے ساتھ زیادتی نہ ہونا چاہیئے۔

اس سال ۱۲ر مارچ کو مسلمانانِ ہند کے ہردلعزیز رہنما اور فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے سینیئر جج سر شاہ محمد سلیمان انتقال کر گئے۔

۱۹۴۲ء

سنہ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان شدید خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء کو پرل ہاربر پر جاپانی حملہ کے بعد جنگ کی ہولناکی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ۱۵ر فروری سنہ ۱۹۴۲ء سنگاپور اور ۸ر مارچ سنہ ۱۹۴۲ء کو رنگون نے ہتھیار ڈال دیئے جس کے بعد چرچل نے کہا کہ آخری اور فیصلہ کن جنگ ہندوستان میں لڑی جائے گی۔ اسی دوران فروری میں مارشل چیانگ کائی شیک اور اُن کی اہلیہ نے ہندوستان کا دورہ کرکے وائسرائے سے باہمی دلچسپی کے امور اور مشترکہ دفاع کے مسئلے پر بات چیت کی۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۴۲ء کو باردولی میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں کئی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ ان میں سے ایک قرار داد میں کانگریس کے مکمل آزادی کے مطالبہ کا اعادہ کیا گیا تھا۔[1]

۲ر جنوری سنہ ۱۹۴۲ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے باردولی کی قرار دادوں کے سلسلے میں ایک بیان دیا جس میں آپ نے کہا کہ ان قرار دادوں میں جو مطالبات رکھے گئے ہیں اُن کے منظور کرنے کا مطلب ہندو راج قائم کرنا ہے جسے مسلم ہندوستان کبھی قبول نہیں کرے گا۔

فروری میں قائداعظم کو بنگال کے دورہ کی دعوت دی گئی۔ کیونکہ وہاں مولوی فضل الحق کے رویّہ کی بنا پر مسلم لیگ کی تنظیم میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں ۲۴ر فروری کو آپ ایک اسپیشل ٹرین کے ذریعہ سراج گنج پہنچے جہاں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔

---

[1] سید محمد میاں۔ صفحہ ۱۶۰ "علماء حق" مطبوعہ دہلی

۱۵ فروری کو سراج گنج میں صوبائی مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ جلسہ گاہ کا نام جناح نگر رکھا گیا تھا۔ آپ نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کا اوّلین اور عظیم ترین اصول یہ ہے کہ مسلمانانِ ہند کے درجہ اور وقار اور حقوقِ سیاسی محفوظ کئے جائیں۔ مسلمانانِ ہند فی الواقع ایک قوم ہیں۔ اس لئے ہم ہندوؤں کے ساتھ کامل برابری کے علاوہ کسی اور حیثیت میں سمجھوتہ پر تیار نہیں۔ قائداعظم کی تقریر بہت طویل تھی اور اس میں آپ نے مولوی فضل الحق کی غداری، خود غرضی، اور جاہ پرستی کا پول کھولا۔

۲۲ مارچ کو سر اسٹیفرڈ کرپس حکومتِ برطانیہ کی جانب سے آئینی اصلاحات کی ایک نئی تجویز لے کر لندن سے دہلی پہنچے۔

۲۳ مارچ کو پورے ہندوستان میں مسلمانوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں منظور ہونے والی قرارداد کی یاد میں یومِ پاکستان منایا اس موقع پر مسلمانوں نے جلسے منعقد کئے اور جلوس نکالے۔ سب سے بڑا جلسہ دہلی میں ہوا جس میں ایک اندازہ کے مطابق پچاس ہزار سامعین موجود تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جو اس جلسہ کی صدارت کر رہے تھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ دیگر جماعتوں سے کہیں زیادہ مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی و خودمختاری کی علمبردار ہے ہم انصاف کے طالب ہیں ہم دیگر فرقوں سے جلبِ منفعت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ہم ایک خودمختار اور آزاد قوم کی طرح اس ملک میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

سر کرپس کی تجویز کے بارے میں میرا مشورہ ہے کہ اب تک حکومت ملکِ معظم کی تجاویز ہمارے سامنے نہیں آئیں آپ صبر و سکون سے کام لیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اگر وہ تجویز ہندوستان کے مفاد کے خلاف ہوگی تو ہم نہ صرف اسے مسترد کردیں گے بلکہ پوری قوت سے اسکی مخالفت کریں گے۔ اور اگر اس کوشش میں جان

بھی دینا پڑی تو دیدیں گے۔ میں حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ مسلم لیگ کو دبانے یا اس کی صفوں میں انتشار کی کوشش نہ کرے۔ یہ بہتانِ عظیم ہے کہ ہم برطانوی شہنشاہیت کے معاون و مددگار ہیں۔ مجھے ساری زندگی کبھی اس کا تصور بھی نہیں ہوا کہ اس ملک میں اجنبی اقتدار کے تحت رہنا چاہیئے۔ مسلمانوں کو خوف ہے کہ سرکرپس کانگریس کے دوست ہیں اور لندن میں پنڈت نہرو کے مہمان بھی۔ سرکرپس کی ہندوستان میں ذاتی حیثیت نہیں بلکہ وہ برطانوی نمائندہ کی حیثیت سے آئے ہیں اس لئے حکومت کا جو منصوبہ یا تجویز وہ اپنے ساتھ لائے ہیں جب تک ہمارے سامنے نہ آ جائے صبر سے کام لینا چاہیئے۔ سرکرپس نے پریس کانفرنس میں اس امر پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے دلوں میں جو تشویش ہے اسے دور ہو جانا چاہیئے۔ میں واضح کر دوں کہ ہم بے خوف ہیں۔ ہمارا مقصد صداقت پر مبنی ہے۔ ہم انصاف کے طالب ہیں ہم حکومت کو پریشان کرنا نہیں چاہتے لیکن ہم بیگاروں کی طرح حکومت کی کوئی مدد کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کوئی حل یا تجویز زبردستی عائد کی گئی تو اس کی مزاحمت کریں گے۔ اور اس کے جو بھی نتائج ہوں گے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہندو یا برطانوی قیادت الگ الگ یا ملکر فریب کاریوں اور سازشوں پر اتر آئے تو ہم اس کی مدافعت کریں گے تاآنکہ ہم سب کے سب مر جائیں [1]

سر اسٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان آمد کے بعد ابتدائی چند روز وائسرائے ہند، ایگزیکٹو کونسل کے ارکان اور دیگر سرکاری مشیروں سے صلاح مشورہ کیا۔ پھر انہوں نے ہندوستان کے رہنماؤں سے ملاقاتیں شروع کیں جن میں گاندھی جی، جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، محمد علی جناح۔ سرسکندر حیات، فضل الحق، امبیدکار، سپرو، جیکار، ساورکر اور دیگر رہنما شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سرکرپس نے

---

[1] خالد اختر افغانی۔ صفحہ ۳۵۶۔ حالات قائداعظم۔

ہندوستانی ریاستوں کے راجاؤں سے بھی مذاکرات کئے۔ [1]

۲۹ مارچ کو سر اسٹیفرڈ کرپس نے اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اپنی تجاویز پیش کیں۔ ۳۰ مارچ کو ہندوستان کے تمام اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ کرپس کی تجاویز کو شائع کیا۔ تجاویز میں کہا گیا تھا۔

۱۔ اختتام جنگ کے بعد ہندوستان کو مکمل آزادی دی جائے گی۔

۲۔ اقوام ومذاہب کے تحفظ کی ذمہ داری فی الحال برطانیہ پر ہوگی۔

۳۔ جنگ کے خاتمہ پر صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں گے اور مرکزی دستور ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔

۴۔ فیڈرل دستور ہوگا یعنی صوبوں کو ایک یونین میں شریک کیا جائے گا۔

۵۔ مجلس دستور ساز کا آئین ہندوستان کا دستور ہوگا۔

۶۔ ہر صوبہ یا ریاست کو حق ہوگا کہ وہ دس سال کے بعد چاہے تو یونین سے علیحدگی اختیار کرلے۔ اس طرح علیحدہ ہونے والے صوبے یا ریاستیں اپنی جداگانہ وفاقی یا یونین بنا سکتی ہیں۔

۷۔ اختتام جنگ تک گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ رہے گا۔

۸۔ محکمہ دفاع بدستور وائسرائے کے ماتحت رہیگا۔ اگرچہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیاں متحد کیوں نہ ہوجائیں۔

سر اسٹیفرڈ کرپس اور رہنماؤں کے درمیان بات چیت کے نتیجے میں ۲۷ مارچ سے دہلی میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس شروع ہوگئے۔ مسلم لیگ کا ۲۹ واں سالانہ اجلاس ۳ اپریل سے ۶ اپریل تک الہ آباد میں منعقد ہونے والا تھا۔ چنانچہ ورکنگ کمیٹی کے کچھ اجلاس بھی الہ آباد میں منعقد ہوئے۔ اور سر اسٹیفرڈ کرپس کی تجاویز زیر بحث آئیں چونکہ سر اسٹیفرڈ کرپس اور سیاسی جماعتوں کے درمیان مذاکرات جاری تھے اسلئے

---

[1] وی پی منن ص۱۲۳۔ ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا۔

مسلم لیگ نے کرپس کی تجاویز کے متعلق کوئی قرارداد منظور نہیں کی البتہ قائداعظم نے اپنے خطبۂ صدارت میں کہا کہ "ہندوستان کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش بنیادی طور پر غلط ہے۔ مسلم ہندوستان بغیر اس کے مطمئن نہیں ہوگا کہ اس کی قومی خودارادیت واضح طور پر تسلیم کی جائے۔ مسودۂ اعلان میں علیحدگی کے متعلق اقلیت کا جو اختیار دیا گیا ہے وہ فریب ہے کیونکہ ایک آل انڈیا یونین کی تائید میں جب ہندوستان کا تمام صوبوں پر غلبہ ہوگا اور بنگال اور پنجاب کے مسلمان ان صوبوں میں ہندوؤں کے رحم وکرم پر ہوں گے۔ پاکستان اسکیم کے معاملے میں جو مسلم ہندوستان کے لئے موت وزیست کا مسئلہ ہے خصوصیت سے ہماری پریشانیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ لہٰذا ہم اس کے لئے کوشش کریں گے کہ پاکستان کا اصول جس کو اس دستاویز میں زیر نقاب تسلیم کیا گیا ہے صاف الفاظ میں مانا جائے"۔[1]

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس جو ۲۷ مارچ ۱۹۴۲ء سے شروع ہوئے تھے ۱۱ اپریل تک جاری رہے۔ ۱۱ اپریل کو ورکنگ کمیٹی نے کرپس کی تجاویز کے بارے میں ایک مفصل قرارداد منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اس بات پر مسرت کا اظہار کرتی ہے کہ ہندوستان میں دو یا دو سے زیادہ خود مختار یونین قائم کرنے کی دفعہ رکھ کر پاکستان کے امکان کو تسلیم کر لیا گیا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ملک معظم کی حکومت کی تجاویز ناقابلِ ترمیم ہیں اس وجہ سے کمیٹی کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں کہ وہ چند وجوہات کی بناء پر ان کو ناقابلِ منظوری قرار دے۔

۱۳ اپریل کو دہلی میں قائداعظم محمد علی جناح نے اخباری نمائندوں کی ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کرپس تجاویز پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ملک معظم کی حکومت کی جو تجاویز سر اسٹیفرڈ کرپس ہندوستان لیکر آئے تھے ناقابلِ ترمیم تھیں

[1] - سید حسن ریاض صفحہ ۲۰۳

مجھ سے کہا گیا تھا کہ جزوی نہیں کلی طور پر یہ تجاویز قبول کرنا ہونگی یہ کیونکر ممکن تھا کہ ہم مستقبل کو نظر انداز کر کے حال پر غور کرتے اس میں پاکستان کے اصول کو واضح طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے اسے مسترد کر دیا۔

۲۸ راپریل ۱۹۴۳ء کو خاکسار تحریک کے بانی علامہ عنایت اللہ مشرقی نے قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک ٹیلیگرام ارسال کیا جس میں آپ سے کہا گیا تھا موجودہ صورتحال میں اتحاد ضروری ہو گیا ہے اس لئے کانگریس اور لیگ کے درمیان سمجھوتہ کی صورت نکالی جائے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے اس ٹیلیگرام کا کوئی جواب نہیں دیا چنانچہ ۵ رمئی کو علامہ مشرقی نے بذریعہ ٹیلیگرام قائد اعظم کو یاددہانی کرائی جس کا جواب ۱۱ رمئی کو قائد اعظم نے دیتے ہوئے اپیل کی کہ خاکسار اس نازک ترین صورتحال میں لیگ کی پالیسی کی دل سے حمایت کریں۔ قومی حکومت کے سلسلہ میں مذاکرات بے سود ہیں" علامہ مشرقی باوجود اس کے مصر رہے کہ قومی حکومت کے لئے مذاکرات کا دن مقرر کیا جائے۔ چنانچہ قائد اعظم نے ۱۲ رجون کو ایک مرتبہ پھر اُن کو لکھا کہ کانگریس جب تک اپنی الہ آباد والی قراردادوں کو واپس نہیں لیتی ان تجاویز پر کس طرح غور کیا جاسکتا ہے"۔ اس کے ساتھ ہی علامہ مشرقی کی مداخلت ختم ہو گئی اور محمد علی جناح نے یہ خط و کتابت بغرض اشاعت اخبارات کے حوالہ کر دی۔

۸ راگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے اس قرارداد کو منظور کیا جس میں کہا گیا تھا کہ برطانوی حکومت فوری طور پر ہندوستان چھوڑ دے ورنہ عوامی تحریک بغاوت شروع کر دی جائے گی۔ چنانچہ ۹ راگست کو حکومت نے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے تمام اراکین کو گرفتار کر لیا۔

۱۶ راگست کو اس صورتحال پر غور کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں طلب کیا گیا جو ۲۰ راگست تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں ایک

قرارداد کے ذریعہ طے کیا گیا کہ اس مرحلہ پر مسلم لیگ کو انگریزوں سے جنگ شروع کرنے کے بجائے خود کو منظم اور طاقتور بنانے کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔

۱۳ ستمبر ۱۹۴۲ء کو قائداعظم نے دہلی میں اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ جنگ کی ناگہانی ضرورتوں کے دباؤ سے ہم کو بدحواس کر کے کوئی ایسی عارضی حکومت ترتیب دی جائے جو مطالبہ پاکستان کے خلاف ہو یا اُس کو متاثر و مفلوج کر دے۔ میں خاص طور پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی یہ تحریک محض برطانیہ اور حکومت کے خلاف اعلان جنگ نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ اور اُن غیر کانگریسی اداروں کے خلاف بھی ہے جن سے مشورہ کئے بغیر اس تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا گیا ہے تاکہ اپنے اُن مطالبات کو جبراً منوا لیا جائے جن کی مسلم لیگ اور دیگر اقلیتیں شدید مخالفت کرتی رہی ہیں۔

۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو آپ علیگڑھ گئے اور مسلم یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمانوں کا نعرہ ہے کہ "پاکستان حاصل کرو یا مٹ جاؤ" میں یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان مٹے گا نہیں بلکہ پاکستان حاصل کرے گا۔ ۹ نومبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس عربک کالج ہال دہلی میں منعقد ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ حکومتِ برطانیہ ہندوستان پر عوام کی مرضی سے نہیں بلکہ سنگین کی نوک اور مشین گن سے حکومت کر رہی ہے۔ اب آپ سے ہندوستان کو آزاد کرنا ہوگا کیونکہ ہم خود اپنی حکومت قائم کریں گے۔

اسی دوران قائداعظم کو پنجاب مسلم لیگ نے دورۂ پنجاب کی دعوت دی چنانچہ محمد علی جناح ۱۵ نومبر سے جالندھر کپورتھلہ، امرتسر، لائلپور اور لاہور کے دورہ پر روانہ ہوئے آپ ۱۵ نومبر کو جالندھر پہنچے جہاں آپ نے آل انڈیا مسلم

اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے طلبہ کو نصیحت کی کہ وہ خلوص و وفاداری کے ساتھ اپنے دستور کی پہلی دفعہ پر عمل کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان طلبہ میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے اور انہیں پاکستان کے حصول میں پورا پورا حصہ لینے پر آمادہ کیا جائے۔"

۱۶ اور ۱۷ نومبر کو قائداعظم کپورتھلہ اور امرتسر ہوتے ہوئے لائیلپور پہنچے جہاں آپ نے پنجاب صوبائی مسلم لیگ کی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ آپ نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بغیر تنظیم کے ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس موقع پر قائداعظم کی خدمت میں میونسپل کمیٹی لائیلپور، کرسچین ایسوسی ایشن پنجاب اور مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن لائیلپور نے بھی سپاسنامے پیش کئے۔ ۲۱ نومبر کو قائداعظم نے ساڑھے دس بجے لاہور میں اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس سے خطاب کیا اور پاکستان کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اسی دن شام کو لاہور ٹاؤن ہال میں قائداعظم نے مسلم خواتین کے ایک جلسے سے بھی خطاب کیا

۲۲ نومبر کو قائداعظم محمد علی جناح میاں بشیر احمد اور دیگر مسلم لیگی رہنماؤں کے ہمراہ شاعر مشرق علامہ اقبال کے مزار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھی۔

۲۳ نومبر کو جناح کالج اور جناح اسکول لاہور کی طالبات کے ایک استقبالیہ میں قائداعظم نے شرکت کی اور طالبات سے خطاب کیا۔

۲۴ نومبر کی صبح قائداعظم پنجاب کا دورہ مکمل کرنے کے بعد دہلی روانہ ہو گئے۔

۲۳ دسمبر کو دہلی میں قائداعظم نے ایک بیان جاری کیا جس میں آپ نے بنگال میں طوفان آنے سے متاثر ہونے والے افراد کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا اور اپنی جانب سے امدادی فنڈ میں ایک ہزار روپے کا اعلان کیا۔

۲۵ دسمبر ۱۹۴۲ء کو پورے ہندوستان میں قائداعظم کی چھیاسٹھویں سالگرہ

نہایت دھوم دھام سے منائی گئی اس موقع پر ولنگڈن پولیس دہلی میں شہریوں کی جانب سے قائداعظم کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا گیا اس عشائیہ میں شعرا نے قائداعظم کی شان میں نظمیں کہیں اور مختلف تنظیموں نے سپاسنامے پیش کیے۔ قائداعظم نے عشائیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج مسلمان جسدِ واحد کی طرح متحد ہو گئے ہیں اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی اور اسلام کی اسی طرح خدمت کرتا رہوں گا۔

اس سال سندھ میں ۱۹ مارچ کو پیر پگاڑو۔ ۲۷ اپریل کو سر عبداللہ ہارون، فروری میں سر اکبر حیدری، ۲۹ اپریل کو پنجاب میں سر شاہنواز ممدوٹ۔ ستمبر میں سر ابراہیم رحمت اللہ اور دسمبر کے آخری عشرے میں پنجاب کے وزیراعظم سر سکندر حیات خان انتقال کر گئے۔

۱۹۴۳ء

سنہ ۱۹۴۳ء کا آغاز نہایت سنگین حالات میں ہوا۔ دوسری جنگ عظیم پوری شدت سے جاری تھی بجٹ سنہ ۱۹۴۲ء میں جنگ کی سپلائی پر ۲۲۳ کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ جبکہ یہ سپلائی ابھی بند نہیں ہوئی تھی۔ برطانیہ کی نوآبادیات پر اس جنگ کے بڑے سنگین نتائج مرتب ہو رہے تھے۔ خصوصاً ہندوستان کی اقتصادی حالت بالکل تباہ ہو کر رہ گئی تھی۔ نواب یامین خان نے ان ایام کا نقشہ اپنی سوانح میں کچھ اس طرح کھینچا ہے: "ملک کی اقتصادی طور پر کمر ٹوٹ چکی تھی معمولی کاغذ تک نہیں ملتا تھا۔ سرکاری دفاتر میں موٹا بادامی کاغذ استعمال ہو رہا تھا۔ پرانے لفافوں پر سلپ لگا کر اس پر پتہ لکھا جاتا تھا بعض کاموں میں استعمال شدہ کاغذات جو ایک طرف سے چھپے ہوئے ہوتے تھے استعمال میں آ رہے تھے۔ خوراک ناپید تھی۔ راشن میں ایک چھٹانک یومیہ آٹا فی کس ملتا تھا۔ خوراک پیدا کرو مہم کی بنا پر بنگلوں کے لان ترکاری کے کھیتوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ آلو کثرت سے استعمال میں آ رہا تھا۔ بنگال میں قحط سے لاکھوں افراد ہلاک ہو گئے تھے اور ایک اندازہ کے مطابق پچاس ہزار افراد فی ہفتہ فاقہ کی وجہ سے مر رہے تھے۔[1]

سیاسی محاذ پر بھی صورتحال کچھ اس سے زیادہ مختلف نہیں تھی کانگریس کے تمام لیڈر بغاوت کی تحریک شروع کرنے کی بنا پر جیل میں تھے۔ بنگال میں مولوی فضل الحق مسلم لیگ سے ناطہ توڑنے کی فکر میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

[1] - نواب سر یامین خان ص ۹۰۶

ایسی صورتحال میں قائداعظم محمد علی جناح کے لئے کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

۱۹۴۳ء کے پہلے ہفتے میں قائداعظم محمد علی جناح بمبئی پہنچ چکے تھے۔ ۲۴ جنوری کو بمبئی مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا جلسہ منعقد ہوا۔ جس سے خطاب کرنے کی محمد علی جناح کو دعوت دی گئی۔ آپ نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ تعطل کو دور کرنے کا اختیار مسٹر گاندھی اور کانگریسی رہنماؤں کو ہے اگر وہ مسائل کو سلجھانا چاہیں تو معاملہ آسانی سے طے ہوسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان بلاشبہ ایک عظیم انقلاب پیدا کریں گے۔

ادھر جیل میں گاندھی جی نے مرن برت کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ کانگریسی حلقوں میں مزید بے چینی پھیل گئی۔ اس صورتحال پر غور کرنے کے لئے سربرو نے ایک کانفرنس دہلی میں منعقد کی اس کانفرنس میں محمد علی جناح کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ لیکن محمد علی جناح نے ۱۵ فروری کو ایک بیان کے ذریعے اس کانفرنس میں شرکت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے جب گاندھی جی کو جیل بھیجنے کا اختیار نہیں تو جیل کے دروازے کھولنے کا اختیار کہاں سے لاؤں"۔

مارچ کے پہلے ہفتے میں قائداعظم نے مولوی فضل الحق اور اپنے درمیان ہونے والی خط و کتابت اشاعت کے لئے اخبارات کے حوالے کردی۔

۶ مارچ ۱۹۴۳ء کو قائداعظم محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ فرنٹیئر میل سے دہلی پہنچے آپ کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ حالانکہ آپ بمبئی سے یہ یقین کرکے دہلی چلے تھے کہ اب بالکل صحت یاب ہوگئے ہیں۔ آپ چوڑی دار پاجامہ اور اچکن زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اسٹیشن پر آپ کو خوش آمدید کہنے والوں میں نوابزادہ لیاقت علی خان، قاضی عیسیٰ، حاجی عبدالستار اسحٰق سیٹھ، نواب صدیق علی خان، یوسف ہارون اور سید حسین امام کے علاوہ لاتعداد مسلمان شامل تھے۔

۷ مارچ ۱۹۴۳ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس میں قائداعظم کو آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک مرتبہ پھر صدر منتخب کرلیا گیا۔

۳۰ مارچ کو ڈاکٹر سر ضیاءالدین نے سید غلام بھیک نیرنگ کی جانب سے اپنے مکان ۱۷، وِنڈسر پلیس دہلی میں عشائیہ دیا جس میں مسلم لیگی رہنماؤں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ اس عشائیہ میں قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک تھے۔

۲۴ اپریل کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا تیسواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ یہ اجلاس نہایت خوشگوار فضا میں ہو رہا تھا کیونکہ بنگال کے مولوی فضل الحق نے وزارت سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ اور خواجہ ناظم الدین نے اپنی وزارت بنالی تھی۔ اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا کہ "الٰہ آباد کے اجلاس کے بعد اس سال مسلم لیگ نے تمام ہندوستان میں روزافزوں ترقی حاصل کی ہے۔ اقلیت کے صوبوں کو فراموش نہ کیجئے۔ کیونکہ یہ وہ صوبے ہیں جنہوں نے اُس وقت روشنی پھیلائی جب اکثریتی صوبوں میں اندھیرا تھا۔"

مسلم لیگ کے اجلاس میں سر سکندر حیات خاں اور سر عبداللہ ہارون کے انتقال پر تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئیں۔

جون ۱۹۴۳ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو سندھ مسلم کالج کراچی کا افتتاح کرنے کی سندھ مدرسہ بورڈ نے دعوت دی۔ چنانچہ آپ دہلی سے بمبئی اور بمبئی سے کراچی پہنچے آپ نے ۲۰ جون کو کراچی کی افتتاحی تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی حصہ لیا۔ اور کالج کے فنڈ میں اپنی جانب سے دس ہزار روپے کا عطیہ پیش کیا۔ ؎۱

جون کے آخری ہفتہ میں بلوچستان کے رہنما قاضی عیسیٰ نے قائداعظم کو بلوچستان کے دورہ کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ کراچی سے بلوچستان روانہ ہوگئے۔ جہاں آپ نے ۳ جولائی کو بلوچستان مسلم لیگ کے تیسرے سالانہ اجلاس کا کوئٹہ میں افتتاح کیا۔ اس اجلاس کی صدارت قاضی عیسیٰ کر رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانانِ بلوچستان بھی اپنی گراں خوابی سے چونکیں اور ملت مسلمہ کی صفوں میں شامل ہوجائیں آپ کے صوبے میں بھی مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع ہوتا جارہا ہے آپ کی یہی بیداری

؎۱ سید محمد فاروق احمد صدیقی ۔ کراچی کے پہلے میئر۔ مضمون مطبوعہ روزنامہ جنگ ۲۰ فروری ۱۹۷۶ء

قومی تعمیر نو کی خشتِ اوّل ہوگی۔ کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بڑی عظمت ہے۔ اس کو منظم کرنا اس سے بھی بڑی عظمت ہے۔ اور اس کے لئے جان قربان کر دینا سب سے بڑی عظمت ہے۔ پس اب اٹھو اور دوسرے مسلموں کے شانہ بشانہ صف آرا ہو جاؤ۔ [1]

۳ جولائی کو اجلاس کے دوسرے سیشن میں قائداعظم کو مسلمانانِ بلوچستان کی جانب سے ایک تاریخی تلوار پیش کی گئی آپ نے تلوار قبول کرنے کے بعد تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے جو تلوار مجھے دی ہے وہ صرف حفاظت کے لئے اٹھے گی۔ سب سے ضروری امر علم ہے۔ یہ تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہم وقت پر جان و مال کی قربانی کریں گے۔

بلوچستان میں قائداعظم نے ۲۰ جولائی تک قیام کیا اور آپ اس دوران قاضی عیسیٰ کے گھر مقیم رہے۔ پھر آپ کوئٹہ سے کراچی اور کراچی سے ۲۲ جولائی کو بمبئی پہنچے۔ جہاں ایک بہت بڑا سا ہجوم آپ کا منتظر تھا۔

ادھر خاکسار تحریک کے بانی علامہ مشرقی نے ۵ جون ۱۹۴۳ء کو ایک بیان جاری کیا۔ جس میں قائداعظم سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مسٹر گاندھی سے مل کر موجودہ تعطل کو دور کریں۔ اس بیان میں قائداعظم کو ۲۵ جولائی ۱۹۴۳ء تک گاندھی جی سے ملنے کی مہلت دی گئی تھی اور خاکساروں سے کہا گیا تھا کہ وہ ۱۵ جون سے ۱۵ جولائی تک ایک لاکھ تار، دس لاکھ خطوط اور دس ہزار قرار دادیں قائداعظم محمد علی جناح اور وائسرائے ہند کے نام ارسال کریں علامہ مشرقی کی اس ہدایت سے پورے ملک میں خاکساروں کے درمیان جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

قائداعظم کی سوانح حیات "حالات قائداعظم" کے مصنف خالد اختر افغانی نے جو خود بھی بڑے معتمد خاکسار رہ چکے تھے۔ لکھا ہے کہ دراصل علامہ مشرقی قائداعظم کی مقبولیت سے بڑے دلبرداشتہ تھے۔ اور قائداعظم کی جگہ اپنی لیڈری کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جیل سے رہائی کے بعد قائداعظم کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ [2]

علامہ مشرقی کی اس حرکت سے خاکسار، قائداعظم کے خلاف حرکت میں آگئے انہوں نے

۱۔ عثمان صحرائی۔ صہ ۲۵۴ ۲۔ خالد اختر افغانی صہ ۳۸۳

قائداعظم کو دھمکی آمیز خطوط اور تار ارسال کیے اور اس مخالفت کا اختتام ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو ہوا ۔ جب ایک خاکسار نے بمبئی میں قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کیا ۔ جی الانہ نے اس حملہ کی تفصیلات درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے ۔ قائداعظم بمبئی میں تھے کہ دوپہر کے وقت ایک اجنبی مکان میں داخل ہوا ۔ اور کہا کہ وہ قائداعظم سے ملنا چاہتا ہے ۔ بڑے دروازے پر پٹھان چوکیدار اجنبی کو لیکر قائداعظم کے سکریٹری مطلوب سید کے پاس آیا ۔ اجنبی نے سکریٹری سے بھی یہی کہا کہ وہ قائداعظم سے ملنا چاہتا ہے ۔ سکریٹری نے اجنبی کو بہت سمجھایا کہ قائداعظم پہلے سے وقت مقرر کر کے لوگوں سے ملتے ہیں اور یہ کہ اگر آپ اپنی آمد کا مقصد تحریر کر دیں تو میں تاریخ اور وقت مقرر کرنے کی کوشش کروں گا ۔ اور آپ کو مطلع کر دوں گا ۔ اتنے میں قائداعظم کسی فائل کی تلاش میں اپنے سکریٹری کے کمرے میں داخل ہوئے ۔ قائداعظم کو دیکھتے ہی اجنبی چیخ چیخ کر ان سے کہنے لگا کہ مجھے چند منٹ دیدیجئے ۔ قائداعظم نے انتہائی نرم لہجے میں جواب دیا کہ میں آج بہت مصروف ہوں میرے سکریٹری آپ کو وقت دیدیں گے ۔ اس پر اجنبی نے جیب سے چاقو نکال لیا ۔ اور قائداعظم کی گردن پر حملہ کرنے کی نیت سے جھپٹا ۔ قائداعظم نے حملہ کو روکنے کے لیے ہاتھ بلند کیا اور خوش قسمتی سے حملہ آور کا نشانہ چوک گیا ۔ قائداعظم کے سکریٹری اور پٹھان چوکیدار نے اگرچہ حملہ آور پر قابو پالیا تاہم قائداعظم کے چہرے اور گردن پر زخم آئے ۔

پولیس کو طلب کیا گیا اور حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا ۔ تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ حملہ آور کا نام محمد رفیق ہے اور وہ لاہور سے بمبئی آیا تھا ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا تعلق خاکسار تحریک سے ہے ۔ جو مسلم لیگ کی کٹر مخالف تھی کیا اس اقدام کا کوئی سیاسی مقصد تھا یا یہ ایک غیر ذمہ دار فرد کی حرکت تھی ۔ پولیس نے اس سوال کا جواب معلوم کرنے کی کوشش کی ۔

اخباروں میں یہ خبر جلی سرخیوں سے شائع ہوئی تو مسلمانانِ ہند کو شدید رنج ہوا ۔ قائداعظم

نے ایک اخباری بیان میں فرمایا کہ "اگرچہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ تاہم خدا کے فضل و کرم سے میرے کوئی شدید زخم نہیں آیا۔ میں اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ مگر مسلمانوں سے پرامن رہنے کی اپیل کرتا ہوں۔ ہم سب کو شکر کرنا چاہیئے کہ میں معجزانہ طور پر بچ گیا ہوں مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ مجھ پر یہ بزدلانہ حملہ ایک مسلمان نے کیا ہے۔

قائد اعظم کی خیریت معلوم کرنے کے لئے ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں تار آئے اسی دوران میں مسلم لیگ کا ایک وفد سرحدی صوبے کا دورہ کرنے گیا ہوا تھا۔ جہاں ایک ضمنی انتخاب ہو رہا تھا۔ پٹھانوں کے ایک بڑے ہجوم نے جن کے چہروں پر پریشانی اور فکر کے آثار ظاہر تھے۔ لیگی لیڈروں کی قیام گاہ پر دھاوا بول دیا۔ ان کا اصرار تھا کہ ہم خود قائد اعظم کی زبان سے یہ سننا چاہتے ہیں کہ وہ صحیح سلامت ہیں اخباروں کی یقین دہانیوں پر ہمیں بھروسہ نہیں۔ قائد اعظم کو بمبئی فون کیا گیا تو انہوں نے ٹیلیفون پر سرحد کے لوگوں کو یقین دلایا کہ میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اُسے بھول جایئے اور اپنی تمام تر قوت انتخاب پر مرکوز کر دیجئے۔ جو ہم پاکستان کی بنیاد پر لڑ رہے ہیں۔ [1]

جی الانہ نے اس واقعہ کے سلسلے میں قائد اعظم کے سکریٹری کی حیثیت سے مطلوب الحسن سید کا نام درج کیا ہے جبکہ اکبر پیر بھائی نے اپنی کتاب "قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ" میں سکریٹری کا نام سید احمد سید یعقوب تحریر کیا ہے۔ [2]

۲۰ر اکتوبر کو لارڈ لنلتھگو ساڑھے سات سال وائسرائے کے عہدے پر رہنے کے بعد ریٹائر ہو گئے اور انکی جگہ لارڈ ویول کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ لارڈ ویول ہندوستان کے کمانڈر انچیف تھے اور انہوں نے برما میں جاپانیوں کے خلاف کامیابی حاصل کی تھی

قائد اعظم محمد علی جناح قاتلانہ حملے کے بعد نومبر تک بمبئی میں ہی مقیم رہے۔ نومبر میں جب مرکزی اسمبلی کا اجلاس دہلی میں شروع ہوا تو آپ ۱۰ر نومبر کو دہلی پہنچے اور اسمبلی کی کارروائی میں حصہ لیا۔

---

[1] جی الانہ صفحہ ۳۱۸۔ [2] اکبر پیر بھائی: قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ (انگریزی) مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۹۴۳ء۔

۱۸ نومبر کو اسمبلی میں قائداعظم محمد جناح نے جنگ کی وجہ سے بنگال میں قحط کی صورتحال پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ روزانہ ہزاروں افراد بھوک اور خوراک کی عدم دستیابی کے سبب ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور ہزاروں افراد کی صحت فاقہ کشی سے برباد ہو گئی ہے۔ ہندوستانیوں کی زندگی کی ذمہ دار حکومت ہے کیا برطانیہ میں چرچل کی حکومت ۴۸ گھنٹے سے زیادہ قائم رہ سکتی ہے۔ اگر وہاں دو تین سو آدمی بھوک سے مر جائیں۔ چہ جائیکہ ہزاروں افراد ہلاک ہوں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس تقریر میں مختلف صوبوں میں خوراک کی فراہمی کے ناقص انتظامات پر بھی کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ میں یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ اور جملہ مسلمان، بنگال اور دیگر علاقوں کو قحط سالی سے نجات دلانے کے کام میں حکومت کی پوری مدد کریں گے۔ کیونکہ قحط کو ہم سیاسی مسئلہ بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔[1]

۹ دسمبر کو پورے برصغیر میں مسلمانوں نے عیدالاضحیٰ نہایت جوش و خروش سے منائی۔ اس موقع پر قائداعظم بمبئی میں موجود تھے۔ آپ نے ایک پیغام میں مسلمانانِ برصغیر سے اپیل کی کہ وہ اپنے جائز حقوق اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اپنے اندر ایک نظم و ضبط پیدا کریں۔ اور ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۴۳ء کو مشہور انگریز مصنف بیورلے نکلس نے قائداعظم سے ملاقات کی اور آپ کا ایک طویل انٹرویو قلمبند کیا۔ جو انہوں نے بعد میں شائع ہونے والی کتاب "ورڈکٹ آن انڈیا" میں "ڈائیلاگ وِتھ اے جینئس" کے عنوان سے شامل کیا ہے۔ بیورلے نکلس نے لکھا ہے کہ محمد علی جناح آج ایشیا کے سب سے زیادہ اہم شخص ہیں۔ اُنکی عمر ستر برس ہے۔ قد لانبا اور چھریرا بدن۔ ان کے لباس اور طرزِ معاشرت سے نفاست جھلکتی ہے۔ اُن کا ایک چشمہ ایک سرمئی دھاگے سے بندھا اُن کے سینے پر لٹکتا رہتا ہے اور شدید گرمی میں بھی وہ قمیض کے ساتھ سخت کالر استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنے کوئی

---

[1] نواب سر یامین خان صفحہ ۹۱۸

رئیس معلوم ہوتے ہیں۔ یا پرانی وضع کے سفیر۔ بیورلے نکلس سے ملاقات میں قائداعظم نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ اگر آپ تعصب سے بالا تر ہو کر غور کریں تو آپ کو اُن کی قومی حیثیت تسلیم کرنا پڑے گی۔ اور جب یہ مان لیں گے تو پھر آپ کو پاکستان کا اصول بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔"

اسی ماہ ۲۴ دسمبر کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اکتیسواں اجلاس منعقد ہونے والا تھا۔ چنانچہ قائداعظم ۲۰ دسمبر کو بمبئی سے بذریعہ جہاز کراچی کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کا کراچی پہنچنے پر شاندار استقبال کیا گیا۔ ۲۲ دسمبر کو کراچی میں قائداعظم کا ایک شاندار جلوس برآمد ہوا۔ کراچی کے سابق میئر حاتم علوی کا کہنا ہے کہ یہ جلوس کراچی میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا جلوس تھا۔ قائداعظم پر جلوس کے دوران ہوائی جہاز کے ذریعے گلاب برسائے گئے۔ [۱]

کراچی میں مسلم لیگ کے اس زور شور کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خان بہادر اللہ بخش کی وزیراعلیٰ کے عہدہ سے برطرفی کے بعد سر غلام حسین ہدایت اللہ نے وزارت سنبھالی تھی۔ اور وہ اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح سندھ ہندوستان کا پہلا صوبہ تھا جہاں مکمل مسلم لیگی وزارت قائم تھی۔ جلوس کے اختتام پر قائداعظم نے رسم پرچم کشائی ادا کی اور اس موقع پر مختصر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا پرچم ہماری قومی امنگوں کی نمود ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو بلند رکھیں۔ [۲]

۲۴ دسمبر کو قائداعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں برجستہ تقریر فرمائی اور کہا کہ مسلمانوں کی حالیہ کامیابیوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔ اب مسلمان اور مسلم لیگ کسی مزاحمت نعرے اور ڈھونگ سے مرعوب نہیں ہوگا

---

[۱] ۔ حیدر امام ص۔ ۔ حاتم علی علوی انٹرویو مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۶۸ء

[۲] ۔ سید حسن ریاض ص ۳۲۷

ہمارا اتحاد ختم نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ساتھ لاکھوں مسلمان ہیں۔ ہمارا اپنا پرچم، ہمارا اپنا پلیٹ فارم اور سب سے بڑھ کر ہمارا اپنا واضح نصب العین پاکستان ہے۔

اس سال جنوری میں حیدرآباد دکن میں سر محمد یعقوب اور سندھ میں خان بہادر اللہ بخش انتقال کر گئے۔ اسی سال تھانہ بھون میں برصغیر کے ممتاز عالم دین مولانا اشرف علی تھانوی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں قائداعظم سے رابطہ قائم کیا اور مسلم لیگ کے نظریات کی ترویج کے سلسلے میں مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، وغیرہ کو مامور فرمایا جس کے نتیجے میں جمعیت علمائے ہند جو دیوبند کے علماء کی بااثر جماعت تھی۔ اور اس وقت کانگریس سے تعاون کر رہی تھی۔ اس کے پروپیگنڈے کی نفی ہوئی اور تحریک پاکستان کو تقویت پہنچی۔

۱۹۴۴ء

مسلم لیگ کے اجلاس کراچی میں شرکت کے بعد محمد علی جناح ۱۹۴۴ء کے آغاز پر بمبئی پہنچ چکے تھے۔ لیکن شبانہ روز جدوجہد نے آپ کی صحت کو شدید متاثر کیا تھا چنانچہ ڈاکٹروں نے آپ کو مکمل آرام کا مشورہ دیا مگر آرام سے تو انہوں نے منہ موڑ لیا تھا۔ اور اپنے تمام حواس کے ساتھ مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ کراچی سے واپسی پر آپ کو معمولی ٹمپریچر رہنے لگا۔ چنانچہ آپ نے جنوری ۱۹۴۴ کے تمام پروگرام منسوخ کر کے بمبئی میں قیام کیا۔

۱۱ فروری کو آپ بمبئی سے دہلی پہنچے جہاں مرکزی اسمبلی کا سیشن ہو رہا تھا۔ آپ نے سیشن میں اپنی علالت کی بنا پر شرکت نہیں کی۔ مگر مسلم لیگ پارٹی کو ہدایات دیتے رہے۔ نواب سر یامین خان نے اپنی کتاب "اعمال نامہ" میں لکھا ہے کہ دہلی میں قائداعظم کی طبیعت مستقل خراب رہی اور اُن کا علاج نواب صاحب بھوپال کے خصوصی معالج ڈاکٹر رحمٰن بہاری کی نگرانی میں ہوتا رہا۔

۱۰ مارچ کو قائداعظم علی گڑھ گئے اور مسلم یونیورسٹی کے طلباء سے خطاب کیا۔ اور کہا کہ "ہم اپنے مقصد کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔"

۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو قائداعظم محمد علی جناح لاہور پہنچے جہاں آپ کو مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کا افتتاح کرنا تھا۔ اس وقت پنجاب میں ملک خضر حیات کی وزارت قائم تھی۔ جو یونینسٹ پارٹی کے علاوہ مسلم لیگ کے بھی رکن تھے۔

مگر انہوں نے ابھی تک اپنی وزارت کو مسلم لیگی وزارت قرار نہیں دیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ دراصل وہ خوف تھا جو وہ اسمبلی کے ہندو اراکین سے محسوس کرتے تھے۔ قائداعظم نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد ملک خضر حیات سے مذاکرات شروع کئے جو اپریل کے پہلے ہفتہ تک جاری رہے لیکن یہ بات چیت کامیاب نہ ہوسکی۔ اور قائداعظم اوائل اپریل میں دہلی لوٹ گئے۔

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے "اقبال کے آخری دو سال" میں اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ قلمبند کیا ہے جس سے قائداعظم کے عزمِ راسخ کا اندازہ ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اپریل ۱۹۴۴ء میں قائداعظم لاہور آئے ہوئے تھے۔ اور ملک خضر حیات ٹوانہ سے گفت و شنید جاری تھی ایک روز ملک برکت علی نے قائداعظم کو اپنے ہاں چائے کی دعوت دی دعوت کا انتظام کوٹھی کے سامنے گھاس کے میدان میں کیا گیا تھا۔ لیکن عین وقت پر بارش شروع ہوگئی۔ اور تمام سامان کمروں میں آراستہ کرنا پڑا۔ قائداعظم صوفے پر تشریف فرما تھے۔ اور ملک برکت علی ہر دس منٹ کے بعد مہمانوں میں سے کسی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں قائداعظم کے پاس بٹھا دیتے اور قائداعظم ازراہِ لطف و محبت دو ایک باتیں کرتے تھے۔ حاضرین میں ملک اللہ دین بیرسٹر بھی موجود تھے انہوں نے قائداعظم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ملک برکت علی اُن کا ہاتھ پکڑ کر قائداعظم کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا۔ ملک اللہ دین پاس بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے "یہ بتائیے پاکستان میں اعوانوں کی کیا حیثیت ہوگی"؟ قائداعظم کو معلوم نہ تھا کہ پنجاب میں کسی قوم کا نام اعوان بھی ہے۔ آپ نے حیرت سے پوچھا "اعوان کیا"؟ ملک اللہ دین بولے "اعوان پنجاب میں مسلمانوں کی ایک مشہور قوم ہے" قائداعظم نے فرمایا خدا کے لئے ایسی بے کار باتیں نہ کیجیے۔ پاکستان مسلمانوں کا مطالبہ

ہے۔ اور یہ ملک تمام مسلمانوں کا قومی وطن ہوگا۔[1]

اپریل کے آخر میں قائداعظم ایک مرتبہ پھر لاہور تشریف لے گئے اور ملک خضر حیات ٹوانہ وزیراعظم پنجاب سے ۲۰ ر اپریل سے ۲۷ ر اپریل تک بات چیت کی۔ مگر خضر حیات نے ایک مرتبہ پھر قائداعظم کی شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ۲۸ ر اپریل کو قائداعظم نے ایک اخباری بیان کے ذریعہ اپنی حیثیت کو واضح کر دیا۔

۲۹ ر اپریل کو صوبہ پنجاب مسلم لیگ کانفرنس میں شرکت کے لئے قائداعظم لاہور سے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اور جلوس نکالا گیا رات کو کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ملک خضر حیات ٹوانہ پر سخت نکتہ چینی کی۔ آپ نے کہا کہ "ملک خضر حیات ٹوانہ نے نہ صرف مسلم لیگ کو دھوکہ دیا ہے بلکہ مسلمانانِ ہند کو دھوکا دیا ہے۔"

پنجاب کا دورہ مکمل کرنے کے بعد محمد علی جناح آرام کی غرض سے سرینگر کشمیر چلے گئے اسی دوران کانگریسی رہنما راج گوپال اچاریہ نے اُن کو ایک خط تحریر کیا جس میں کہا کہ گاندھی جی اور میں نے ایک فارمولا تیار کیا ہے جس سے ہندو اور مسلمانوں میں باہم مفاہمت پیدا ہو سکتی ہے۔ قائداعظم نے یہ فارمولا غور کرنے کے لئے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کو ارسال کر دیا۔

۱۷ ر جولائی کو قائداعظم کو ایک خط مہاتما گاندھی نے گجراتی زبان میں تحریر کیا اور لکھا کہ سیاسی صورتحال پر بات چیت کے لئے کوئی دن مقرر کریں مجھے آپ اسلام یا مسلمانوں کا دشمن نہ سمجھئے۔ میں آپ کا اور ساری دنیا کا غلام ہوں۔" قائداعظم نے جواباً گاندھی جی کو تحریر کیا کہ میری واپسی وسط اگست تک ہوگی چنانچہ آپ بمبئی میں میرے مکان پر مجھ سے ملاقات کریں۔ ۳۰ ر جولائی کو بمقام لاہور مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں قائداعظم کو گاندھی جی سے مذاکرات کا اختیار دیا گیا۔ اسی دن آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس سے خطاب

---

[1] محمد اکرم عاشق حسین بٹالوی۔ ص ۳۹

کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ مسلم لیگ مکمل آزادی کی حامی ہے اور مسٹر گاندھی واضح اور عام فہم انداز میں پاکستان کی بنیاد پر مسلم لیگ سے اشتراک کریں۔ ؎۱

اگست کے شروع میں قائداعظم بمبئی پہنچ گئے۔ گاندھی جی اور قائداعظم کی ملاقات کے لئے ۱۹ اگست کا دن مقرر ہوا۔ مگر یک بیک قائداعظم کی طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے یہ ملاقات کچھ عرصے کے لئے ملتوی ہو گئی۔

۱۵ اگست کو لندن کے انگریزی اخبار نیوز کرانیکل کے نامہ نگار مسٹر اسٹیورٹ گلڈر نے قائداعظم سے اُنکی رہائش گاہ پر ملاقات کی مسٹر گلڈر اس سے قبل وائسرائے لارڈ ویول اور گاندھی جی سے ملاقات کر کے برصغیر کی صورت حال پر بات چیت کر چکے تھے۔ ؎۲

قائداعظم محمد علی جناح اور گاندھی جی کے درمیان ۹ ستمبر کو بمبئی میں ملاقات ہوئی اور ملاقاتوں کا یہ سلسلہ ۲۷ ستمبر تک جاری رہا۔ بقول پروفیسر حسن ریاض "ان ملاقاتوں کے نتیجے میں سوائے ایسی تصاویر کے کہ قائداعظم اپنے مکان کے دروازے پر کھڑے ہیں اور مسٹر گاندھی اُن سے لپٹ رہے ہیں۔ باہر کے لوگوں کے لئے کچھ شائع نہیں ہوا۔ مگر یہ خوب ہوا کہ ان دونوں رہنماؤں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ اس طرح تحریر میں آجاتی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے کو خط لکھتا اور دوسرا جواب دیتا تھا۔ یہ خط وکتابت گاندھی جناح ٹاکس کے نام سے نومبر ۱۹۴۴ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی دفتر دہلی سے کتابچے کی شکل میں شائع کی گئی۔ کتابچے کا تعارف لیاقت علی خان نے تحریر کیا تھا۔ ؎۳

ملاقات کے دوران گاندھی جی نے راج گوپال اچاریہ جی کے فارمولے کو گفتگو کی بنیاد قرار دیا۔ آخر میں اپنی طرف سے بھی تجاویز پیش کیں جو دوسرے الفاظ میں راجگوپال اچاریہ جی کا فارمولا تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کسی ایسی بات کو تسلیم کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ جس سے ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان متاثر ہوتی ہو چنانچہ یہ گفتگو ۱۸ دن

؎۱ ۔ جی الانہ صفحہ ۳۳۲ ؎۲ ۔ رابرٹ پاش۔ صفحہ ۵۰۹ ؎۳ حسن ریاض۔ صفحہ ۳۴۷

جاری رہنے کے بعد ختم ہو گئی۔

ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا کے مصنف مسٹر وی پی مین نے لکھا ہے کہ اس گفتگو کا عملی تجربہ یہ برآمد ہوا کہ مسلم لیگ کے مطالبے کی معین شکل ظاہر ہو گئی جس پر مسلم لیگ اب تک بغیر اس کی تعریف کئے ہوئے اصرار کر رہی تھی۔ اور اس سے عموماً مسلمانوں میں مسٹر جناح کی حیثیت بڑھی اور اُن کا وقار بلند ہوا۔ [1]

۴ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان جاری کیا جس میں گفتگو کے دوران گاندھی جی کی پیش کردہ تمام شرائط کی دھجیاں بکھیر دیں اور واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ گاندھی قرارداد پاکستان کے اصولوں کے منافی شرائط پیش کرتے ہیں جن کو مسلمان اور مسلم لیگ تسلیم نہیں کر سکتی۔

اکتوبر کی درمیانی تاریخوں میں بمبئی میں لندن کے ایک روز نامہ "ڈیلی ورکر" کے نامہ نگار کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے محمد علی جناح نے کہا کہ جس وقت انگریز متحدہ ہندوستان کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اُن کا مطلب برطانوی سامراج کا تسلط برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ پاکستان ہی ہندوستان کے مسئلہ کا پائیدار حل ہے۔"

اکتوبر کے آخر میں قائداعظم بمبئی سے دہلی پہنچے۔ جہاں ۱۲ر نومبر کو آپ نے جناح فٹبال ٹورنامنٹ کا افتتاح کیا۔

۸ر نومبر کو قائداعظم نے علی گڑھ کے طالبعلم محمد عبدالستار خیری کو ایک خط تحریر کیا جس میں آپ نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ اگر ہم نے متحد ہو کر اپنی کوششیں جاری رکھیں تو ہم ایک دن پاکستان کی صورت میں اپنی منزل پالیں گے۔

۱۹۴۴ء میں ۲۸ر مارچ کو وزیراعظم پنجاب ملک خضر حیات خان ٹوانہ کے والد نواب عمر حیات خان ٹوانہ۔ حیدرآباد دکن میں ۲۵ر جون کو اتحاد بین المسلمین کے بانی اور قائداعظم کے رفیق خاص نواب بہادر یار جنگ اور ۲۰ر اگست کو دیوبند کے عالم دین اور سیاسی رہنما مولانا عبیداللہ سندھی انتقال فرما گئے۔

---

[1] ۔ وی پی مین صہ ۱۶۶

۱۹۴۵ء

قائداعظم اور گاندھی جی کے مذاکرات کی ناکامی نے ایک مرتبہ پھر کانگریس کی صفوں میں بے چینی پیدا کردی۔ خود حکومت ہند بھی اس امر پر متحیر تھی کہ محمد علی جناح کسی صورت قابو میں نہیں آرہے ہیں جبکہ حکومت ہند کانگریس کو کس حد تک اپنے شیشے میں اتار چکی تھی اور اب راج گوپال اچاریہ سے لیکر گاندھی جی تک سب لارڈ ویول کے اشارے پر حرکت کر رہے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جو خرابیٔ صحت کی بنا پر بمبئی میں ہی مقیم تھے۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۴۵ء کو احمد آباد گئے اور ۱۶ر جنوری تک کاٹھیاواڑ کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے رہے۔ ۱۴ر جنوری کو آپ نے احمد آباد میں چوتھی گجرات مسلم کانفرنس کا افتتاح کیا۔ ۲۲ر جنوری کو محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان کے ذریعے لیاقت ڈیسائی معاہدہ سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کیا۔ ۱۴ر فروری کو بمبئی میں سندھ کے رہنما جی ایم سید نے آپ سے ملاقات کی اور سندھ کے مسائل پر تبادلۂ خیال کیا فروری کے آخری ایام میں قائداعظم اچانک شدید بیمار پڑ گئے اور آپ نے اپنی تمام مصروفیات منسوخ کر دیں۔

ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول نے ۱۰ر مارچ ۱۹۴۵ء کو اپنی ڈائری میں تحریر کیا ہے کہ محمد علی جناح جو ۷ر مارچ کو مجھ سے ملاقات کرنے والے تھے۔ ان دنوں بیمار ہیں اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ان پر نمونیہ کا حملہ ہوا ہے اور وہ کئی روز تک آرام کریں گے[1]

مئی ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگِ عظیم کی ہولناکیاں کسی حد تک سرد پڑ چکی تھیں اور

---

[1] ۔ ویول دی وائسرائز جرنل صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۷۳ء

جرمنی شکست تسلیم کر چکا تھا۔ اب جنگ صرف جاپان کے محاذ پر باقی تھی۔ اور حالات بتا رہے تھے کہ عنقریب جاپان بھی ہتھیار ڈال دے گا۔ ان حالات میں لارڈ ویول ہندوستان کی آزادی کے لیے کسی مناسب حل کی تلاش میں لندن روانہ ہوئے اور ۴ر جون ۱۹۴۵ء کو ایک منصوبہ لے کر ہندوستان واپس آئے۔ ۱۴ر جون کو انہوں نے آل انڈیا ریڈیو دہلی سے اس منصوبہ کا اعلان کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے مشورہ سے نئی ایگزیکٹیو کونسل کی تشکیل عمل میں لائی جائیگی۔ وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی نمائندگی دی جائے گی۔ ان نمائندوں کو صوبوں اور مرکز میں کام کرنے والے منتخب ارکان میں سے منتخب کیا جائے گا۔ ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں کے نمائندوں کی حیثیت سے وائسرائے سے گفتگو کرنے کے لیے محمد علی جناح اور گاندھی جی کو۔ اچھوتوں کی طرف سے مسٹر شوراج اور سکھوں کی طرف سے ماسٹر تارا سنگھ کو مدعو کیا جائے گا۔"

وائسرائے لارڈ ویول کی اس تقریر پر تمام سیاسی جماعتوں نے ملے جلے رد عمل کا اظہار کیا۔ گاندھی جی نے یہ کہہ کر اس کانفرنس میں شرکت سے معذوری ظاہر کر دی کہ وہ کانگریس کے رکن نہیں ہیں۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کانگریس نمائندگی کریں گے۔ دراصل یہ ایک چال تھی اور اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ لارڈ ویول نے اپنی تقریر کے بعد ۲۵ر جون کو ایک کانفرنس کے انعقاد کے لیے ہندوستان کے رہنماؤں کے نام دعوت نامے جاری کیے اور کانفرنس کے انعقاد کا مقام شملہ میں رکھا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح اور شملہ کانفرنس کے دیگر ۲۱ مندوبین شملہ پہنچ چکے تھے۔ ۲۴ر جون کو وائسرائے سے مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی جی اور قائداعظم محمد علی جناح نے ملاقات کی۔ مولانا آزاد اور گاندھی جی کے بعد قائداعظم وائسرائے سے ملنے پہنچے

لارڈ ویول نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ گاندھی جی سے ملاقات کے کچھ دیر بعد جناح آئے یہ گاندھی کے مقابلے میں زیادہ صاف گو ہیں۔ جناح سے میری ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ اس دوران انہوں نے اقلیتوں اور وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں مسلمان ارکان کی نمائندگی کے سوال پر بات چیت کی اور اس امر کی یقین دہانی چاہی کہ مسلم لیگ کے علاوہ کسی اور جماعت کی طرف مسلمانوں کو وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں نمائندگی نہ دی جائے۔ اس ملاقات میں مسٹر جناح نے گاندھی جی کے رویہ پر بھی بڑی برہمی کا اظہار کیا۔

۲۵ جون کو شملہ میں کانفرنس شروع ہوئی۔ پہلے اجلاس سے لارڈ ویول نے خطاب کیا اور چند سوالوں کے جواب دیتے ہوئے تمام شرکاء سے اپیل کی کہ وہ حکومت سے تعاون کریں۔ دوپہر کے اجلاس میں ابوالکلام آزاد نے تقریر کرتے ہوئے کانگریس کو غیر فرقہ وارانہ تنظیم قرار دیا۔ اس پر قائداعظم نے احتجاج کیا۔ اور کہا کہ ہندوستان کے مسلمان کانگریس کو صرف ہندوؤں کی جماعت تصور کرتے ہیں۔ یہ کانفرنس ۲۹ جون تک جاری رہنے کے بعد ۱۴ جولائی تک ملتوی ہو گئی۔

۶ جولائی سے ۱۴ جولائی تک شملہ میں مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جاری رہا جس میں متوقع انتخابات کے لئے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔

۸ جولائی کو قائداعظم نے وائسرائے سے شملہ میں ملاقات کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ یہ ملاقات ۹۰ منٹ تک جاری رہی۔

۹ جولائی کو قائداعظم محمد علی جناح نے شملہ کانفرنس مسلم لیگ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ مسلم لیگ کسی ایسی تجویز کو قبول نہیں کرے گی۔ جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو۔ ۱۱ جولائی کی صبح قائداعظم نے ایک مرتبہ پھر وائسرائے لارڈ ویول سے ملاقات کی۔

سلہ ویول دی وائسرائز جرنل ص ۱۳۶ ۔ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۷۳ء

۱۴ جولائی کو شملہ کانفرنس دوبارہ شروع ہوئی جس سے خطاب کرتے ہوئے وائسرائے لارڈ ویول نے اس کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ کانفرنس کی ناکامی پر اجلاس کے شرکاء نے تقاریر کیں۔ اور ناکامی کا ذمہ دار مسلم لیگ کو قرار دیا لیکن قائداعظم نے اس الزام کی تردید کی اور کہا کہ لیگ اور کانگریس کا انداز فکر جدا ہے پاکستان کا خیال اور متحدہ ہندوستان کا خیال اپنے مزاج کے اعتبار سے باہم متضاد ہیں۔

۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء کی شام کو قائداعظم نے شملہ میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے لارڈ ویول کے منصوبے کو دام ہمرنگ زمین قرار دیا۔ اور کہا کہ اگر ہم ویول کی تجاویز قبول کر لیتے تو گویا یہ اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط کرنے کے مترادف تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے اس اصولی اختلاف کو پورے ہندوستان میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور جب قائداعظم شملہ سے بمبئی واپس گئے تو راستے میں ہر جگہ مسلمانوں نے والہانہ استقبال کیا۔

وی پی مینن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ویول پلان کو ترک کرنے سے بلاشبہ جناح اور مسلم لیگ کی پوزیشن مستحکم ہوگئی۔ اور یہ اس وقت ہوا جب ان کے حالات زیادہ اچھے نہ تھے۔ اس سے ان مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہوگئی تھی جو مسلم لیگ کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس طرح یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ صرف مسٹر جناح ہی ایک ایسے شخص ہیں جو کچھ کر سکتے ہیں اس لئے اب تک تذبذب میں گرفتار مسلمان سیاستدان اور عام لوگ مسلم لیگ کی طرف مائل ہونے لگے۔ لہ

۱۷ جولائی کو شملہ سے قائداعظم نے ایک بیان جاری کیا جس میں آپ نے شملہ کانفرنس کی ناکامی کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس موقع پر میں ان ہزاروں مسلمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے تاروں اور خطوط سے میری حوصلہ افزائی کی ہے میں ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی تمام طاقت قوم کی تنظیم میں لگا دیں

لہ وی پی مینن صفحہ ۲۱۵

اور ان کو ان انتخابات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کردیں جو لازماً اس سے پہلے ہوں
آپ جانتے ہیں کہ الیکشن بغیر سرمایہ کے نہیں لڑے جا سکتے۔ اس لئے آج کے بعد
تمام صوبوں میں الیکشن کے لئے سرمایہ جمع کیا جائے اور اپنے لوگوں کی تنظیم کی جائے۔

بمبئی پہنچنے پر ۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو مٹیرا لیبوسی ایشن نے قائد اعظم کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا جس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ شملہ کانفرنس میں حکومت اور کانگریس کے معاندانہ رویہ کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ پاکستان کے سوال پر ان میں سے کسی ایک کو بھی خاطر میں نہیں لائے گی میری خواہش ہے کہ حکومت فوری انتخابات کا اعلان کرے تاکہ کھرے اور کھوٹے کا فیصلہ ہو جائے اس استقبالیہ میں مٹیرا لیبوسی ایشن نے مسلم لیگ کے فنڈ کیلئے ایک لاکھ روپے قائد اعظم کو پیش کئے۔

۹ر اگست کو قائد اعظم نے شملہ کانفرنس کے بارے میں افواہوں کے ارتداد کے لئے ایک اخباری بیان کے ذریعے وائسرائے لارڈ ویول اور کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد سے اپیل کی کہ وہ شملہ کانفرنس سے متعلق تمام دستاویزات اشاعت کے لئے اخبارات کے حوالے کردیں۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے ساتھ ہی دوسری طرف ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم کے حملے نے جاپانیوں کے حوصلے پست کر دیئے اور انہوں نے شکست تسلیم کرلی۔ لیکن اس حملہ کی ونسٹن چرچل کو بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ اور وہ برطانیہ کے عام انتخابات میں ہار گئے اُن کی لیبر پارٹی کے لارڈ کلیمنٹ ایٹلی نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔ برطانوی پارلیمنٹ میں اس تبدیلی کا برصغیر کی سیاست پر بھی اثر ہوا اور وائسرائے ہند لارڈ ویول کو ہندوستان کی پالیسی پر نئی حکومت سے گفت وشنید کے لئے لندن جانا پڑا۔

۱۲ر اگست کو بمبئی کے قیصر باغ میں ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ آپ نے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو فی الوقت ذاتی اختلافات ختم کرکے اپنے اندر اتحاد پیدا کرنا چاہیئے۔ ذاتی اختلافات کو کسی اور وقت کے لئے چھوڑ دیں۔ فی الوقت مسلم لیگ کے انتخابات فنڈ میں دل کھول کر حصہ لیں کیونکہ یہ جنگ ہم کو چاندی کی گولیوں سے لڑنا ہے۔ مجھے آپ چاندی کی گولیاں فراہم کیجئے تاکہ مسلم لیگ اس جنگ میں کامیابی حاصل کرسکے کیونکہ ہندوستان کے دستوری مسائل کا واحد حل پاکستان اور ہندوستان کا قیام ہے۔"

اگست کے تیسرے ہفتہ میں قائداعظم پھر بیمار ہوگئے۔ چنانچہ آپ کو مکمل آرام کا مشورہ دیا گیا اور آپ بمبئی سے کراچی آگئے تاکہ ملیر کے مقام پر آرام کرسکیں مگر یہاں بھی آپ کو آرام نصیب نہ ہوا۔ سندھ مسلم لیگ کے مسائل اور انتخابات کے سلسلہ میں تنظیم ہر مسئلہ میں آپ کو انفرادی طور پر حصہ لینا پڑتا تھا۔ ۲۸ر اگست کو آپ نے کراچی سے ایک بیان اخبارات کو جاری کیا جس میں قائداعظم نے مسلم لیگ میں شامل ہونے والے مسلمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کا اس نازک وقت میں ساتھ دیں کیونکہ مسلم لیگ کے سینے میں نہ بغض ہے نہ عناد اور نہ غصہ، آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کا مطالبہ صرف پاکستان کا قیام اور مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کا تعین۔"

۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء کو ایک اور بیان میں قائداعظم نے کہا کہ سندھ کے مسلمانوں میں کامل اتحاد اور اعتماد موجود ہے اور وہ آئندہ انتخابات میں دشمنانِ اسلام کو زبردست شکست دیں گے۔ آپ نے پارلیمنٹری بورڈ سے اپیل کی کہ وہ اعلیٰ صلاحیتوں کے افراد کو ٹکٹ دے۔

کراچی میں آرام کے بعد قائداعظم ۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو بلوچستان کے دورہ

پر کوئٹہ پہنچے کوئٹہ میں آپ نے مسلم لیگی رہنما قاضی عیسیٰ کی رہائش گاہ پر قیام کیا قائداعظم کا کوئٹہ پہنچنے پر شاندار استقبال کیا گیا۔ آپ نے اسی دن بلوچستان ریذیڈنسی میں گورنر کے نمائندہ سے ملاقات کی اور مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ شام کو کوئٹہ کے شہریوں نے آپ کے اعزاز میں عصرانہ دیا۔

دوسرے دن مسلم اسٹوڈینٹس فیڈریشن بلوچستان کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے طالب علموں کو مشورہ دیا کہ وہ سیاسی نظریات کا عمیق مطالعہ کریں۔ سیاست تعلیم کا ایک حصّہ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بلوچستان کروٹ بدل رہا ہے بلوچستان کی نیم سیاسی اور فوجی حکومت کے نظم و نسق کو بدلنے کے لئے عوام میں بیداری کی لہر اور جدوجہد کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی بیداری، آپ کی جدوجہد آپ کی یکجہتی اور عزم و استقلال سے اس صوبہ کے نظام میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ اپنی جدوجہد آزادی میں صبر و استقلال کا دامن نہ چھوڑیں۔ خواہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز کیوں نہ ہوں۔"

قائداعظم نے کہا کہ میں بہت خوش ہوا ہوں کہ بلوچستان کے عوام ہندوستان کے سیاسی معاملات میں پوری پوری دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آئندہ انتخابات ہندوستانی سیاست کا ایک نہایت اہم مرحلہ ہوں گے۔ یہ بہت آزمائش کی ساعت ہے۔ یہ آخری اور فیصلہ کن آزمائش ہے ہم کانگریس کے مقابلے میں نمایاں اکثریت سے کامیاب ہوں گے۔ [1]

قاضی عیسیٰ نے کراچی میں ایک ملاقات کے دوران مصنف کو ذاتی طور پر بتایا کہ قائداعظم کا یہ دورہ مسلم لیگ کی تنظیم نو کے سلسلے میں بڑا کامیاب ثابت ہوا۔ اور بلوچستان کے سرکردہ افراد مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے خصوصاً عوام میں بڑی سرگرمی پیدا ہو گئی اور بلاشبہ جب قائداعظم بلوچستان سے رخصت ہوئے تو وہ بلوچستان کے تمام مسلمانوں کے متفقہ رہنما تھے

---

[1] رئیس احمد جعفری صفحہ ۳۰۹ خطباتِ قائداعظم۔

کوئٹہ میں مسلم لیگ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ "مسلم قوم اب ایک بڑی طاقت ہے۔ حکومت اب اسے نظرانداز نہیں کر سکتی۔ بلوچستان کے لئے جو کچھ کیا مسلم لیگ نے کیا ہے اور آئندہ بھی جو کچھ کرے گی مسلم لیگ ہی کرے گی۔"

قائداعظم کو اس جلسہ میں ایک نامعلوم شخص نے مسلم لیگ کے فنڈ کے لئے ڈیڑھ من چاندی کی دو سلاخیں پیش کیں۔

نومبر کے پہلے ہفتے میں قائداعظم بلوچستان کا دورہ مکمل کر کے کراچی کے راستے بمبئی پہنچ گئے۔ اس دوران وائسرائے ہند لارڈ ویول بھی انگلستان گئے ہوئے تھے ۱۵ رستمبر کو ہندوستان واپس پہنچ گئے۔ ۱۹ رستمبر کو انہوں نے اعلان کیا کہ آئندہ موسم سرما میں انتخابات ہوں گے اور انتخابات مکمل ہونے پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل قائم کی جائے گی جس کو ہندوستان کی تمام بڑی سیاسی پارٹیوں کی تائید حاصل ہوگی۔ وائسرائے کے اس اعلان کے ساتھ ہی پورے ہندوستان میں انتخابی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔

۸ رنومبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی کے مسلمانوں نے مسلمانانِ فلسطین کی حمایت میں ایک جلسہ قیصر باغ میں منعقد کیا جس کی صدارت قائداعظم نے کی۔ آپ نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فلسطینی مسلمانوں کو ان کی جدوجہد میں حق بجانب قرار دیا۔ اور کہا کہ ہندوستان کے مسلمان ہر طرح فلسطینی مسلمانوں کے موقف کی حمایت کرتے ہیں۔

۲۰ رنومبر کو قائداعظم بذریعہ طیارہ صوبہ سرحد کے دورہ پر پشاور پہنچے تو ہوائی اڈے پر سرحد کے غیور پٹھانوں نے قائداعظم کا شاندار استقبال کیا۔ بعدازاں آپ کو ایک جلوس کی شکل میں شہر کا گشت کرایا گیا۔ یہ جلوس اپنی نوعیت کا واحد جلوس تھا جس کی صوبہ سرحد کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی ہے۔

۲۱ رنومبر کو مسلم لیگ کا شاندار جلسہ پشاور میں منعقد ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ میں نو سال بعد پشاور آیا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلم لیگ

پٹھانوں میں ہر دلعزیز ہو چکی ہے۔ یہاں مسلمان کانگریس کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ لیکن اب وہ اس سازش سے نجات حاصل کر چکے ہیں۔ مسلم لیگ کی کوشش ہے کہ صوبہ سرحد کے تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور یہ پلیٹ فارم پاکستان کا قیام ہے۔ قائداعظم نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں

۲۴ نومبر کو قائداعظم نے سرحد لیگ کی ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ انتخابات ایک انجام کا آغاز ہیں۔ اگر مسلمانوں نے پاکستان کی حمایت کی تو ہم نصف جنگ جیت لیں گے۔

۲۶ نومبر کی شام کو قائداعظم بذریعہ طیارہ بمبئی واپس پہنچ گئے۔ بمبئی کے مسلمانوں نے قائداعظم کو بمبئی کے شہری علاقہ سے مرکزی اسمبلی کے لئے بحیثیت امیدوار نامزد کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے حلقۂ انتخابات کا دورہ کیا۔ اور ۴ دسمبر کو آپ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔ اسی دن وزیر ہند نے برطانیہ کے دارالامراء میں اعلان کیا کہ انتخابات کے بعد حکومت برطانیہ ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی قائم کرے گی۔ اور ایک کیبنٹ مشن ہندوستان بھیجے گی تاکہ یہ ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات کر کے ہندوستان کے بحیثیت آزاد مملکت مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔

۶ دسمبر کو قائداعظم نے اس اعلان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وفد بھیجنے کا فیصلہ تضیع اوقات ہے۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ تقسیم اور قیام پاکستان پر مبذول کرے تاکہ ہندو اور مسلمان دونوں کو آزادی مل سکے۔

۱۰ دسمبر کو قائداعظم نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ حکومت برطانیہ پاکستان کے مسئلہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے پورے ہندوستان کے لئے کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی تجویز پیش کر کے وہی الٹی بات کر رہی ہے۔ جیسے کوئی گھوڑے کے آگے گاڑی لگا دے۔ پہلے پاکستان کے معاملہ میں سمجھوتہ ہونا چاہیئے۔[1]

---

[1] سید حسن ریاض۔ صفحہ ۳۷۸

اسی دن قائد اعظم نے کلکتہ میڈیکل اسٹوڈینٹس کانفرنس کے نام ایک پیغام ارسال کیا جس میں آپ نے طلبہ سے کہا کہ وہ آئندہ انتخابات کیلئے متحد ہو جائیں۔ یہ ہماری حیات و موت کا سوال ہے لیگ کو ووٹ دینے کے معنی پاکستان ہے۔

۱۰ دسمبر کو وائسرائے لارڈ ویول نے ایسوسی ایٹڈ چیمبرز آف کامرس کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کی صورت حال پر تبصرہ کیا چنانچہ ۱۱ دسمبر کو قائد اعظم نے ایک بیان میں وائسرائے کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے وائسرائے سے اپیل کی کہ وہ اپنی تقریر کے ان حصوں کی وضاحت کریں جس میں انہوں نے ہندوستان کی خود مختاری کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۱ دسمبر کو قائد اعظم مسلم چیمبر آف کامرس کے ایک جلسہ میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر آپ کو ایک لاکھ ۲۷ ہزار روپیہ کا فنڈ پیش کیا گیا۔

۲۵ دسمبر کو پورے ملک میں قائد اعظم کی سترویں سالگرہ منائی گئی۔ اس موقع پر بمبئی مین مرچنٹ ایسوسی ایشن نے آپ کو تاج محل ہوٹل بمبئی میں عصرانہ دیا۔ اس موقع پر اسلامی ممالک کے نمائندے بھی موجود تھے۔

۳۰ دسمبر کو قائد اعظم نے ایک بیان میں مسلمانان برصغیر سے اپیل کی کہ وہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مکمل کامیابی پر ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء کو یوم فتح منائیں۔

۳۱ دسمبر کو قائد اعظم فرنٹیئر میل کے ذریعے دہلی روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

سنہ ۱۹۴۶ء

سنہ ۱۹۴۶ء مسلمانانِ برصغیر کے لیے کامیابی اور کامرانی کا سال ثابت ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلم لیگ نے انتخابات میں ہر نشست پر کامیابی حاصل کی۔ یہ انتخابات مسلم لیگ نے نظریۂ پاکستان کی بنیاد پر لڑے تھے گویا ان انتخابات سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ برصغیر میں صرف دو ہی بڑی اور نمائندہ جماعتیں ایک مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت اور دوسری کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے کیونکہ کانگریس نے مسلم نشستوں پر جو مسلمان کھڑے کیے تھے ان کو بھی انتخابات میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

یکم جنوری سنہ ۱۹۴۶ء کو قائداعظم محمد علی جناح جب بمبئی سے دہلی پہنچے تو اُن کا مسلمانوں نے نہایت شاندار خیر مقدم کیا۔ قائداعظم چونکہ کئی ماہ کے بعد دہلی واپس آئے تھے اس لیے ان کے پہنچتے ہی مسلم لیگ کے مرکزی دفتر کی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ پورے ہندوستان سے مسلمانوں کی کامیابی پر مبارکبادیں موصول ہو رہی تھیں۔

۱۰ جنوری کو قائداعظم سے اُن کی رہائش گاہ پر برطانوی پارلیمانی وفد نے ملاقات کی۔ اس وفد کی قیادت پروفیسر رابرٹ رچرڈ کر رہے تھے۔ وفد نے قائداعظم سے ہندوستان کے دستوری مسائل پر بات چیت کی اور ملاقات کے اختتام پر وفد کے قائد نے اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان

کا مسئلہ نہایت صاف اور سنجیدہ ہے۔

۱۱ جنوری کو پورے ہندوستان میں قائداعظم کی اپیل پر مسلمانوں نے یوم فتح منایا اس موقع پر قائداعظم نے ایک بیان میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ دنیا کے کسی گوشے میں کسی کونے میں ایسی سو فیصدی کامیابی کی مثال نہیں مل سکتی۔ مجھے مسرت ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کا عزم کر لیا ہے اور برطانوی اقتدار سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو تماشا بنانے سے باز آ جاؤ مسلمانوں نے اپنا فیصلہ دیدیا ہے۔ [1]

یوم فتح کے موقع پر دہلی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں نے شرکت کی۔ قائداعظم نے اس جلسے سے اردو میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہٹلر نے ریفرنڈم میں سو فیصدی رائے حاصل کی تھی لیکن وہ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس تھا۔ ہم نے الیکشن میں سو فیصدی کامیابی حاصل کی ہے ہمارے پاس نہ فوج ہے نہ ایئر فورس نہ نیوی ہے، اور نہ پولیس ہے۔ لیکن مسلم لیگ کو یہ فتح آپ کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔ آج مسلمان اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لئے تیار ہیں لیکن میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ صوبہ کے الیکشنوں میں اپنے ووٹ مسلم لیگ کو دیں پھر انشاءاللہ ہم سنبھال لیں گے۔ سید حسن ریاض نے لکھا ہے کہ قائداعظم نے انشاءاللہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اس اعتماد سے کہا کہ پورا مجمع جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگانے لگا۔ [2]

۱۳ جنوری کو قائداعظم دہلی سے لاہور پہنچے اور آپ نے مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے گورنر پنجاب سر گلینسی کے رویہ کی شدید مذمت کی جو مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہا تھا۔ ۱۶ جنوری

[1] خالد اختر افغانی صفحہ ۳۱۵ [2] پروفیسر حسن ریاض صفحہ ۳۸۰

کو قائد اعظم نے کشمیر کے مسلمانوں کے ایک وفد سے ملاقات کی اور ان کے مسائل معلوم کئے۔ ۱۷ جنوری کو آپ نے اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ سے خطاب کیا۔ اور کہا کہ کانگریس کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آزادی بغیر پاکستان کے ممکن نہیں ہے۔ آپ نے اس جلسے میں بھی گورنر پنجاب کے رویہ کی مذمت کی۔ اور کہا کہ کوئی بھی انصاف اور قانون کے پھندے سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ اسی دن قائد اعظم نے خواتین کے ایک جلسے سے بھی خطاب کیا۔ ۱۸ جنوری کو لاہور میں ایک اور عظیم الشان جلسے سے خطاب کیا۔ جس کے وقت آپ کے اعزاز میں اسلامیہ کالج کے اساتذہ نے استقبالیہ دیا۔ آپ نے کالج کی انتظامیہ کے اس اقدام کو سراہا کہ اس نے صوبائی انتخابات کے لئے کالج کو دو ماہ کے لئے بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۹ جنوری کو قائد اعظم نے بذریعہ طیارہ دہلی روانگی سے قبل ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ لاہور آمد کا مقصد صرف انتخابات کے کاموں کا جائزہ لینا تھا۔ اگر انتخابات منصفانہ ہوئے تو لیگ سو فیصد کامیابی حاصل کرے گی۔ ۱۹ جنوری کی شام آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس کی دہلی میں صدارت کی۔ جس میں آپ کو اسمبلی میں مسلم لیگ کا قائد منتخب کیا گیا۔

۲۱ جنوری کو دہلی میں مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ مسلم لیگ کے تمام ارکانِ اسمبلی نے اجلاس میں کالی جناح کیپ پہن کر شرکت کی۔ اس اجلاس میں جب انڈونیشیا اور ہند چینی میں ہندوستان کی فوجوں کے استعمال پر تحریکِ التوار پیش ہوئی تو قائد اعظم نے بحث میں حصہ لیا اور اس اقدام کی مذمت کی۔

۲۸ جنوری کو وائسرائے لارڈ ویول نے اسمبلی سے خطاب کیا اور کہا کہ حکومت برطانیہ کا یہ مصمم ارادہ ہے کہ وہ نئی ایگزیکٹو کونسل قائم کرے گی جو سیاسی لیڈروں

پر مشتمل ہو گی۔ اور جس قدر جلد ممکن ہوگا دستور وضع کرنے کے لئے کوئی مجلس یا کونشن طلب کرے گی۔" قائداعظم نے وائسرائے کی تقریر کے فوراً بعد ایک بیان دیا جس میں کہا کہ مسلم لیگ سوائے مطالبہ پاکستان کی تعمیل کے اور کسی جانب توجہ نہیں کرے گی۔ اور اُس وقت تک کسی عارضی انتظام میں تعاون نہیں کرے گی جب تک کہ یہ واضح نہ ہو جائے کہ دستور وضع کرنے کے لئے دو مجالس ہوں گی ایک پاکستان کے لئے اور دوسری ہندوستان کے لئے۔ حکومت برطانیہ اب بلا تاخیر پاکستان کا صاف صاف الفاظ میں اعلان کر دے۔

۱۱ر فروری کو وائسرائے لارڈ ویول نے قحط کی صورتحال پر غور کرنے کے لئے قائداعظم اور گاندھی جی سے ملاقات کی۔

۱۵ر فروری کو قائداعظم صوبائی انتخابات کے سلسلہ میں کلکتہ پہنچے اور آپ نے ۱۶ر فروری کو گورنر بنگال سے ملاقات کی۔ قائداعظم کی کلکتہ میں رہائش کا انتظام مرزا ابوالحسن اصفہانی کے مکان پر تھا۔ چنانچہ آپ سے روزانہ مسلمانوں کے وفود ملاقات کرتے اور ہدایات حاصل کرتے۔

۲۰ر فروری کو کلکتہ سے قائداعظم نے ایک بیان میں کہا کہ مسلمانوں کا مطالبہ اور نعرہ پاکستان ہے۔ پاکستان کے بغیر کسی سمجھوتے کی گنجائش نہیں۔ ۲۵ر فروری کو کلکتہ میں پاکستان ایمبولینس کے افسروں نے قائداعظم کو گارڈ آف آنر پیش کیا! اس موقع پر اسکولوں کے بچوں نے بھی قائداعظم کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔

۲۶ر فروری کو کلکتہ کی مختلف تنظیموں کی جانب سے قائداعظم کو مسلم لیگ فنڈ کے لئے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے پیش کئے گئے۔

۲۸ر فروری کو قائداعظم بذریعہ ریل آسام کے دورہ پر روانہ ہوئے تو آپ کے ڈبے میں لاؤڈ اسپیکر کا انتظام کیا گیا جس سے آپ ہر اسٹیشن پر استقبال کے لئے

جمع ہونے والے مسلمانوں سے خطاب کرتے۔

۲ رمارچ کو قائد اعظم سلہٹ پہنچے. جہاں آپ کا شاندار جلوس نکالا گیا آپ نے ۲ رمارچ کو ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی آزادی کا اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ ہندوستان کو دو حصوں یعنی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے ۔ قائد اعظم محمد علی جناح آسام کا دورہ مکمل کرنے کے بعد کلکتہ پہنچے جہاں سے ۹ رمارچ کو آپ دہلی واپس آ گئے ۔ ادھر ۷ رمارچ کو حکومت ہند نے اتحادی فوجوں کی کامیابی پر جشن منایا ۔ اس موقع پر دہلی میں بھی پریڈ ہوئی لیکن اچانک بلوہ ہو گیا ۔ گولی چلی ۔ آنسو گیس پھینکی گئی ۔ اور پولیس نے شہریوں پر لاٹھی چارج کیا ۔ متعدد افراد ہلاک و زخمی ہو گئے ۔

۱۱ رمارچ کو دہلی میں قائد اعظم نے ایک افریقی وفد سے ملاقات کی جس نے اُن کو افریقہ کے مسلمانوں کی جانب سے مکمل حمایت کا یقین دلایا ۔

۱۲ رمارچ کو قائد اعظم نے وائسرائے ہند اور نواب بھوپال سے ملاقات کی اس دوران صوبائی انتخابات کے نتائج سامنے آنے لگے ۔ ان انتخابات میں بھی مسلم لیگ کو عظیم الشان کامیابی ہوئی ۔ اور مجموعی اعتبار سے مسلم لیگ نے مسلمانوں کی ۴۹۵ نشستوں میں سے ۴۴۰ نشستیں حاصل کیں جس سے یہ بات ایک مرتبہ پھر ثابت ہو گئی کہ مسلمانانِ ہند کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور وہ مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے ہیں ۔

۱۵ رمارچ کو برطانیہ کے وزیر اعظم نے کیبنٹ مشن کی ہندوستان روانگی کے بارے میں دارالعوام میں بحث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھی اس عزم کے ساتھ ہندوستان جا رہے ہیں کہ وہ ہندوستان کو جلد از جلد آزادی حاصل کرنے میں مدد دیں یہ فیصلہ ہندوستانیوں کو کرنا ہے کہ وہ کس قسم کی آزادی چاہتے ہیں ۔" ۱۶ رمارچ کو قائد اعظم نے وزیر اعظم میجر ایٹلی

کی تقریر پر ایک بیان میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ بلکہ ایک قوم ہیں اور خود مختاری ان کا حق ہے۔ اگر برطانوی مشن صاف دل کے ساتھ ہندوستان آرہا ہے تو امید ہے کہ وہ صحیح فیصلہ کر سکے گا ہندوستان کے مسلمان تقسیم ہند چاہتے ہیں۔ اور یہ ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل ہے

۷ارمارچ کو قائد اعظم نے ایک بیان میں گاندھی جی کے رویہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ کیبنٹ مشن کی آمد پر ہندوستان کی فضا کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۸رمارچ کو قائد اعظم نے وائسرائے ہند لارڈ ویول سے ملاقات کی۔ اور ۱۹رمارچ کو ایک بیان میں ملاقات کی نوعیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے خوراک کے مسئلہ پر بات چیت کی ہے اس دن آپ نے کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا آزاد نے جس خلوص سے کانگریس کی خدمت کی ہے اگر وہ اس سے نصف خلوص اور جوش کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتے تو آج معاشرے میں اُن کی حیثیت دوسری ہوتی مولانا کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کے چند سال سکون اور اطمینان سے خدا کی عبادت میں گذار دیں اور کانگریس کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں۔

۲۰رمارچ کو قائد اعظم اپنی ہمشیرہ فاطمہ جناح کے ہمراہ بذریعہ طیارہ لاہور پہنچے اور آپ نے ۲۸رمارچ تک لاہور میں قیام کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح ابھی پنجاب کے دورہ پر ہی تھے کہ ۲۳رمارچ کی شام کو ساڑھے چھ بجے برطانوی کیبنٹ مشن جو لارڈ پیتھک لارنس، سر اسٹیفورڈ کرپس اور اے وی الیکزنڈر پر مشتمل تھا۔ کراچی کے ہوائی اڈے ماری پور پر اترا اور ۲۴رمارچ کو دہلی پہنچ گیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اپنی ڈائری میں ۲۴رمارچ کو وفد کی آمد تحریر کرتے ہوئے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ آیا وفد کے ارکان کے ذہن میں کوئی مستقل منصوبہ ہے بھی یا نہیں۔ [1]

۲۴رمارچ کو ہی وفد نے دہلی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا

---

[1] لارڈ ویول ص ۲۲۹

کہ جہاں کانگریس زیادہ بڑی تعداد کی نمائندہ ہے۔ مسلم لیگ کو بھی یہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔
کہ وہ محض ایک اقلیت کی سیاسی پارٹی ہے۔ وہ عظیم مسلم جماعت کی ایسی نمائندہ انجمن
ہے جو صاحب اکثریت ہے۔ مسٹر اسٹیفورڈ کرپس نے کہا کہ ہم کھلے دل کے ساتھ ہندوستان
آئے ہیں ہمارے پاس کوئی اسکیم نہیں۔ ہم ہر سیاسی مسئلہ کے متعلق تحقیقات کریں گے۔
اس کے بعد وفد وائسرائے صوبوں کے گورنروں اور وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے
ارکان سے گفتگو میں مصروف ہو گیا۔

۲۰ر مارچ کو دہلی میں قائداعظم نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی صدارت
کے بعد رائٹر کے نامہ نگار فریزر کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ مجھے علم نہیں کہ کیبنٹ مشن
کیا کرنے والا ہے لیکن مسلم لیگ اس سے ملاقات کرے گی۔ اور مجھے امید ہے کہ مشن
ملک کی موجودہ حالت کو محسوس کرے گا۔ ہم تفصیلات طے کرنے کے لئے تیار نہیں مگر
بغیر پاکستان کے کسی قسم کی مفاہمت کی گنجائش نہیں۔

۲۱ر مارچ کو دہلی میں نیوز کرانیکل لندن کے نامہ نگار مسٹر نارمن کلف کو ایک انٹرویو
دیتے ہوئے قائداعظم نے ایک مرتبہ پھر اپنے موقف کو دہراتے ہوئے کہا کہ ”ہندوستان
مختلف قوموں کی ریاست ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں خودمختار ریاست پاکستان حاصل ہو“

۲ر اپریل کو بی بی سی کے نمائندے ڈونلڈ ایڈورڈز نے قائداعظم سے ایک انٹرویو
کیا اور پاکستان کے بارے میں سوالات کئے۔ جی الانہ نے اپنی کتاب میں اس ملاقات کی
تفصیل درج کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ڈونلڈ ایڈورڈز نے قائداعظم سے دریافت کیا کہ
دو حصوں میں منقسم پاکستان کے درمیان مواصلات کا رابطہ کس طرح قائم ہوگا؟ قائداعظم
نے جواب دیا کہ جب آپ برطانیہ سے برطانوی دولت مشترکہ کے دوسرے حصوں کا سفر
کرتے ہیں۔ تو آپ کو غیر ملکی علاقے مثلاً نہر سوئز سے گذرنا پڑتا ہے آپس کے سمجھوتوں سے
سب کچھ ہو سکتا ہے۔ شمال مشرق کے مسلم علاقوں سے شمال مغرب کے مسلم علاقوں تک

جانے کے لئے ہمیں نام نہاد ہندو علاقہ کو ریڈور سے گذرنا پڑتا ہے اور اس میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ آئندہ بھی اس طریقہ پر عمل ہو سکتا ہے۔[1]

مسلم لیگ کی مجلس عاملہ چونکہ قائد اعظم کو کیبنٹ مشن سے مذاکرات کا اختیار دے چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے ۴ اپریل کو مشن کے ارکان سے ملاقات کی جو تین گھنٹے تک جاری رہی۔ اُن سے مشن نے یہ پوچھا کہ آپ ہندوستان کے لئے یہ کیوں بہتر سمجھتے ہیں کہ اس میں ایک علیحدہ پاکستان ہو۔ مسٹر جناح نے یہ جواب دیا کہ چندر گپت کے زمانے سے اپنی پوری تاریخ میں تمام ہندوستان کی کبھی کوئی ایک حکومت نہیں ہوئی اس کے بعد انگریز ہندوستان آئے۔ انہوں نے بتدریج ہندوستان کے بڑے حصے میں اپنی حکومت قائم کی، مگر پھر بھی ہندوستان ایک حد تک ہی متحد ہوا۔ ہندوستانی ریاستیں الگ اور با اختیار رہیں۔ یہ کہا گیا کہ ہندوستان ایک ہے لیکن ایسا ہوا نہیں ہندوستان فی الحقیقت بہت تھے۔ اور انگریز نے اُنکو ایک کر کے رکھا۔

جیسے ہی ۱۹۰۶ء میں تھوڑا سا اختیار منتقل کیا گیا۔ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کشیدگی بڑھنے لگی۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے حکومت برطانیہ نے جداگانہ انتخابات کیا۔ یہی صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات آئیں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک جو مباحثے ہوئے ان میں فرقہ وارانہ مسئلے پر جب کوئی سمجھوتہ نہ ہوا تو حکومت برطانیہ ایک فیصلہ دینے پر مجبور ہو گئی۔ مسلمانوں کی خواہش پر سندھ بمبئی سے الگ کیا گیا۔ اور صوبہ سرحد گورنر کا صوبہ بنایا گیا۔ یہ تمام فیصلے برطانیہ عظمیٰ نے کئے۔ اب حکومت برطانیہ کہہ رہی ہے کہ سلطنت کے اندر یا باہر وہ ہندوستان کو کامل آزادی دے گی۔ مسٹر جناح نے سوال کیا کہ ان بنیادی اختلافات کے ساتھ اس برعظم کی حکومت کس کو منتقل کی جائے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ زندگی کے متعلق مسلمانوں کا تصور ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ اپنے بڑے آدمیوں کی جن صفات کی وہ تعریف کرتے ہیں وہ بالکل

[1] ملّی الانہ صفحہ ۳۷۱

مختلف ہیں۔ مسلمانوں کا کلچر بالکل مختلف ہے جو بجائے سنسکرت کے عربی اور فارسی سے پیدا ہوا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی معاشرتی رسوم و رواج قطعی الگ الگ ہیں۔ ہندو معاشرہ اور ہندو فلسفہ دنیا میں انتہا سے زیادہ علیحدگی پسند ہے۔ ہندو اور مسلمان ہندوستان میں ایک ہزار برس سے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ہندوستان کے کسی شہر میں جائے تو وہ دیکھے گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے محلے الگ الگ ہیں۔ ایک قوم بنانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ جوڑنے والے عناصر موجود نہ ہوں ان دس کروڑ مسلمانوں اور پچیس کروڑ ہندوؤں کو جن کا پورا طرز زندگی اس قدر مختلف ہے مرکز کی گورنمنٹ کیوں کر ایک جگہ رکھے گی؟ [1]

مشن سے گفتگو کر کے قائداعظم باہر آئے تو ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے۔ جنہوں نے پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اخباری نمائندوں نے بھی قائداعظم سے مذاکرات کی تفصیل معلوم کرنا چاہی۔ لیکن آپ بغیر کوئی جواب دیئے گل رعنا پہنچے جہاں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔

کیبنٹ مشن پر دباؤ ڈالنے کے لئے کانگریسی عناصر برابر بیانات دے رہے تھے اور اس بات کا خدشہ تھا کہ مشن اس دباؤ میں آکر کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے۔ اس لئے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے طے کیا کہ وہ ۷ / اپریل کو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے صوبائی و قومی اسمبلی کے تمام ارکان کا ایک کنونشن طلب کرے گی۔ یہ کنونشن عربک کالج دہلی کے وسیع ہال میں شروع ہوا جس میں چار سو سے زائد ارکان کے علاوہ مبصرین کی بھی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ بنگال کے ممتاز رہنما جناب حسین شہید سہروردی نے اس اجلاس میں ایک قرارداد پیش کی جس میں ہندوستان کے سابقہ سیاسی حالات اور موجودہ صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے دو قومی نظریہ کا اعادہ کیا گیا تھا۔ اور کہا گیا تھا کہ متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر کسی دستور کو مسلط کرنے کی کوشش یا جبراً کسی عبوری انتظام

---

[1] سید حسن ریاض۔ صفحہ ۲۹۰

کو مرکز میں ٹھونسنے کی ایسی سعی جو مسلم لیگ کے مطالبے کے منافی و متضاد ہو اگر کی گئی تو مسلمانوں کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے گا کہ وہ اپنی بقا اور قومی وجود کے لیے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کر کے اس کے نفاذ اور اطلاق کے خلاف مدافعت کریں۔ اس قرارداد پر کئی اجلاسوں میں غور ہوتا رہا۔ اور مندوبین نے قرارداد کی حمایت میں طویل طویل تقریریں کیں اور اسے متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ کنونشن میں ایک عہد نامہ پر دستخط بھی کیے گئے جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستان اور صرف پاکستان ہی مسلمانانِ ہند کی راہِ نجات ہے اور پاکستان کے حصول کے لیے کسی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۱ اپریل کو کنونشن سے خطاب کیا اور ایک مرتبہ پھر اس بات کا اعلان کیا کہ مسلمان کسی ایسی اسکیم کو قبول نہیں کریں گے جو پاکستان کے مطالبے پر حرف لاتی ہو۔

مسلم لیگ کنونشن کی روئیداد جب اخبارات کی زینت بنی تو کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور کانگریسی رہنماؤں نے شدت کے ساتھ مخالفت کی۔ ۱۶ اپریل کو وائسرائے ہاؤس میں کیبنٹ مشن کے ارکان سے قائداعظم نے ملاقات کی۔ وفد نے قائداعظم کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کل ہند یونین کی تجویز پر متفق ہو جائیں۔ قائداعظم نے اس تجویز کو قبول کرنے سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے مشن کو خبردار کیا کہ اگر اس نے ذرا بھی کمزوری ظاہر کی تو کانگریس پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اپنے مطالبات پیش کرے گی۔

کیبنٹ مشن نے اس دوران کانگریس کے رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں کیں اور جب وہ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے تو انہوں نے ۵ مئی کو شملہ میں ایک سہ فریقی کانفرنس طلب کی تاکہ معاملات کا کوئی تصفیہ ہو سکے۔ شملہ کانفرنس کا اجلاس ۵ مئی ۱۹۴۶ء، بروز اتوار بوقت ۱۰ بجے دن وائسرائے ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں شروع ہوا لیکن

اجلاسوں میں جو وقفہ وقفہ سے ۱۲ رمئی تک جاری رہے۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے نمائندوں کے علاوہ مشن کے ارکان نے بھی شرکت کی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کے لئے کئی اصول وضع کئے گئے۔ لیکن اتفاق رائے نہ ہونے کی وجہ سے کانفرنس کسی انتہائی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی اور ۱۲ رمئی کو پونے آٹھ بجے شب کانفرنس کے اختتام پر ایک سرکاری اعلان میں کہا گیا کہ دونوں پارٹیوں کے پیش کردہ نکات پر غور و خوض کرنے کے بعد کانفرنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مزید بحث سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا کانفرنس کو ختم کردیا جائے۔ سرکاری اعلان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وفد اس حقیقت کو بھی واضح کردینا چاہتا ہے کہ کانفرنس کی ناکامی کا الزام کسی ایک پارٹی پر لگانا ٹھیک نہیں کیونکہ دونوں پارٹیوں نے سمجھوتے کے لئے کافی کوشش اور دوڑ دھوپ کی۔ ۱۶ رمئی کو کیبنٹ مشن نے اپنا تفصیلی بیان شائع کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مشن نے طے کیا ہے کہ ہندوستان کے آئندہ آئین کی تشکیل کے فوراً انتظامات کئے جائیں۔ اور عارضی حکومت بھی فوراً قائم کردی جائے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ عوام کے چھوٹے بڑے ہر طبقہ کے ساتھ انصاف ہو۔ وفد نے ہندوستان میں صرف تین فرقے ہندو، مسلم اور سکھ تسلیم کئے تھے۔ اصولی طور پر اس بیان کے ابتدائی حصہ میں مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کیا گیا لیکن دوسرے حصے میں مطالبۂ پاکستان کو رد کردیا تھا۔ یہ صورتحال عام مسلمانوں کے لئے بڑی تشویشناک تھی۔ چنانچہ ۲۲ رمئی کو قائداعظم نے شملہ سے ایک بیان جاری کیا جس میں وزارتی مشن کی تجاویز پر بحث کی گئی تھی۔ قائداعظم نے اپنے بیان میں کیبنٹ مشن کی ہندوستان میں قیام کے دوران کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ ۱۶ رمئی کو کیبنٹ مشن نے جو بیان جاری کیا وہ بے روح ہے۔ اس میں کئی جگہ خلا موجود ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مشن نے مکمل خود مختار مملکت پاکستان کے مطالبے کو رد کر

دیا ہے۔ ہم اب بھی اس پر یقین رکھتے ہیں کہ مکمل خود مختار مملکت پاکستان کا قیام ہی ہندوستان کے آئینی مسئلے کا واحد حل ہے۔

اس دوران آل انڈیا نیشنل کانگریس کی مجلس عاملہ کے بھی مستقل اجلاس ہوتے رہے جن میں کیبنٹ مشن کی کارکردگی پر غور کیا جا رہا تھا۔ ادھر ہندوستان کے مختلف حصوں سے سرکردہ مسلمانوں اور انجمنوں کے قائد اعظم کے نام ٹیلیگرام اور خطوط موصول ہو رہے تھے۔ جن میں کیبنٹ مشن کی تجاویز کی مذمت کی گئی تھی۔ اور عہد کیا گیا کہ مسلمان پاکستان نہ ملنے کی صورت میں موت کو قبول کریں گے۔ مسلمانوں نے ان خطوط کی نقول وائسرائے اور کیبنٹ مشن کو بھی ارسال کیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ ہو سکیں۔

۵ر جون کو کل ہند مسلم لیگ کونسل کا اجلاس امپیریل ہوٹل دہلی میں شروع ہوا جو ۶ر جون تک جاری رہا۔ کونسل کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا کہ اگر ہندو چاہتے ہیں کہ ہندوستان آزاد ہو جائے تو اُس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ پاکستان کو قبول کر لیں۔ ۶ر جون کو مسلم لیگ کونسل نے ایک تجویز منظور کی جس میں کہا گیا تھا کہ کیبنٹ مشن نے پاکستان کے خلاف جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ قابلِ مذمت ہیں۔ کونسل نے قائد اعظم کو اختیار دیا کہ وہ عارضی مرکزی حکومت کے قیام کے سلسلے میں وائسرائے سے بات چیت کریں۔ کونسل نے کیبنٹ مشن کی تجاویز قبول کر لیں لیکن کانگریس کی مجلسِ عاملہ نے ۲۴ر جون کو اپنے اجلاس میں ان کو رد کر دیا۔ ۱۶ر جون کو وائسرائے ہند نے عارضی حکومت کے بارے میں جو اعلان کیا تھا اُسے بھی کانگریس کی مجلس عاملہ نے ۲۴ر جون کے اجلاس میں مسترد کر دیا۔ اس صورت حال سے کیبنٹ مشن اور وائسرائے کو اپنے فیصلوں پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ اور انہوں نے کانگریس نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے عارضی حکومت کے قیام کے فیصلے کو ۲۶ر جون تک ملتوی کر دیا۔ مشن کے رکن اے وی الیگزنڈر نے ۲۶ر جون کی شام کو قائد اعظم سے ملاقات کی اور آپ کو

وہ وجوہات بتائیں جن کی وجہ سے وفد نے عارضی حکومت کی اسکیم کو ملتوی کر دیا۔ قائداعظم نے ۲۷ جون کو ایک بیان میں اس اچانک فیصلہ پر احتجاج کرتے ہوئے حکومت پر عہد شکنی کا الزام لگایا۔ اور والسرائے کو خبردار کیا کہ اگر ۱۶ مئی کے اعلان میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی گئی اور مسلم لیگ سے جو وعدے کئے گئے ہیں اگر اُن کی خلاف ورزی کی گئی تو پوری اسکیم کو تباہ کر دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں قائداعظم نے ۲۸ جون کو والسرائے کو ایک احتجاجی خط بھی روانہ کیا۔ ۲۹ جون کو والسرائے نے سرکاری ارکان پر مشتمل عارضی حکومت کا اعلان کر دیا۔

کیبنٹ مشن جون کے آخری عشرہ میں ہندوستان سے لندن واپس چلا گیا ہر چند کہ اس مشن کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن یہ بات طے ہو گئی کہ لیبر پارٹی ہندوستان میں سیاسی اقتدار سے دستبردار ہو جانا چاہتی ہے۔ اور پاکستان ایک امر لازم ہے۔

۶ جولائی کو کانگریس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں ہوا جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی جگہ جواہر لال نہرو کو کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا۔

۸ جولائی کو قائداعظم بذریعہ طیارہ دہلی سے حیدرآباد دکن روانہ ہو گئے۔ جہاں آپ کو مسلم لیگ کے تنظیمی امور پر غور کرنے کے علاوہ حیدرآباد دکن کے نظام میر عثمان علی خان سے ملاقات بھی کرنا تھی۔ تاکہ سر مرزا اسمٰعیل کی بحیثیت وزیراعظم تقرری کو رکوایا جا سکے۔ کیونکہ سر مرزا اسمٰعیل کانگریسی تھے۔ اور ان کا تقرر ہندوؤں کی عین مرضی کے مطابق تھا۔ اس سلسلے میں قائداعظم نے میر عثمان علی خان سے خط و کتابت بھی کی تھی اور اُن کو اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ میر عثمان علی خان نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ لارڈ ویول کے اثر کی بنا پر ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ قائداعظم نے لارڈ ویول سے استفسار کیا۔ مگر انہوں نے نظام کے بیان کی تردید کر دی اور کہا کہ یہ خالص نظام کا ذاتی فیصلہ

ہے۔ اس لئے قائداعظم کو مجبوراً نظام سے بالمشافہ گفتگو کے لئے حیدرآباد دکن جانا پڑا۔ نواب بہادر یار جنگ کے دستِ راست علامہ رشید ترابی اُن دنوں حیدرآباد مسلم لیگ میں بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے قائداعظم کے استقبال کی تیاریوں میں ذاتی طور پر دلچسپی لی اور حیدرآباد دکن پہنچنے پر قائد کا ایسا شاندار استقبال کیا گیا جو حیدرآباد دکن کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

۹ جولائی کو قائداعظم اور نظام دکن میر عثمان علی خان کے درمیان کنگ کوٹھی میں ملاقات ہوئی اور بہت جلد ختم ہوگئی۔ حیدرآباد مسلم لیگ کے ایک رہنما مظہر علی کامل نے اپنے ایک مضمون میں قائداعظم اور نظام دکن کی اس ملاقات کا احوال بڑی تفصیل سے درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ نظام دکن سے ملاقات کے لئے قائداعظم گیسٹ ہاؤس سے کنگ کوٹھی صبح دس بجے روانہ ہوئے۔ اور دس منٹ کے فوراً بعد گیسٹ ہاؤس واپس آگئے۔ اس وقت قائداعظم بہت برہم تھے۔ مجھ سے کہا کہ حیدرآباد سے جانے والے پہلے طیارہ سے میری سیٹ بک کرادو۔ میں فوراً واپس جانا چاہتا ہوں۔ میں سخت پریشان تھا کہ اچانک اس برہمی کی وجہ کیا ہے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ تمہارا نظام بدخلق و جلد باز ہے مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے بلانے پر میں آیا تھا ورنہ موجودہ مصروفیتوں کے زمانے میں مجھے آنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جاؤ میری روانگی کا انتظام کردو۔ برہمی اتنی سخت تھی کہ میں اُس وقت کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اور واپس آگیا لیکن قائداعظم کے دو تین جملوں سے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ گفتگو بہت تند و تلخ ہوئی ہے اور خفگی کی یہی وجہ ہے۔ چنانچہ میں نے احوال کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے کنگ کوٹھی کے اپنے خاص ذرائع سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ جب قائداعظم کنگ کوٹھی میں تشریف لے گئے تو حسبِ عادت اُن کے ہاتھ میں سگار تھا۔ نظام نے اس پر برہمی کا اظہار کیا اور بلند آواز سے کہا کہ آدابِ شاہی کا کوئی لحاظ نہیں۔ قائداعظم نے سگار رکھ دیا۔ لیکن نظام تو پہلے ہی

سے اس ملاقات کو گُوں مگوں کی حالت میں ختم کرنے کی اسکیم بنائے بیٹھے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس برہمی اور بلند آہنگی سے مسائل زیر بحث پر چند جملے کہے۔ قائداعظم اس پر کھڑے ہو گئے اور ملاقات ختم ہو گئی۔ اس ملاقات کا تھوڑی دیر میں پورے حیدرآباد میں چرچا ہو گیا۔ اور ہر جگہ نظام کی مذمت ہونے لگی۔ [1]

بعد میں مسلم لیگی کارکنوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ فوری طور پر واپسی کا فیصلہ ترک کر دیں۔ چنانچہ قائداعظم ۱۵ جولائی تک حیدرآباد میں مقیم رہے اس دوران آپ نے کئی جلسوں سے خطاب کیا۔ اور مختلف وفود سے ملاقات کی ۱۵ جولائی کو آپ بذریعہ طیارہ حیدرآباد دکن سے بمبئی واپس آگئے۔

۲۷ جولائی کو بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ کیبنٹ مشن کانگریس کا آلۂ کار بن گیا ہے۔ کانگریس نے ہندوستان کے عوام کو اپنے مبہم اور ہر لحظہ بدلتے ہوئے رویّہ سے سخت نقصان پہنچایا ہے اور کانگریس مسلمانوں کے لئے نفرت کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں رکھتی ہے مجھ کو اعتماد ہے کہ مسلم ہندوستان پریشان نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی ہم پر مایوسی طاری ہوگی میں بلا خوف تردید آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ اس تمام گفت و شنید کے دوران میں جو تینوں پارٹیوں کے درمیان ہوئی صرف مسلم لیگ ہی ایسی تھی جس نے صاحب عزت و وقار انجمن کی طرح عمل کیا۔" کونسل کے اجلاس میں ۱۶ اگست کو پورے ہندوستان میں "یوم راست اقدام" منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور طے کیا گیا کہ اس موقع پر ملک بھر میں جلسے، مظاہرے، جلوس اور عام ہڑتال کی جائے۔ اس اجلاس میں مسلم لیگی رہنماؤں نے قائداعظم کی اپیل پر اپنے تمام خطابات واپس کر دیئے۔

۳۱ جولائی کو قائداعظم نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ کانگریس عوامی جدوجہد کی تیاری کر رہی ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے بھی

[1] مظہر علی کامل: قائداعظم اور حضور نظام کی ملاقات: مضمون مطبوعہ انجام کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء

ضروری ہے کہ وہ پاکستان حاصل کرنے کے لئے لڑنے اور مرنے کو تیار ہو جائیں۔

اسی دوران دستور ساز اسمبلی کے انتخابات پورے ہندوستان میں منعقد ہوئے جو جولائی کے آخر میں مکمل ہو گئے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ نے ۷۸ مسلم نشستوں میں سے ۷۴ نشستیں حاصل کیں۔ ۱۲ اگست کو وائسرائے ہاؤس سے ایک اعلامیہ جاری ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ وائسرائے نے ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے کانگریس کے صدر کو دعوت دی ہے کہ وہ عارضی حکومت کی فوری تشکیل کے بارے میں تجویز پیش کریں۔ ۱۳ اگست کو قائداعظم نے اس اعلامیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ وائسرائے اور کانگریس کے صدر کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہے لیکن میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو صورتحال بھی پیدا ہو ہم اُس کا مقابلہ کریں گے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مسلم لیگ نے ۱۶ اگست کی تاریخ سارے ہندوستان میں مسلم عوام کو کل ہند مسلم لیگ کونسل کی تجاویز سمجھانے کیلئے مقرر کی ہے تاکہ مسلمان صورت حال سے اچھی طرح سے واقف ہو جائیں تاکہ وہ آنے والے حالات کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری پالیسی میں ایک انقلابی تبدیلی ہوئی ہے اور ہم نے اعلان کیا ہے کہ ضرورت کے وقت ہم عملی اقدام کریں گے۔

۱۵ اگست کو جواہر لال نہرو نے قائداعظم سے اُن کی رہائش گاہ پر ملاقات کی یہ ملاقات ۸۰ منٹ تک جاری رہی قائداعظم نے ملاقات کے بعد پریس کو بتایا کہ ہم نے تمام اہم مسائل پر بات چیت کی ہے اور کسی فیصلے پر نہیں پہنچے۔ ۱۶ اگست کو مسلمانانِ ہند نے یوم راست اقدام منایا تمام بڑے شہروں میں جلوس نکالے گئے اور جلسے منعقد ہوئے۔ اور لیگ کے مؤقف کی حمایت میں قراردادیں منظور کی گئیں۔ بنگال اور سندھ کی حکومتوں نے اس موقع پر عام تعطیل کا اعلان کیا بنگال میں

فرقہ پرست ہندو اس پر مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے جس کے نتیجے میں ۵ ہزار افراد ہلاک اور ۱۵ ہزار افراد زخمی ہو گئے۔ ؎۱

قائداعظم اور جواہرلال نہرو کے درمیان ملاقات کے بعد خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں قائداعظم نے کھل کر یہ بات نہرو پر واضح کر دی کہ وہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر مرکز میں پائیدار حکومت نہیں بنا سکتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جواہرلال نہرو نے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں اپنے خطوط کا مجموعہ جو شائع کیا ہے اُس میں اس دور کی خط و کتابت شامل نہیں کی ہے۔ کیونکہ ان خطوط سے کانگریس کی ہٹ دھرمی اور بے ضمیری عیاں ہوتی ہے اس لئے ضروری یہ سمجھا گیا کہ اس خط و کتابت کو حذف کر دیا جائے۔ جواہرلال نہرو کی یہ صرف ہندو قوم بلکہ تاریخ کے ساتھ بھی ناانصافی ہے

۱۷ اگست کو قائداعظم نے کلکتہ کے فسادات پر بیان دیتے ہوئے اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا اور مطالبہ کیا کہ اس فساد کے ذمہ دار عناصر کو قانون کے مطابق سزا دی جائے۔"

۱۹ اگست کو قائداعظم نے ایک بیان میں جواہرلال نہرو کے ایک حالیہ بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر جواہرلال نہرو یہ کہنے کے بجائے کہ مسلم لیگ نے تعاون نہیں کیا یہ کہتے کہ مسلم لیگ نے شکست قبول نہیں کی تو وہ صداقت سے زیادہ قریب ہوتے

وائسرائے لارڈ ویول نے ۲۴ اگست کو عارضی حکومت کانگریس کے حوالہ کر دی اور ایک نشری تقریر میں اپنے اس اقدام کو اصولی قرار دینے کے لئے مرکز میں مسلم لیگ کی عدم شرکت کی تمام تر ذمہ داری مسلم لیگ کے سر تھوپ دی۔ انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اشتعال اور تشدد کے راستے پر نہ چلیں۔ کیونکہ اس سے اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ انہوں نے عبوری حکومت کے ارکان کے ناموں کا اعلان بھی کر دیا۔ جو تمام کانگریسی تھے۔

۲۵ اگست کو قائداعظم نے وائسرائے کی نشری تقریر پر ایک بیان میں کڑی

؎۱ دی پی سین۔ صفحہ ۲۹۳

نکتہ چینی کی اور کہا کہ وائسرائے کی تقریر نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان پر ایک ضرب کاری لگائی ہے۔ انہوں نے گذشتہ رات جو بیان دیا ہے وہ گمراہ کن اور واقعات کے خلاف ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ ہند اسے پوری ہمت اور استقلال کے ساتھ قبول کریں گے۔ وائسرائے نے جو قدم اٹھایا ہے وہ انتہائی غیر دانشمندانہ اور غیر مدبرانہ ہے اور اس کے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ ہندوستان کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کا مطلب دونوں بڑی قوموں کی صحیح آزادی اور دونوں ریاستوں میں اقلیتوں کے لئے ہر ممکن تحفظ ہے۔" قائداعظم نے اپنے اس بیان میں وائسرائے اور نہرو سے عبوری حکومت کے سلسلے میں ہونے والے مذاکرات کو تفصیل سے بیان کیا۔

۲۷ راگست کو قائداعظم نے مسلمانانِ ہند کے نام عیدالفطر کے موقع پر ایک پیغام میں کہا کہ مسلمان اس مبارک موقع پر ایک منظم باعظمت اور تربیت یافتہ قوم کی طرح اپنی تمام قوتیں ایک مرکز پر جمع کرلیں تاکہ وہ اپنے مقصد کے لئے متحدی سے جدوجہد کرسکیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی عمر اس وقت ستر سال ہو چکی تھی۔ لیکن وہ برابر اس جدوجہد میں مصروف تھے کہ مسلمانوں کے علیحدہ وطن کا مطالبہ تسلیم کرلیا جائے۔ جبکہ کانگریس اور برطانوی حکومت اس مطالبہ سے پہلوتہی کر رہی تھی۔ ۲ رستمبر کو کانگریس کی نامزد کردہ حکومت نے حلف وفاداری اٹھایا اور مسلم لیگ نے اس دن پورے ملک میں یومِ سیاہ منایا۔ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی اور حکومت کی جانب دارانہ پالیسی کے نتیجے میں کئی مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو گئے خصوصاً حیدرآباد میں بڑے زور کے بلوے ہوئے۔ جس کی بنا پر پورے ملک کی فضا مکدر ہو گئی۔

وائسرائے لارڈ ویول کلکتہ کے فساد کے بعد اس حقیقت کو بھانپ گئے تھے کہ

اگر مرکز میں اور بنگال میں مخلوط حکومتیں قائم نہ ہوئیں تو پورے ملک میں فسادات عام ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کلکتہ کے دورہ کے بعد اس صورتحال پر بات چیت کے لیے گاندھی جی اور نہرو کو دہلی طلب کیا اور اُن کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ فرقہ وارانہ مسائل کے تصفیے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخلوط حکومت کے قیام کے بارے میں غور کریں

۱۳ ستمبر کو وائسرائے نے قائداعظم کو ملاقات کی دعوت دی اور قائداعظم نے بمبئی سے دہلی پہنچ کر ۱۶ ستمبر کو وائسرائے سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات تقریباً ۷۵ منٹ جاری رہی وائسرائے سے قائداعظم کی ملاقات کے بعد سہ طرفہ مذاکرات کا ایک طویل دور شروع ہو گیا۔ گاندھی جی، پنڈت نہرو اور قائداعظم کے درمیان کئی ملاقاتیں ہوئیں اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا دوسری طرف وائسرائے دونوں فریقوں سے ملاقات اور مذاکرات کرتے رہے اس دوران کانگریس نے کئی معاملات پر ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا۔ لیکن وائسرائے جو ابتدا میں کانگریس کے ہمنوا اور سرپرست کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ اب اپنے نکتہ نظر میں تبدیلی پیدا کر چکے تھے۔ انہوں نے بالآخر کانگریس کو مخلوط حکومت پر راضی کر لیا اور ۱۳ اکتوبر کو مسلم لیگ کے ایک مراسلہ کے جواب میں قائداعظم سے مخلوط حکومت کے لئے نام طلب کئے چنانچہ لیاقت علی خان، آئی آئی چندریگر، سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی خان اور مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کے نام بھیجے گئے۔ منڈل کا نام کانگریس کی اس ضد کے جواب میں بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو ضرور نامزد کرے گی۔ وائسرائے نے مخلوط حکومت میں لیاقت علی خان کو خزانہ۔ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل کو آئین و قانون۔ آئی، آئی چندریگر کو تجارت۔ عبدالرب نشتر کو ڈاک و فضائیہ اور راجہ غضنفر علی خان کو حفظانِ صحت کی وزارت دی۔ ۲۵ اکتوبر کی شب کو وائسرائے نے مخلوط عبوری حکومت کے تمام ارکان اور اُن کے عہدوں کا اعلان کر دیا۔ کانگریس چھ،

مسلم لیگ پانچ، سکھ ایک، پارسی ایک، اور عیسائی ایک وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں شامل تھے۔ کیبنٹ مشن کے دورہ سے لے کر مسلم لیگ کے نمائندوں کی مرکزی عبوری حکومت میں شمولیت تک سیاسی جنگ کا سارا زور اس امر پر تھا کہ کانگریس من مانی نہ کر سکے اور اس تمام جدوجہد کا سہرا قائداعظم محمد علی جناح کے سر تھا۔ سر آغا خان نے اس نازک دور میں قائداعظم کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں تحریر کیا ہے کہ میں اپنی زندگی میں جتنے مدبروں سے ملا ہوں۔ کلیمنسو لائڈ جارج۔ چرچل۔ کرزن، مسولینی اور مہاتما گاندھی مگر جناح ان سب میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں کردار کی بلندی میں وہ ان سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ وہ زبردست قوت اور پیش بینی کے امتزاج کا مجسمہ تھے اور در حقیقت یہی تدبر ہے۔[1]

عبوری حکومت میں شمولیت کے اعلان کے ساتھ ہی فرقہ پرست ہندو عناصر حرکت میں آ گئے اور ہندوستان کے کئی علاقوں میں زبردست فسادات ہوئے۔ بہار نواکھالی اور پٹنہ میں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ ۲۴ اکتوبر کو قائداعظم نے ایک بیان میں نواکھالی کے فسادات اور ۵ نومبر کو دہلی میں عید کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بہار کے فسادات پر اظہار افسوس کیا۔ اور بہار کے مسلمانوں کی امداد کے لئے ایک فنڈ کھول دیا۔ جس میں ۵ ہزار روپے اپنی جانب سے جمع کرائے۔

۷ نومبر کو قائداعظم نے عرب نیوز ایجنسی کے ایک نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ عارضی حکومت میں لیگ مسلمانوں اور دوسرے اقلیتی فرقوں کے مفادات کے لئے شریک ہوئی ہے انہوں نے کہا کہ اگر مسلم لیگ کے نمائندے عارضی حکومت میں شرکت نہ کرتے تو مرکز میں ہندو حکومت اور وائسرائے، ایسے مسلمانوں کو شامل کر لیتے جن پر مسلم ہندوستان کو نہ کوئی اعتماد ہوتا اور نہ کوئی بھروسہ، یہ چیز

[1] سر آغا خان۔ صہ ۲۹۲

بدترین نتائج کی حامل ہوتی بلکہ ہوئی بھی ۔

عارضی حکومت میں لیگ کی شرکت سے بعض افراد نے یہ سمجھ لیا تھا کہ لیگ اب مطالبۂ پاکستان سے دستبردار ہو جائے گی ۔ خود مسلمانوں میں بھی ایک گروہ یہی خیال رکھتا تھا ۔ ہندو پریس کی طرف سے بھی کھلے الفاظ میں یہی کہا جا رہا تھا اور غیر ملکی پریس بھی کچھ ایسا ہی تاثر دے رہا تھا ۔ چنانچہ ۱۴ر نومبر کو قائد اعظم نے غیر ملکی نامہ نگاروں کی ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر عارضی حکومت نے مطالبہ پاکستان کے خلاف بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی قدم اٹھایا تو ہم اس کی ضرور مزاحمت کریں گے برطانیہ کی لیبر حکومت گم کردہ راہ ہے اور وہ خوابوں کی دنیا میں زندگی گذار رہی ہے ہندوستان کا موجودہ انتظام ہم پر جبراً مسلط کیا گیا ہے ۔ عارضی حکومت کے مسلم لیگی ارکان نظم ونسق میں مدد کریں گے ۔ لیکن اُن کی حیثیت مفادِ اسلامی کے پاسبانوں کی ہے ۔ مسئلہ ہندوستان کا واحد حل یہ ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔ ۱

۲۸ر اکتوبر سے دہلی میں مرکزی اسمبلی کے اجلاس شروع ہو چکے تھے ۔ اور کارروائی جاری تھی کہ وائسرائے نے ۹ر دسمبر کو کانسٹی ٹیوشنٹ اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے کا اعلان کر دیا ۔ اس پر قائد اعظم نے ۲۱ر نومبر کو ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ میری رائے میں یہ احمقانہ فعل ہے جس کے نتائج بڑے خراب برآمد ہوں گے ۔ وائسرائے کانگریس کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں ۔ اُن کو مسلمانوں اور دوسری قوموں کی مطلق پرواہ نہیں اس لئے مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ کانسٹی ٹیوشنٹ اسمبلی میں شریک نہیں ہو گا ۔ اس زمانہ میں میرٹھ میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں کانگریس نے مطالبہ کیا کہ مسلم لیگ کانسٹی ٹیوشنٹ اسمبلی میں شرکت کرے یا عبوری حکومت سے استعفیٰ دیدے اس پر مسلم لیگ کی طرف سے سخت احتجاج کیا گیا ۔ وائسرائے نے اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے یہ مناسب سمجھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتے کی کوئی راہ نکالی جائے ۔ چنانچہ ۲۶ر نومبر کو وائسرائے

۱؎ ۔ رئیس احمد جعفری ۔ ص ۴۹۶ ۔ خطباتِ قائد اعظم ۔

نے پنڈت نہرو، لیاقت علی خان، سردار بلدیو سنگھ کو مطلع کیا کہ برطانوی حکومت لندن میں اُن سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں وزیراعظم نے پنڈت نہرو اور قائداعظم کو دعوت نامہ ارسال کیا۔ اور وائسرائے لارڈ ویول کی معیت میں پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ، قائداعظم، لیاقت علی خان یکم دسمبر کو لندن بذریعہ طیارہ کراچی سے روانہ ہوئے۔ اس سفر کی تفصیلات جناب ممتاز حسن احسن نے اپنے ایک مضمون میں درج کی ہے۔ جو ماہنامہ ماہِ نو کراچی نے شائع کیا تھا۔[1]

کراچی سے لندن روانگی کے دوران اِن رہنماؤں نے قاہرہ اور مالٹا میں قیام کیا اور ۳ دسمبر کو ہندوستانی وقت کے مطابق ۲ بجکر ۱ منٹ پر لندن پہنچے۔ لندن کے ہوائی اڈے پر ہزاروں افراد نے ان رہنماؤں کا استقبال کیا۔ لندن میں موجود پاکستان کے حامی مسلمانوں نے ایئرپورٹ کو مسلم لیگ کے جھنڈوں سے سجایا تھا اور وہ بڑے بڑے بینرز اٹھائے ہوئے تھے جن پر پاکستان کے حق میں نعرے درج تھے۔ ۵ دسمبر کو قائداعظم لیاقت علی خان کے ساتھ برطانیہ کے وزیراعظم ایٹلی سے اُن کی قیام گاہ ۱۰۔ ڈاؤننگ سٹریٹ پر ملے اور مختلف امور پر تبادلۂ خیال کیا۔ ۷ دسمبر کو تمام رہنماؤں کی ایک گول میز کانفرنس ہوئی جو ناکام رہی۔ اس موقع پر ایک سرکاری اعلامیہ میں کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ اگر کانگریس اپنے رویہ میں تھوڑی سی بھی تبدیلی کرلے تو کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔ بیکرولتھو نے لکھا ہے کہ لندن میں مذاکرات کے دوران بھی وہی پرانے جھگڑے رہے جو شملے میں طے نہ ہو سکے تھے۔ نہ کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ رعایت پر آمادہ تھی اور نہ لیگ اپنے موقف سے ہٹنے پر آمادہ تھی۔ چنانچہ تین دن بعد ہی مصالحت کی یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ ۱۲ دسمبر کو دارالعوام میں ہندوستان کے مسئلہ پر بحث شروع ہوئی۔ اس موقع پر قائداعظم ایوان کی گیلری میں تشریف فرما تھے۔ دارالعوام کی بحث میں چرچل اور لارڈ پیتھک لارنس نے حصہ لیا اور ہندوستان کی دونوں بڑی جماعتوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی

---

[1] ممتاز حسن احسن۔ قائداعظم کا ایک سفر، مطبوعہ ماہنامہ ماہِ نو۔ کراچی۔ اکتوبر ۱۹۴۸ء

کوشش کریں۔

۱۳ دسمبر کو قائداعظم نے کنگز وے ہال میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس کی ہٹ دھرمی سے معاملات مزید پیچیدہ ہوتے چلے جارہے ہیں ۱۴ دسمبر کو قائداعظم نے اپنی قیام گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور ایک سوال کے جواب میں کہا کہ بلاشبہ مکمل آزادی ہی پاکستان کی منزل مقصود ہے اسی دن امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جتنی جلد برطانیہ پاکستان کے نفاذ پر تیار ہو جائے گا اتنی ہی جلد اس عظیم الشان بدنظمی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۱۵ دسمبر کو قائداعظم برطانوی طیارہ کارونیشن ایئر کرافٹ سے ہندوستان واپسی کے لئے روانہ ہوئے اور مالٹا میں قیام کیا۔ ۱۶ دسمبر کو قاہرہ پہنچے اور قاہرہ میں مقیم رائٹر کے نمائندہ کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ میں لندن میں حالیہ گفت و شنید کو مزید تقویت پہنچانے کے بعد اس یقین کے ساتھ ہندوستان لوٹ رہا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان پاکستان حاصل کرلیں گے۔ عرب نیوز ایجنسی کے ایک نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا کہ میرے نزدیک ہندو اور مسلمان اس سے زیادہ اشتراک نہیں کرسکتے جو اس وقت ہے میرے نزدیک یہ دونوں بالکل جدا قومیں ہیں۔ اور انہیں اپنی قسمت کا فیصلہ علیحدہ قوم ہی کی طرح کرنا چاہیئے۔

۱۷ دسمبر کو وزیراعظم مصر جناب نقراشی پاشا قائداعظم سے ملنے شیفرڈ ہوٹل تشریف لائے جہاں قائداعظم عرب لیگ کے مہمان کی حیثیت سے مقیم تھے۔ ۱۸ دسمبر کو عرب لیگ کے جنرل سکریٹری اعظم پاشا نے قائداعظم کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا جس میں مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی اور مسلم برادرہڈ ایسوسی ایشن کے رہنما شیخ حسن البنا بھی شریک تھے۔ ۱۹ دسمبر کو لبرل کانسٹی ٹیوشنل پارٹی نے قائداعظم کے اعزاز میں عصرانہ دیا اس موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے لئے پاکستان زندگی اور موت کا سوال بن چکا ہے

اور اگر آپ اپنے گھروں میں آزاد رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ آپ ہماری امداد کریں۔
۱۹ دسمبر کی سہ پہر قائداعظم نے مصر کے شاہ فاروق سے ملاقات کی۔ ۲۰ دسمبر کو قائداعظم نے سابق وزیراعظم مصر اور وفد پارٹی کے رہنما نحاس پاشا کو عشائیہ دیا۔ اور ان سے مختلف امور کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ ۲۱ دسمبر کو قائداعظم کراچی پہنچ گئے۔ جہاں آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ؎۱

۲۱ دسمبر کو ۱۰ بجے قائداعظم نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اخباری نمائندوں کو اپنے دورہ کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ کراچی پہنچنے کے بعد قائداعظم کی طبیعت پھر بگڑ گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے دہلی روانگی کا فیصلہ ترک کر دیا اور کراچی میں ملیر کے مقام پر آرام کی غرض سے ٹھہر گئے۔

اسی سال ۵ اپریل کو قائداعظم کے رفیق خاص علامہ اقبال کے ساتھی اور پنجاب کے سرگرم مسلم لیگی رہنما ملک برکت علی انتقال کر گئے۔ ملک برکت علی کے صاحبزادے ملک افتخار علی نے اپنے والد کے انتقال کے دس دن بعد دہلی میں قائداعظم سے ملاقات کی اس ملاقات کا تفصیلی حال انہوں نے ایک مضمون میں قلمبند کیا ہے۔ خصوصاً ملک برکت علی سے قائداعظم کے تعلق خاطر کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ "قائداعظم کو میرے والد مرحوم کی وفات کا حد درجہ صدمہ تھا۔ انہوں نے تعزیت کے بعد یہ اعتراف فرمایا کہ برکت علی مرحوم اُن کا دایاں ہاتھ تھے۔ اور آج انہیں یوں محسوس ہو رہا ہے کہ اُن کا دایاں ہاتھ کٹ گیا ہے۔ ؎۲

؎۱۔ یہ تمام تفصیلات ممتاز حسن احسن کے مضمون اور خلد اختر افغانی کی کتاب سے اخذ کی گئی ہیں۔
؎۲۔ ملک افتخار علی "ناقابلِ فراموش یادیں" مضمون مطبوعہ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۴ء

سنہ ۱۹۴۷ء

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانانِ ہند کی ایک سو سالہ طویل غلامی کا آخری سال تھا۔ سنہ ۱۹۴۶ء کے آخر میں لندن میں ہونے والے مذاکرات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی تھی کہ اب قیامِ پاکستان ایک حقیقت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور ہندوستان کے دستوری مسائل سے نجات کا واحد راستہ بھی یہی ہے۔ مخلوط عبوری حکومت میں مسلم لیگی وزراء بڑی تندہی سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے اور کانگریس اب بھی اس فکر میں مصروف تھی کہ کسی طرح پاکستان کے موقف کو غلط ثابت کیا جا سکے۔ مگر قائداعظم کی طویل جد و جہد اور معرکۃ الآرا تقاریر نے مسلمانانِ ہند کو کچھ اس طرح شیر و شکر کر دیا تھا کہ وہ اپنے موقف سے ہٹنے اور پاکستان کے علاوہ کوئی بات سننے پر تیار ہی نہ تھے پورے ہندوستان میں "بٹ کے رہے گا ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان" کی گونج سنائی دے رہی تھی اور برطانوی حکمران بھی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالا دینے کے لئے پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کے درمیان خوشی اور مسرت کی فراوانی تھی۔ جوش و ولولہ کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن پاکستان کا مقدمہ لڑنے والا بے مثال وکیل ان تمام ہنگاموں سے دور کراچی میں ملیر کے مقام پر اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آخری اور نتیجہ خیز معرکہ کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ مسلسل دوروں اور شبانہ روز جد و جہد نے قائداعظم کی صحت پر بڑا اثر ڈالا تھا اور وہ خرابیٔ صحت کی بنا پر ان دنوں صاحبِ فراش تھے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم لارڈ اٹیلی نے ایک طویل عرصے تک ہندوستان کے مسائل پر غور و فکر کے بعد ۲۰ فروری کو ایک اعلان کیا جس میں کہا گیا تھا کہ دونوں جماعتوں کے درمیان وسیع اختلافات موجود ہیں اور ان اختلافات کے سبب دستور ساز اسمبلی کی نمائندہ حیثیت پر اثر پڑا ہے۔ موجودہ غیر یقینی صورتحال خطرناک ہے اور اس صورتحال کی زیادہ عرصے تک اجازت نہیں دی جا سکتی اس لئے حکومتِ برطانیہ یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ ہم قطعی طور پر اقتدار اہلِ ہند کو سونپنا چاہتے ہیں اور جون ۱۹۴۸ء سے قبل ہی ذمہ دار ہندوستانی باشندوں کو اقتدار سپرد کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرنا چاہتے ہیں۔ اس حساب

تیاریاں شروع ہو جانی چاہئیں۔ اقتدار کی منتقلی کے سلسلے میں جو مسائل پیدا ہوں گے حکومت برطانیہ ان پر تصفیہ کرنے اور تجویز کرانے کے لئے ان لوگوں کے نمائندوں سے مذاکرات کرے گی جنہیں وہ اقتدار سونپنا چاہتی ہے۔ لارڈ ٹیلی نے اسی اعلان میں وائسرائے ہند لارڈ ویول کی سبکدوشی اور ایڈمرل وائیکاونٹ ماؤنٹ بیٹن کی بحیثیت وائسرائے تقرری کا اعلان کیا۔

وزیراعظم ٹیلی کے اس اعلان سے پورے ہندوستان میں ہلچل مچ گئی۔ ہر طرف سے اس اعلان پر تبصرے ہونے لگے۔ کانگریس کی کوشش تھی کہ وہ انتقال اقتدار میں زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرے جبکہ مسلم لیگ نے سرکاری مشینری پر اپنا دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح بھی تمام حالات سے پوری طرح باخبر تھے اس لئے آپ ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے بمبئی پہنچے اور نئے سرے سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ پنجاب میں سر خضر حیات نے وزیراعظم ایٹلی کے اعلان سے آئندہ کے حالات کا اندازہ کر لیا تھا اس لئے انہوں نے ۲ مارچ کو وزیراعلیٰ پنجاب کی حیثیت سے گورنر کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ خضر حیات کا استعفیٰ مسلم لیگ کی کامیابی تھا کیونکہ خضر حیات کی وزارت میں مسلم لیگی کارکنوں پر پنجاب میں بڑا ظلم ہوا تھا اور مسلم نیشنل گارڈز پر پابندی عائد کر دی گئی تھی قائداعظم نے ملک خضر حیات کے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بیان میں کہا کہ ملک صاحب کا یہ فیصلہ دانشمندانہ ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ سرحد کے وزیراعظم ڈاکٹر خان بھی اس مثال کی تقلید کریں گے۔

۲۲ مارچ کو ہندوستان کے نئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنے مشیروں کے ہمراہ دہلی پہنچ گئے۔ ماؤنٹ بیٹن جو اپنے ذاتی میلان کی بنا پر مسلم لیگ کے خلاف اور ہندوؤں کے موافق تھے ایسے وسیع اختیارات کے ساتھ ہندوستان بھیجے گئے تھے کہ ان سے پہلے کسی وائسرائے کو یہ اختیارات حاصل نہ تھے سید حسن ریاض نے لکھا ہے کہ کوئی اور وائسرائے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر ہندوستان آیا ہو ماؤنٹ بیٹن ہر طرح ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے تھے انہوں نے اہتمام و تکلف کے ساتھ اپنے اوپر گھبراہٹ اور جلدی کی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔[1]

ماؤنٹ بیٹن نے رسم حلف وفاداری کے فوراً بعد قائداعظم اور گاندھی جی کو ملاقات کی دعوت دی چنانچہ ۴ اپریل کو اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ بمبئی سے دہلی پہنچے اور ۵ اپریل کو وائسرائے سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات

---

[1] سید حسن ریاض ص ۳۵۴

تقریباً ۵ منٹ جاری رہی۔ ماؤنٹ بیٹن کے سیکریٹری ایلن کیمپبل جانسن نے اپنی کتاب "مشن ود ماؤنٹ بیٹن" میں لکھا ہے کہ جناح کے رخصت ہونے کے بعد ماؤنٹ بیٹن کا قائداعظم کے بارے میں ردعمل یہ تھا کہ "اف توبہ یہ شخص تو برف کی طرح سرد ہے۔ ملاقات کا بیشتر حصہ تو اسے پگھلانے میں صرف ہو گیا"[1] اس ملاقات کے دوران محمد علی جناح نے وائسرائے کو تمام صورتحال کھل کر بتائی لیکن کوئی نتیجہ خیز گفتگو نہ ہو سکی۔

۷ اپریل کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم اور ان کی ہمشیرہ کو رات کے کھانے پر بلایا۔ اس موقع پر بھی دونوں رہنماؤں کے درمیان ہندوستان کی صورتحال پر بات چیت ہوئی اور قائداعظم نے وائسرائے کو بتایا کہ کانگریس ہر چیز کی وراثت چاہتی ہے اور مسلمانوں کو پاکستان سے محروم کرنے کے لئے وہ مرتبہ نوآبادی بھی منظور کر سکتی ہے۔

۱۲ اپریل کو قائداعظم نے مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس دوران لارڈ اسمے برطانیہ سے واپس آ گئے وہ وائسرائے کے لئے برطانوی کابینہ کی جانب سے نئی تجاویز لے کر آئے تھے چنانچہ وائسرائے نے فوری طور پر قائداعظم، لیاقت علی خان، پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور بلدیو سنگھ کو ملاقات کی دعوت دی۔ برطانوی کابینہ کی تجاویز کے مطابق ہندوستان کو کئی یونٹوں میں تقسیم کیا جانا تھا اس طرح ان تجاویز میں ہندوستان کا متحدہ نظریہ مسترد کر دیا گیا تھا اور مجوزہ یونٹوں کو دو یا دو سے زائد خود مختار ملکوں کے ساتھ اتحاد کا اختیار دیا گیا تھا۔ قائداعظم نے یہ تجاویز مسترد کر دیں اور اپنے اس مطالبہ پر قائم رہے کہ دو آزاد اور خود مختار مملکتیں قائم ہونا چاہئیں۔ ایلن کیمپبل جانسن نے لکھا ہے کہ جناح نے انتہائی دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ حالات کے مدوجزر سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جناح کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔[2] ان تجاویز پر گفتگو کے سلسلہ میں قائداعظم نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی انہوں نے صرف ۱۲ اپریل کو وائسرائے سے چھ ملاقاتیں کیں جبکہ بعد میں یہ سلسلہ جاری رہا۔

۱۵ مئی کو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے رہنماؤں کے خیالات تجاویز کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد لندن روانہ ہو گئے تاکہ برطانوی کابینہ سے ہندوستان کی صورتحال کے بارے میں ذاتی طور پر تبادلۂ خیال کر سکیں۔

۲۲ مئی کو قائداعظم نے رائٹر کے نامہ نگار ڈون کیمپبل مقیم ہندوستان کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے مجوزہ دونوں بازوؤں یعنی مشرقی اور مغربی پاکستان کو ملانے کے لئے ہندوستان کی سرزمین پر

---

[1] ایلن کیمپبل جانسن ص ۴۵ "مشن ود ماؤنٹ بیٹن" مطبوعہ رابرٹ ہل لمیٹڈ لندن ۱۹۵۱ء [2] ایلن کیمپبل جانسن ص ۹۳

ایک گرہ لگا دی جاتے۔

۱۸ مئی کو وائسرائے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ لے کر لندن سے روانہ ہوئے اور ۳۰ مئی کو ہندوستان واپس پہنچ گئے۔ انہوں نے مسلم لیگ اور کانگریس کو دعوت دی کہ وہ ۲ جون کو وائسرائے ہاؤس میں اپنے تین تین نمائندے بھیجیں۔ چنانچہ مسلم لیگ کی نمائندگی قائد اعظم محمد علی جناح۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں اور سردار عبد الرب نشتر نے کی جبکہ کانگریس کی نمائندگی پنڈت نہرو، سردار پٹیل اور اچاریہ کرپلانی نے کی۔ سکھوں کی جانب سے سردار بلدیو سنگھ کانفرنس میں شریک تھے۔

اس ملاقات میں وائسرائے نے ان رہنماؤں کو بتایا کہ جو تجاویز میں لے کر آیا ہوں انہیں نہ صرف برطانوی حکومت بلکہ سر ونسٹن چرچل سمیت پارلیمنٹ کے تمام مخالف اراکین بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ ان تجاویز میں تقسیم کا اصول منظور کر لیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات لیگ اور کانگریس کے نمائندوں سے صلاح و مشورے کے بعد طے کی جائیں گی۔ دونوں ملکوں کو اختیارات منتقل کئے جائیں گے۔ انہیں مکمل ڈومینین کی حیثیت دی جائے گی اور انہیں دولت مشترکہ سے الگ ہونے کا حق حاصل ہوگا۔ ہندوستان کے حالیہ واقعات کے پیش نظر یہ طے کیا گیا ہے کہ اختیارات جون ۱۹۴۸ء کی بجائے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک منتقل کر دیئے جائیں۔ وائسرائے نے کانفرنس میں موجود سیاسی نمائندوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی پارٹیوں کی مجلس عاملہ سے مشورہ کرنے کے بعد آج رات ۱۲ بجے تک مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیں۔

وائسرائے سے گفتگو کے دوران جو طرز عمل قائد اعظم نے اختیار کیا اس کے بارے میں آغا خان اپنی یادداشتوں میں تحریر کرتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء ہندوستان کی قسمت کے فیصلے کا سال تھا۔ جناح نے حالات کا جائزہ لیا اور یقین کامل اور جرأت مندی کے ساتھ میدان میں آگئے۔ انہوں نے برطانوی اسکیم مشروط طور پر قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے انتہائی تدبر، فراست اور بے مثال سیاسی دور اندیشی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ نے انہیں بسمارک کا ہم پلہ بنا دیا۔ ؎۱

اسی رات مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں ان تجاویز پر غور و فکر کے بعد انہیں مشروط طور پر قبول کر لیا گیا۔ قائد اعظم نے گیارہ بجے شب وائسرائے کو اطلاع دی کہ لیگ نے تجاویز پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ ۳ جون کو کانگریس اور سکھ رہنما نے بھی منظوری کا اعلان کر دیا۔ اسی دن آل انڈیا ریڈیو سے ماؤنٹ بیٹن

؎۱ آغا خان ص ۲۹۵

محمد علی جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو نے عوام سے خطاب کیا۔ قائداعظم نے تجاویز کی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس نازک مرحلے پر وہ ہماری رہنمائی کرے اور ہمیں دانشمندی اور تدبر کے ساتھ ذمہ داری سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قائداعظم نے اپنی تقریر کے اختتام پر پاکستان زندہ باد کا نعرہ بلند کیا۔

ریڈیو پر ہندوستانی رہنماؤں کے خطاب کے بعد پورے ہندوستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ صدیوں بعد آزادی نصیب ہونے والی تھی مگر فرقہ پرست عناصر اس کے لئے ذہنی طور پر اب بھی تیار نہ تھے اور اشتعال انگیز فضا پیدا کر رہے تھے۔ ۴ رجون کو قائداعظم کے نام ہزاروں مبارکباد کے ٹیلیگرام موصول ہوئے۔ سینکڑوں وفود نے قائد سے ملاقات کی اور مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ ۹ رجون کو دہلی کے تاج ہوٹل میں مسلم لیگ کونسل کا آخری اجلاس قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ۳ رجون کے منصوبے کے بارے میں مسلم لیگ کا موقف طے کیا گیا اور قائداعظم کو ایک قرارداد کے ذریعے یہ اختیار دیا گیا کہ وہ مصالحت کے طور پر منصوبے کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کریں۔ تاج ہوٹل میں یہ اجلاس جاری تھا کہ خاکساروں کے ایک دستے نے ہوٹل پر حملہ کر دیا لیکن مسلم نیشنل گارڈ نے مزاحمت کی اور پولیس کی آمد تک حملہ آوروں کو مار بھگایا۔ اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے اعلان کیا کہ میں نے پاکستان کے لئے نوآبادیاتی درجہ بعض مجبوری دور کے لئے منظور کیا ہے اور اس فیصلہ کا انحصار پاکستان کی دستور ساز اسمبلی پر ہے کہ آیا وہ برطانوی دولت مشترکہ میں رہنا چاہتے ہیں یا نہیں۔

۱۰ رجون کو قائداعظم نے پاکستان فنڈ قائم کیا تاکہ تقسیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل سے نمٹا جا سکے۔ اب پاکستان ایک طے شدہ اور یقینی امر تھا لیکن کانگریس اس فکر میں تھی کہ مسلم لیگ کو عبوری حکومت سے کسی طرح نکال دے لیکن قائداعظم نے واشگاف الفاظ میں وائسرائے پر ظاہر کر دیا کہ ایسی اگر کوئی کارروائی کی گئی تو مسلم لیگ سخت اقدام کرے گی۔ ادھر برطانیہ میں پارلیمنٹ نے آزادیٔ ہند کے بل پر غور کرنا شروع کیا۔ ۱۵ رجولائی کو دارالعوام نے بل کی منظوری دے دی۔ ۱۶ رجولائی کو دارالامراء نے اور ۱۸ رجولائی کو شہنشاہ نے یہ بل منظور کر لیا۔ اس دوران بلوچستان نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا اور سرحد میں مسلم لیگ استصواب جیت گئی۔ یہ مسلم لیگ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ جس پر کانگریس اور خصوصاً خان عبدالغفار خاں بڑے دل برداشتہ تھے۔ دریں اثناء اثاثوں کی تقسیم کے بارے میں قائداعظم کے مذاکرات وائسرائے سے جاری تھے اور مسلم لیگ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ قائداعظم

پاکستان کے گورنر جنرل ہوں گے چنانچہ ۱۰ جولائی کو برطانوی وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے دارالعوام میں اعلان کیا کہ قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل ہوں گے۔ ۱۳ جولائی کو قائداعظم نے پاکستان کے نامزد گورنر جنرل کی حیثیت سے دہلی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور اعلان کیا کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ۱۰ اگست کو کراچی میں ہوگا۔

اس دوران علاقوں کی تقسیم کے سلسلے میں حد بندی کمیشن قائم کئے گئے تاکہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان علاقائی حد بندی کا کام انجام دیں۔ ۳ جون کے اعلان کے بعد سے ۷ اگست ۱۹۴۷ء تک قائداعظم دہلی میں مقیم رہے اور پاکستان کے بارے میں مختلف فیصلے کرتے رہے۔ یہ فیصلے بڑی اہمیت کے حامل تھے اور ان پر پاکستان کے مستقبل کا دارومدار تھا۔ ۷ اگست کو قائداعظم محمد علی جناح اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ وائسرائے کے طیارے میں پاکستان روانہ ہوئے۔ اس وقت دہلی کے ہوائی اڈے پر موجود ہزاروں مسلمانوں نے آپ کو الوداع کیا۔ قائداعظم نے اس موقع پر ایک پیغام میں کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ دہلی کے اس تاریخی شہر میں سب امن سے رہیں گے ماضی کو دفن کر دینا چاہیے اور ہم کو ہندوستان اور پاکستان دو آزاد ریاستوں کی طرح از سر نو کام شروع کرنا چاہیئے۔" ۷ اگست کی شام قائداعظم کراچی میں ماری پور کے ہوائی اڈے پر اترے۔ اس موقع پر حکومت سندھ نے عام تعطیل کا اعلان کیا تھا اور ہزاروں افراد قائداعظم کے استقبال کے لئے ہوائی اڈے سے گورنمنٹ ہاؤس تک جمع تھے ہوائی اڈے پر موجود لیاقت علی خان نے سب سے پہلے قائداعظم کو خوش آمدید کہا اس کے بعد قائداعظم نے سندھ کے وزیروں اور افسران اعلیٰ سے ہاتھ ملایا۔ بعد میں قائداعظم ایک عظیم جلوس کی شکل میں گورنمنٹ ہاؤس پہنچے جہاں آپ کے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ قائداعظم کراچی آنے کے بعد پاکستان کی ابتدائی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

۱۰ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا افتتاح کراچی میں ہوا۔ ایوان میں ۲۰ ارکان میں سے ۵۰ ارکان موجود تھے۔ خان لیاقت علی خان کی تجویز پر اقلیتی فرقے کے نمائندے مسٹر جوگندر ناتھ منڈل نے پہلے اجلاس کی صدارت کی اور حاضری کے رجسٹر پر سب سے پہلے قائداعظم نے دستخط کئے مسٹر منڈل نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں اس عظیم اور اہم موقع پر قائداعظم کی خدمت میں ہدیہ تحسین و تبریک پیش کرتا ہوں قائداعظم پاکستان کے بانی اور معمار ہیں۔ مجھے پورا بھروسا ہے کہ آپ کی اعلیٰ قیادت تدبر اور لیاقت کے زیر سایہ پاکستان کے

تمام باشندوں کو خوشحالی اور ترقی نصیب ہوگی۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسٹر جناح آجکل دنیا میں عظیم مدبر اور عظیم ترین انسان ہیں۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان کے مختلف حصوں اور فرقوں کے نمائندے جو یہاں موجود ہیں پاکستان کے لئے ایک ایسا دستور مرتب کریں گے جو واقعی ایک مثالی دستور ہوگا۔ ش

۱۱ اگست کی صبح دس بجے دستور ساز اسمبلی کا دوسرا اجلاس ہوا جس کی صدارت کے لئے قائد اعظم کا نام تجویز کیا گیا۔ اجلاس سے سب سے پہلے لیاقت علی خان نے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ چونکہ مجھے گیارہ سال سے مسلسل آپ کی رفاقت کا فخر حاصل ہے اس لئے میں صداقت اور ایمانداری سے کہہ سکتا ہوں کہ پاکستان کی اس حکومت کا قیام اور آزادی اگر قطعی طور پر نہیں تو بڑی حد تک آپ کی خدمات کا نتیجہ ہے۔ اجلاس سے جناب ایوب کھوڑو، کرن شنکر رائے، جوگندر ناتھ منڈل اور بیگم شاہنواز نے بھی خطاب کیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے آخر میں اسمبلی سے خطاب کیا۔ آپ کی یہ تقریر ۴۰ منٹ پر مشتمل تھی۔ آپ نے کہا کہ "میں ایک بات واضح کر سکتا ہوں میں اس بات پر بھی زور دینا چاہتا ہوں کہ اب آپ ایک خود مختار قانون ساز جماعت ہیں اس طرح آپ پر فیصلہ کرنے کے سلسلے میں بڑی ذمہ داری عائد ہوگی۔ حکومت کا پہلا فرض امن و نظم قائم رکھنا ہے تاکہ حکومت ہر قیمت پر لوگوں کے جان و مال اور مذہبی عقائد کا مکمل تحفظ کر سکے۔"

"اس وقت ہندوستان پر جو بڑی لعنتیں مسلط ہیں ان میں رشوت خوری اور بے ایمانی بھی شامل ہیں ہمیں ان کو فولادی پنجے سے ختم کر دینا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ اس اسمبلی میں بہت جلد اپنے کافی فیصلے کریں گے جن کے ذریعے ان لعنتوں کو جلد از جلد ختم کر دیا جائے گا۔ یہ واقعی ایک زہر ہے۔

چور بازاری اور نفع خوری بھی ایسی لعنتیں ہیں جو عوام کے لئے سخت مصیبت کا باعث بنتی ہیں اور جن سے حکومت کا کام مشکل ہوتا ہے۔ آپ کو اس بھوت سے بھی جنگ کرنی ہے جو ان دنوں میں جبکہ ہماری حالت خستہ ہے ہمارے پاس سامان خوراک اور ضروری اشیا کی کمی ہے۔ یہ چیزیں معاشرتی جرم ہیں۔ چور بازار والوں کو شدید سزا ملنی چاہئے کیونکہ اس سے کنٹرول کا سارا نظام اور سامان خوراک کی تقسیم درہم برہم ہو جاتی ہے۔ دوسری چیز جو میری روح کو تکلیف پہنچاتی ہیں بے ایمانی اور رشوت خوری ہے لیکن میں اس بات کو صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ کسی قسم

ش۔ خالد اختر افغانی ص

کی رشوت خوری اور بے ایمانی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ نہ کسی اثر کو قبول کروں گا جو براہِ راست یا گھما پھرا کر مجھ پر ڈال دیا جائے۔

قائدِ اعظم نے پاکستان کی حکومت کی بنیادی پالیسی کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ ایسے لوگ موجود ہیں جو ہندوستان کی تقسیم سے متفق نہیں ہیں نہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم سے۔ لیکن اب اس کو جبکہ قبول کر لیا گیا ہے تو ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ ہم وفاداری سے اس پر قائم رہیں اور معاہدہ کے مطابق عمل کریں جس پر عمل کرنا سب کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔

میں ان جذبات سے بھی واقف ہوں جو دونوں فرقوں میں پائے جاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا جو کچھ ہوا ہے اس کے سوائے کوئی اور صورت ممکن یا قابلِ عمل تھی؟ تقسیم تو ہو کر ہی رہتی۔

ہندوستان اور پاکستان میں دونوں طرف ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو اس سے متفق نہ ہوں جو اس کو پسند نہ کرتے ہوں۔ مگر میرے خیال میں کوئی اور حل ہی نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جب تاریخ اپنا فیصلہ دے گی تو وہ حقائق کی بنا پر یہی ہو گا کہ ہندوستان کے آئینی مسئلہ کا واحد حل یہی تھا۔ متحدہ ہندوستان کا تصور کبھی چل ہی نہیں سکتا تھا اور میرے خیال میں اس کا انجام تباہ کن ہوتا لیکن اس تقسیم سے اقلیتوں کا سوال خارج نہیں کیا جا سکتا ہے چاہے وہ ایک حکومت کی اقلیتیں ہوں یا دوسری حکومت کی۔

پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے ان کو جائز حد تک زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے گی اگر ہمیں پاکستان کی اس عظیم الشان ریاست کو خوش اور خوش حال بنانا ہے تو ہمیں اپنی تمام تر اور قطعی توجہ لوگوں کی فلاح و بہبود کی طرف لگا دینی چاہیئے۔ خصوصاً عوام اور غریبوں کی طرف۔

قائدِ اعظم نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ انصاف اور رواداری کے اصولوں پر بغیر کسی تعصب یا نفرت کے عمل کروں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کے اشتراک و تعاون سے پاکستان دنیا کی ایک عظیم الشان ریاست بن جائے گا۔

قائدِ اعظم کی تقریر کے بعد لیاقت علی خان نے پاکستان کے قومی پرچم کا نمونہ اسمبلی کے سامنے پیش کیا۔ ۱۲ اگست کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۱۵ اگست کے بعد محمد علی جناح کا نام سرکاری کاغذات پر قائدِ اعظم محمد علی جناح تحریر

کیا جائے گا۔ ۱۳ اگست کو پاکستان کی آزادی کی تقریبات میں شرکت کے لئے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اپنی اہلیہ کے ہمراہ کراچی پہنچے۔ قائداعظم نے دونوں مہمانوں کو گورنمنٹ ہاؤس میں ٹھہرایا جہاں آپ نے تقریر کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ پاکستان برطانیہ اور اپنے پڑوسی ملک بھارت سے اچھے تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کریگا۔

۱۴ اگست مسلمانانِ برصغیر کی امنگوں اور آرزوؤں کی معراج کا دن تھا۔ آج وہ ایک خود مختار ریاست کے مالک اور ایک نئے مستقبل کا آغاز کرنے والے تھے۔ اس موقع پر پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ایوان میں ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں متعدد سیاستدانوں، اعلیٰ سرکاری افسران اور دوست ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ تقریب اور اس موقع پر برآمد ہونے والا جلوس پاکستان کی تاریخ میں بڑا یادگار ہے۔

۱۵ اگست کو قائداعظم نے نومولود مملکت کے گورنر جنرل کی حیثیت سے اور لیاقت علی خان نے وزیراعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ حلف برداری کی یہ تقریب گورنمنٹ ہاؤس میں ہوئی۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر عبدالرشید نے حلف لیا۔ تقریب کے بعد قائداعظم کو توپوں کی سلامی دی گئی اور بلوچ رجمنٹ نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اسی دن قائداعظم نے ریڈیو پاکستان سے قوم کو خطاب کیا اور کہا کہ تمام پاکستانی باشندوں کو بلا امتیاز پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کام کرنا چاہیئے۔

قیام پاکستان کا مرحلہ تو مکمل ہو گیا لیکن آزادی کے بعد پیش آنے والے مسائل میں روز بروز اضافہ ہو گیا۔ خود مختار ریاستوں کے انضمام نے بڑی پیچیدہ صورتحال اختیار کر لی اس سلسلے میں جونا گڑھ، حیدرآباد دکن اور کشمیر کا سوال بڑا شدت اختیار کر گیا۔ سرحد کے اس طرف سے برابر فسادات کی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ خصوصاً مشرقی پنجاب اور دہلی، یو پی میں پاکستان کے حامی مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھائے گئے۔ لٹے پٹے ان مسلمانوں کے قافلے سندھ اور پنجاب کے راستے پاکستان پہنچ رہے تھے۔ ان نامساعد حالات اور تشویشناک صورتحال میں مملکت پاکستان کے استحکام کا کیسے خیال آ سکتا تھا۔ لیکن قائداعظم نے اس محاذ پر بھی خود کو نہایت مصروف رکھتے ہوئے پوری قوم کے حوصلوں کو بلند رکھا۔ اور بار بار اس بات پر زور دیا کہ تکالیف و مصائب وقتی ہیں اس لئے ان سے پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ ۲۴ اگست کو قائداعظم محمد علی جناح بذات خود لاہور پہنچے تاکہ مہاجرین کی صورتحال کا جائزہ لے سکیں۔ آپ نے اس سلسلے میں ایک ریلیف فنڈ قائم کیا تاکہ پاکستان ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کی آبادکاری کے فریضہ سے بحسن و خوبی

عہدہ برآ ہوا جا سکے۔

فروری ۱۹۴۶ء سے ستمبر ۱۹۴۷ء تک کی مسلسل مصروفیتوں نے ایک بار پھر قائد اعظم کو مضمحل کر دیا۔ آپ اکتوبر کے آخری عشرہ میں دوسری مرتبہ لاہور گئے اور چند روز کی مصروفیت کے بعد ایک بار پھر علیل ہو گئے چنانچہ ڈاکٹروں نے آپ کو آرام کا مشورہ دیا۔ لیکن اس عرصہ میں بھی آپ کا سرکاری افسران سے رابطہ قائم رہا اور آپ برابر ملک کی صورتحال سے باخبر رہے۔

۱۹۴۸ء

۱۹۴۸ء بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی کا آخری سال تھا آپ نے اپنی ۷۲ سالہ زندگی کے ۴۴ سال برصغیر کی سیاست میں نہایت سرگرمی اور تندہی سے گزارے خصوصاً عمر کے آخری دس سال جن میں آپ کو گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر مکمل آرام کی ضرورت تھی۔ آپ کی زندگی کے نہایت ہنگامہ خیز سال تھے قیام پاکستان کے بعد نومولود سلطنت کے مسائل ایسے نہ تھے جن کو قائداعظم دوسروں پر چھوڑ دیتے چنانچہ آپ کو ان مسائل کی جانب بھی توجہ دینی پڑی۔ پاکستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسی کا تعین اور اس پر عملدرآمد کو یقینی بنانا اور ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے وہاں کے عوام کے مسائل معلوم کرنا اور پھر ان کے تدارک کے لئے اقدامات ایسی مصروفیتیں تھیں جنہوں نے ایک لمحہ بھی آپ کو آرام سے بیٹھنے نہیں دیا۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچنے والے لٹے پٹے مہاجرین سندھ اور پنجاب میں لاکھوں کی تعداد میں پہنچ چکے تھے اور ابھی یہ سلسلہ جاری تھا۔ ہر چند مہاجرین کی امداد کے لئے قائداعظم نے ایک امدادی فنڈ قائم کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود فوری طور پر ان مسائل کا خاتمہ ان کے بس کی بات نہ تھا۔ ۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی کے ایک علاقہ میں اچانک فساد ہو گیا اور متعدد افراد ہلاک ہو گئے قائداعظم جو ہمیشہ سے ہر قسم کی اشتعال انگیزی کے خلاف تھے انہوں نے فوری طور پر اپنی ہمشیرہ فاطمہ جناح کے ساتھ متاثرہ فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا جب آپ مشن روڈ سے گزر رہے تھے تو مہاجرین کے ایک مجمع نے جو مشن روڈ کے اسکول میں پناہ گزین تھا آپ کو دیکھ کر پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعرے بلند کئے۔ قائداعظم نے اپنی موٹر رکوا لی اور مہاجرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں مہاجرین کے جذبات سے پوری طرح واقف ہوں جنہیں شدید مصائب کا سامنا ہے۔ مجھے مہاجرین سے انتہائی ہمدردی ہے مگر انہیں صبر و ضبط سے کام لینا چاہیئے۔ حکومت پاکستان خطاکاروں کے خلاف سخت کارروائی کرے گی۔

قیام پاکستان کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے تھے ہندوستان کی کانگریس حکومت اُن کا تدارک کرنے میں کسی حد تک ناکام رہی تھی۔ گاندھی جی کو اس پر سخت اعتراض تھا اور وہ ہندوستان کے وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل سے کئی مرتبہ احتجاج کر چکے تھے کہ اس خونریزی کو ختم کر دیا جائے لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں انہوں نے پرانا حربہ یعنی مرن برت استعمال کیا۔ گاندھی جی کی اس خلاف توقع حرکت سے فرقہ پرست ہندو گاندھی جی کے خلاف صف آرا ہو گئے اور ایک سرپھرے نے ۳۰ جنوری کو گاندھی جی کو قتل کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس حادثہ پر ایک تعزیتی بیان میں کہا کہ گاندھی جی پر بزدلانہ حملہ کیا گیا ہے جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ موت کے بعد مرنے والوں سے کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔ میرے اور ان کے درمیان چاہے کیسے ہی سیاسی اختلافات کیوں نہ رہے ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے ملک کے سب سے بڑے آدمی تھے اور ہندوؤں کے بزرگ ترین رہنما تھے اور دنیا کے سب امن پسند طبقے ان کی عزت و تکریم کرتے تھے۔

۱۹ مارچ کو قائداعظم محمد علی جناح مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے۔ مشرقی پاکستان میں تجارت پر اکثر ہندو غالب تھے چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت اقتصادی بدحالی کا شکار تھی تجارت پیشہ ہندو پاکستان کے قیام کے مخالف تھے اور وہ برابر اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ پاکستان کے وجود کو نقصان پہنچایا جائے۔ یہ صورتحال اس امر کی شدید متقاضی تھی کہ پاکستان کے گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح مشرقی پاکستان کا دورہ کریں۔ چنانچہ آپ اپنی گرتی ہوئی صحت کی پرواہ کئے بغیر مشرقی پاکستان گئے اور تقریباً ایک ماہ میں مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اس دورہ میں آپ نے متعدد مقامات پر عوام سے خطاب کیا۔ خصوصاً ۲۴ مارچ کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اردو زبان کے حق میں فیصلہ دیا۔ آپ نے کہا کہ پاکستان کی مشترکہ قومی زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا ذریعہ ہو صرف ایک ہو سکتی ہے اور وہ اردو ہے۔ اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔

اپریل میں آپ صوبہ سرحد کے دورہ پر گئے اور مختلف تقاریب میں شرکت کی۔ اس دورہ میں آپ نے قبائلی جرگوں اور عوامی جلسوں سے خطاب کیا اور اس بات پر زور دیا کہ سب مل کر پاکستان کے استحکام اور خوشحالی کے لئے کام کریں۔ گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں سرکاری افسروں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے

فرمایا کہ پہلی بات جو میں آپ سب کو بتا دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپ کسی سیاسی پارٹی یا کسی فرد کے سیاسی دباؤ میں نہ آئیں۔ اگر آپ پاکستان کے وقار اور عظمت میں اضافے کے خواہاں ہیں تو کسی دباؤ کو قبول نہ کیجیے۔ بلکہ عوام اور مملکت کے خادموں کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔

اس مرتبہ کراچی واپسی پر آپ کی صحت ایسی نہ تھی کہ آپ کو مزید کام کی اجازت دی جاتی چنانچہ ڈاکٹروں نے آپ کو مشورہ دیا کہ مکمل آرام کیجیے۔ کچھ دن کراچی میں قیام کے بعد آپ ۲۵ رمئی کو کوئٹہ روانہ ہو گئے تاکہ وہاں پر ہر قسم کی فکر سے آزاد ہو کر آرام کر سکیں لیکن قائدِ اعظم سے یہ کہاں ہو سکتا تھا۔ کوئٹہ میں بھی مصروفیتوں کا ایک دفتر کھل گیا۔ مختلف تقاریب میں شرکت اور تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ ادھر کراچی میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اس لئے ۲۹ رجون کو قائدِ اعظم اس تقریب میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لے آئے۔ یکم جولائی کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح فرمایا اور ۳ رجولائی کو کراچی کے پیراڈائز سینما میں اپنے دورہ مشرقی پاکستان کی دستاویزی فلم دیکھنے گئے۔ اس دوران آپ کو چند ضروری سرکاری کاغذات کا مطالعہ بھی کرنا تھا اس لئے آپ چند دن کراچی میں قیام کے بعد ۷ رجولائی کو دوبارہ کوئٹہ روانہ ہو گئے مگر آپ کی صحت بگڑتی گئی اور آپ کی علالت اتنی سنگین صورت اختیار کر گئی کہ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپ کو زیارت منتقل کر دیا جائے جو کوئٹہ کے مقابلے میں نسبتاً سرد مقام ہے چنانچہ قائدِ اعظم کو فوری طور پر زیارت منتقل کر دیا گیا۔ زیارت میں قیام کے ابتدائی ایام میں قائدِ اعظم کی صحت قدرے سنبھل گئی اور آپ اکثر و بیشتر فاطمہ جناح اور اپنے عملے کے ارکان سے مختلف امور پر تبادلۂ خیال کرتے رہتے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے جو اُس وقت قائدِ اعظم کے معالج تھے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے کہ جب میں ۱۷ رجولائی کو قائدِ اعظم کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ ایک مسہری پر دراز تھے، جسم نحیف اور کمزور لیکن چہرہ باوقار اور پُر جلال، آنکھوں میں بلا کی چمک اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے، رخسار کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں اور گال اندر کی طرف دھنس گئے تھے بیماری کی وجہ سے رنگ اور زیادہ نکھر آیا تھا بال بکھرے ہوئے تھے ایک شاعر یا فلسفی کی طرح چہرے کی جھریاں ان کے گہرے مطالعے اور تدبر کی باریکیوں کو نمایاں کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ کا کہنا ہے کہ بیماری کے باوجود قائدِ اعظم ہر روز

صبح شیو بنواتے ۔ پھر ساڑھے چھ بجے چائے پیتے ۔ ہم نے اصرار کیا کہ اگر آپ سوتے ہوئے ہوں تو بہتر ہے کہ آپ کو نہ اٹھایا جائے کیونکہ آپ کے لئے آرام اور نیند اشد ضروری ہے تو مسکرا کر فرمانے لگے " صحت کے لئے زندگی بھر کے اصول ترک نہیں کئے جا سکتے " ؎۱

قائداعظم کی بیماری کے دوران محترمہ فاطمہ جناح اپنے محبوب بھائی کی تیمارداری میں بڑی دلچسپی لیتی تھیں وہ کئی کئی راتیں جاگ کر گزار دیتی تھیں اور دن رات پورے انہماک سے قائداعظم کی تیمارداری میں مصروف رہتی تھیں انہوں نے اپنی نیند اپنا چین اپنا آرام سب کچھ بھائی کے لئے ترک کر دیا تھا ۔

وقت گزرتا گیا قائداعظم کی صحت بہتر ہوتی گئی ۔ کوئٹہ کی آب و ہوا کا کافی اچھا اثر ہوا ۔ ایک دن ہنستے ہنستے باتوں میں لیفٹننٹ کرنل الٰہی بخش نے کہا کہ ہم دونوں کی یہ انتہائی کوشش ہے کہ آپ کی صحت اتنی اچھی ہو جائے جتنی کہ آج سے سات آٹھ سال پہلے تھی ۔ قائداعظم مسکرائے اور فرمانے لگے ۔

" چند سال قبل یہ یقیناً میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں میں اس لئے زندگی کا طالب نہیں تھا کہ مجھے دنیا کی تمنا تھی اور میں موت سے خوفزدہ تھا بلکہ اس لئے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اور قدرت نے جس کے لئے مجھے مقرر کیا ہے میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکوں وہ کام پورا ہو گیا ہے میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں پاکستان بن گیا ہے اس کی بنیادیں مضبوط ہیں اب چند ماہ سے مجھے ایسے خیالات آتے رہتے ہیں کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ قوم کو مل گئی ہے اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے اسے ناقابلِ تسخیر اور ترقی یافتہ ملک بنائے حکومت کا نظم و نسق دیانتداری اور محنت سے چلائے ۔ میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں ۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد و تعاون پر تنہا عیار اور مضبوط دشمنوں سے لڑنا پڑا ہے ۔ میں نے خدا کے بھروسے پر ان تھک کوشش اور محنت کی ہے اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک حصولِ پاکستان کے لئے صرف کر دیا ہے ۔ میں تھک گیا ہوں ۔ آرام چاہتا ہوں اب مجھے زندگی سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے " ؎۲

پاکستان کے قیام کی پہلی سالگرہ قریب تھی لیکن قائداعظم اپنی علالت کے سبب سالگرہ کی تقریبات

؎۱، ۲ ۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ " قائداعظم کے آخری ایام " مضمون مطبوعہ ماہِ نو کراچی ۱۹۷۲ء

میں شرکت سے معذور تھے چنانچہ آپ نے اس موقع پر قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا کہ یاد رکھئے پاکستان کا قیام ایک ایسی حقیقت ہے جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی مجھے اپنے عوام پر پورا اعتماد ہے ہمارے دشمن بانگ دہل یہ کہتے پھرتے ہیں کہ پاکستان دیوالیہ ہو جائے گا اور پاکستان کی اقتصادی بدحالی سے ان کے دل کی کلی کھل اٹھے گی۔ لیکن دشمنوں کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ ہمارا پہلا بجٹ بچت کا بجٹ تھا۔ تجارت میں خوشگوار توازن موجود ہے اور اقتصادی شعبہ میں حالات بہتر ہوتے جا رہے ہیں۔"

زیارت میں قیام کے دوران قائداعظم کا بلڈ پریشر خاصا گر گیا تھا اور آپ کے پیروں پر ورم آ گیا تھا چنانچہ ڈاکٹروں کے مشورے پر آپ کو زیارت سے کوئٹہ منتقل کر دیا گیا۔ کرنل الٰہی بخش نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ۵ ستمبر کی شام کو قائداعظم کو نمونیہ ہو گیا۔ تین دن تک ان کا بخار چڑھتا رہا اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پیچش کا دورہ بھی پڑنے لگا ہے۔[۳]

۱۰ ستمبر کو کرنل الٰہی بخش نے فاطمہ جناح کو مطلع کر دیا کہ قائداعظم اب چند دن کے مہمان ہیں چنانچہ دوسرے دن قائداعظم کو ایک سٹریچر پر ڈال کر بذریعہ طیارہ کراچی لایا گیا۔ یہ طیارہ ۱۱ ستمبر کو سوا چار بجے ماری پور کے ہوائی اڈے پر اترا قائداعظم کو ایک ایمبولنس کے ذریعے گورنر جنرل ہاؤس پہنچایا گیا۔ رات کے تقریباً ساڑھے نو بجے قائداعظم کی طبیعت اچانک بہت شدید بگڑ گئی چنانچہ ڈاکٹروں کو فوری طور پر طلب کیا گیا اور چند منٹ میں ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر مستری گورنر جنرل ہاؤس پہنچ گئے۔ اس وقت قائداعظم پر بیہوشی طاری تھی۔ نبض کی رفتار بھی غیر مسلسل تھی آنکھیں پتھرانے لگیں اور سانس بھی رک رک کر چلنے لگا۔ ڈاکٹروں نے معائنے کے بعد طاقت کا انجکشن لگایا لیکن حالت بگڑتی چلی گئی۔ دس بجکر پچیس منٹ پر فخر قوم بطل جلیل، اسلامیان پاکستان کا ناخدا، عزم و استقلال، فراست اور ذہانت کا پیکر ہمیشہ کے لئے اللہ کی رحمت میں پہنچ گیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

قائداعظم کے انتقال کی خبر ذرا سی دیر میں پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی ہر شخص اس عظیم

---

۳ کرنل الٰہی بخش - ورود ہی قائداعظم ڈیورنگ ہز لاسٹ ڈیز: مطبوعہ لاہور ۱۹۴۹ء

سانحے اور حادثے پر رنجیدہ اور افسردہ تھا۔ روتے ہوئے لوگوں کے گروہ اور بال نوچتی ہوئی عورتوں کا سیلاب دیوانہ وار گورنر ہاؤس کی طرف بڑھ رہا تھا اور چشم زدن میں لاکھوں افراد گورنر ہاؤس کے اطراف جمع ہو گئے نیشنل کالج کے پروفیسر مکرم علی خاں شیروانی نے جو قائداعظم کے انتقال کے وقت کالج کے طالب علم تھے ایک ملاقات میں ۱۱ ستمبر کی رات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ بولٹن مارکیٹ کے قریب اس زمانے میں اندرون سندھ جانے والی بسوں کا اڈہ تھا اور میرے والد میر پور خاص جا رہے تھے رات چونکہ زیادہ ہو چکی تھی اس لئے میں ان کو چھوڑنے بس کے اڈہ پر گیا اور کافی دیر بس کے انتظار میں وہاں کھڑے رہے '۱۱ بجے کے قریب ایک شخص بس کا انتظار کرنے والے ہجوم کی طرف آیا اور بڑی غمزدہ آواز میں ہجوم کو اطلاع دی کہ قائداعظم کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر ہم سب کے لئے بڑی دلدوز تھی مگر اس سے قبل کہ ہم اس سے مزید تفصیل معلوم کرتے ہم میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر اس اجنبی کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا ”کیا بکتا ہے“ ایک لمحہ وہ اجنبی حیران رہ گیا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اس نے طمانچہ مارنے والے کی جانب اپنا دوسرا گال بڑھاتے ہوئے کہا ”بھائی اس پر بھی طمانچہ مار لو اور مجھے یقین دلا دو کہ قائداعظم زندہ ہیں۔“

کتابیات

۱- فضل حق قریشی۔ قائداعظم کے خاندانی حالات مضمون مطبوعہ ماہِ نو کراچی نومبر ۱۹۴۸ء

۲- بی الانہ۔ قائداعظم جناح۔ مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ ۱۹۶۷ء

۳- ہیکٹر بولائتھو۔ پاکستان کا بانی محمد علی جناح (ترجمہ زبیر صدیقی) مطبوعہ مرکزی مجلس ترقی اردو لاہور ۱۹۶۵ء

۴- محمد الیاس کھتری۔ انٹرویو (تحریر خواجہ رضی حیدر) مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۱۴ر اگست ۱۹۷۶ء

۵- محمد اکرام۔ موجِ کوثر۔ مرکنٹائل پریس لاہور ۱۹۴۰ء

۶- شوکت فہمی۔ انگریز کا شرمناک دورِ حکومت مطبوعہ دین و دنیا پبلشنگ دہلی۔ ۱۹۵۰ء

۷- تھامس پیٹر۔ قدیم کراچی کا اینگلو انڈین باشندہ عمر ۸۵ سال۔ مقیم سمرسٹ اسٹریٹ۔

۸- مطلوب سید۔ محمد علی جناح ایک سیاسی مطالعہ۔ الیٹ پبلشرز کراچی۔ ۱۹۷۰ء

۹- مختار مسعود: آوازِ دوست "مطبوعہ المعزز کوپر روڈ لاہور ۱۹۷۳ء

۱۰- عبدالحمید۔ مسلم سیپریٹزم ان انڈیا۔ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لاہور۔ ۱۹۷۱ء

۱۱- بی آر نندا۔ دی نہروز مطبوعہ جارج ایلن اینڈ انون لمیٹڈ لندن ۱۹۵۴ء

۱۲- سر آغا خان۔ دی میموئرز آف آغا خان مطبوعہ کیسل اینڈ کمپنی لندن ۱۹۵۴ء

۱۳- اے اے صدیقی۔ برائٹر سائیڈ آف محمد علی جناح مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۴۹ء

۱۴- اشتیاق حسین قریشی۔ برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ۔ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی ۱۹۶۷ء

۱۵- اے عزیز۔ ڈسکوری آف پاکستان مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۷ء

۱۶- رئیس احمد جعفری۔ قائداعظم اور ان کا عہد۔ مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۶۶ء

۱۷- اے اے رؤف۔ میٹ مسٹر جناح مطبوعہ شیخ محمد اشرف ۱۹۵۵ء

۱۸- نواب ذوالقدر جنگ بہادر۔ مقام جمال الدین افغانی۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۴۹ء

۱۹- پروفیسر احمد سعید۔ حصولِ پاکستان مطبوعہ ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور ۱۹۷۲ء

۲۰- حسن ریاض۔ پاکستان ناگزیر تھا۔ مطبوعہ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی۔ ۱۹۷۰ء

۲۱- چمن لال سیتل واد۔ ری کلکشنز اینڈ ری فلیکشنز مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۶ء

۲۲- خواجہ عبدالرشید۔ سابق ڈائریکٹر جناح پوسٹ گریجویٹ میڈیکل کالج کراچی۔ انٹرویو مطبوعہ جنگ

۲۳- جوکھم اولوا۔ لیڈرز آف انڈیا مطبوعہ ٹھاکر اینڈ کمپنی لمیٹڈ بمبئی ۱۹۴۲ء

۲۴- مولانا سید سلیمان ندوی۔ حالاتِ حسرت۔ مطبوعہ اردو ڈائجسٹ لاہور۔ جون ۱۹۶۳ء

۲۵- قریشی محمد حنیف ایڈووکیٹ۔ قائداعظم بحیثیت وکیل مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۱۲ر ستمبر ۱۹۷۰ء

۲۶- سروجنی نائیڈو۔ این ایمبیسیڈر آف یونٹی" مطبوعہ گنیش کمپنی - مدراس ۱۹۱۸ء

۲۷- مفتی شوکت علی فہمی۔ انقلاب کی خونیں تاریخ مطبوعہ دین و دنیا پبلشنگ دہلی ۱۹۵۱ء

۲۸- پیام شاہجہانپوری۔ تاریخِ نظریۂ پاکستان کتب خانہ انجمن حمایت الاسلام ریلوے روڈ لاہور ۱۹۷۰ء

۲۹- مولانا قاری احمد پیلی بھیتی۔ تاریخِ ہند و پاک مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ۱۹۷۶ء

۳۰۔ رئیس احمد جعفری تاریخ پاکستان کی جھلکیاں مضمون مطبوعہ روزنامہ انجام کراچی ۷ مئی ۱۹۶۶ء

۳۱۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔ شارٹ ہسٹری آف پاکستان۔ مطبوعہ جامعہ کراچی ۱۹۶۷ء

۳۲۔ محمد عمر۔ ریڈ اسپیچز آف قائداعظم (۱۹۱۰ء۔ ۱۸) نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۳ء

۳۳۔ محمد رفیق افضل۔ اسپیچز اینڈ اسٹیٹمنٹس آف قائداعظم جامعہ پنجاب لاہور ۱۹۶۶ء

۳۴۔ سید محمود علی بدایونی۔ علی برادران مطبوعہ محمد علی جوہر اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء

۳۵۔ زیڈ اے سلیری۔ قائداعظم کا مشن۔ مضمون مطبوعہ ۳ مارچ ۱۹۷۶ء روزنامہ جنگ کراچی۔

۳۶۔ رابرٹ پائن۔ دی لائف اینڈ ڈیتھ آف مہاتما گاندھی۔ مطبوعہ بوڈلے ہیڈ لندن ۱۹۶۹ء

۳۷۔ سید وزیر حسن۔ مسلم لیگ کی سالانہ رپورٹ ۱۹۱۶ء لکھنؤ

۳۸۔ ضیاء الدین احمد برنی۔ مضمون مطبوعہ قائداعظم نمبر ماہ نو کراچی نومبر ۱۹۴۸ء

۳۹۔ چودھری خلیق الزماں۔ شاہراہ پاکستان مطبوعہ انجمن اسلامیہ پاکستان اکتوبر ۱۹۶۷ء

۴۰۔ مولانا عبدالماجد دریابادی محمد علی ذاتی ڈائری کے چند اوراق حصہ اول مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء

۴۱۔ چودھری محمد علی ظہور پاکستان مطبوعہ مکتبہ کارواں لاہور۔

۴۲۔ عبدالعزیز بی ایس سی۔ قائداعظم محمد علی جناح مطبوعہ مکتبہ لیگ بمبئی ۱۹۴۴ء

۴۳۔ پروفیسر محمد سرور۔ مولانا محمد علی مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء

۴۴۔ مولانا فیض احمد فیض۔ سوانح حضرت مہر علی شاہ گولڑہ شریف مطبوعہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی ۱۹۶۹ء

۴۵۔ ڈبلیو اے جے آرچ بولڈ۔ آؤٹ لائنز آف انڈین کانسٹی ٹیوشنل ہسٹری۔ کرزن پریس لندن ۱۹۲۶ء

۴۶۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اقبال کے آخری دو سال اقبال اکیڈمی پاکستان کراچی ۱۹۶۱ء

۴۷۔ سید شریف الدین پیرزادہ۔ قائداعظم جناح کارسپانڈنس مطبوعہ گلڈ پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۶۶ء

۴۸۔ مقصود احمد خان۔ قائداعظم کی ازدواجی زندگی مضمون مطبوعہ سیارہ ڈائجسٹ جون ۱۹۷۵ء لاہور

۴۹۔ نواب سر یامین خان۔ نامہ اعمال آئینہ ادب لاہور مطبوعہ ۱۹۷۰ء

۵۰۔ سر رضا علی۔ اعمال نامہ

۵۱۔ عبدالمجید سالک۔ یارانِ کہن مطبوعہ چٹان پریس لاہور ۱۹۵۵ء

۵۲۔ کرنل عزیز ہندی۔ اوراق گم گشتہ۔ مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور۔ ۱۹۶۸ء

۵۳۔ اقبال کے پانچ پیر سیاسی ترجمہ ظفر احمد انصاری مطبوعہ دار التصنیف محل۔ فیض گنج دہلی ۱۹۴۳ء

۵۴۔ مولانا احتشام الحق تھانوی۔ انٹرویو مطبوعہ روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ نومبر ۱۹۶۵ء

۵۵۔ ڈاکٹر وحید الزماں۔ ٹوورڈز پاکستان مطبوعہ یونائیٹڈ لمیٹڈ لاہور مارچ ۱۹۶۴ء

۵۶۔ الفقیہ۔ شمارہ جولائی ۱۹۱۸ء مطبوعہ امرتسر

۵۷۔ پروفیسر محمد سرور۔ محمد علی جوہر مقدمہ کراچی۔ مطبوعہ لاہور فروری ۱۹۴۷ء

۵۸۔ کمال الدین احمد مضمون غازی علم الدین شہید مطبوعہ ماہنامہ پیام حق کراچی جولائی ۱۹۷۱ء

۵۹۔ رئیس احمد جعفری ندوی۔ اقبال اور سیاست ملی مطبوعہ اقبال اکیڈمی کراچی

۶۰۔ رئیس احمد جعفری خطبات قائداعظم۔ مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۶۶ء

۶۱۔ شریف الدین پیرزادہ پاکستان منزل بہ منزل مطبوعہ محمد اشاعت گھر کراچی ۱۹۶۹ء

۶۲۔ میجر آفتاب حسن۔ مضمون کچھ یادیں کچھ باتیں مطبوعہ روزنامہ حریت ۱۴ اگست ۱۹۷۰ء

۶۳۔ عثمان معرانی۔ جناح کی تقریریں۔ مطبوعہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن ستمبر ۱۹۴۵ء

۶۴۔ عبدالرحمٰن سعید۔ قائدین کے خطوط جناح کے نام مطبوعہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن مارچ ۱۹۴۵ء

۶۵۔ جمیل الدین احمد "گلمپسز آف قائداعظم" مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۶۰ء

۶۶۔ رقیب پوناوالا سابق جنرل سکریٹری صوبائی مسلم لیگ بی وارڈ بمبئی ۱۹۳۹ء

۶۷۔ فضل احمد صوفی۔ مسلم لیگ یوم لینڈ پلان مضمون مطبوعہ بیدار پریس بمبئی ۱۳ اپریل ۱۹۴۰ء

۶۸۔ وی پی منن۔ دی ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا۔ مطبوعہ اورینٹ لانگ مین بمبئی ۱۹۵۷ء

۶۹۔ محمد انور۔ قائداعظم جناح اے سلیکٹڈ ببلوگرافی۔ نیشنل پبلشنگ ہاؤس کراچی۔ ۱۹۶۹ء

۷۰۔ پی ہارڈی۔ دی مسلم آف برٹش انڈیا۔ کیمبرج یونیورسٹی پریس کراچی - ۱۹۷۳ء

۷۱۔ منشی عبدالرحمٰن خان۔ تعمیر پاکستان اور علماء ربانی مطبوعہ چلیک ملتان ۱۹۵۶

۷۲۔ مولانا سید محمد میاں۔ علماء حق حصہ دوم۔ مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

۷۳۔ سید محمد فاروق احمد "کراچی کے پہلے میئر" مضمون مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی ۲۰ فروری ۱۹۷۶ء

۷۴۔ اکبر پیر بھائی "قائداعظم فیس این اساسینیشن" مطبوعہ بمبئی ۱۹۴۳ء

۷۵۔ ڈاکٹر عاشق بٹالوی "تاریخ مسلم لیگ" مطبوعہ مکتبۂ القریش لاہور۔ جولائی ۱۹۶۹ء

۷۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ جناح ایک قوم بنانے والا۔ مطبوعہ تعارف پاکستان کراچی ۱۹۴۹ء

۷۷۔ لیونارڈ موسلے۔ "دی لاسٹ ڈیز آف برٹش راج" مطبوعہ لندن ۱۹۶۳ء

۷۸۔ صفدر محمود۔ مسلم لیگ کا دور حکومت۔ مطبوعہ غلام علی پبلشرز لاہور ۱۹۷۳ء

۷۹۔ ویول وائسرائز جرنل۔ مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۷۳ء

۸۰۔ حیدر امام۔ انٹرویو حاتم علی علوی۔ مطبوعہ روزنامہ حریت کراچی ۲۵ دسمبر ۱۹۶۸ء

۸۱۔ اشوکا اینڈ ٹائمز "دی شملہ ٹرائی آنگل" مطبوعہ پدما پبلیکیشنز بمبئی۔ اگست ۱۹۴۵ء

۸۲۔ مظہر علی کامل "قائداعظم اور حضور نظام کی ملاقات" مضمون مطبوعہ روزنامہ انجام کراچی ۱۳ دسمبر ۱۹۵۶ء

۸۳۔ ممتاز حسن احسن "قائداعظم کا ایک سفر" مضمون مطبوعہ ماہنامہ ماہ نو کراچی اکتوبر ۱۹۴۸ء

۸۴۔ ملک افتخار علی۔ ناقابل فراموش یادیں" مضمون مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۲ء

۸۵۔ ایلن کیمپبل جانسن۔ مشن ود ماؤنٹ بیٹن۔ مطبوعہ رابرٹ ہیل لمیٹڈ۔ لندن ۱۹۵۱ء

۸۶۔ کرنل الٰہی بخش "ود دی قائداعظم ڈیورنگ ہز لاسٹ ڈیز" مطبوعہ مکتبۃ المعارف لاہور ۱۹۴۹ء

۸۷۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ "قائداعظم کے آخری ایام" مضمون مطبوعہ ماہ نو کراچی اکتوبر ۱۹۴۸ء

۸۸۔ فرخ امین۔ حیات قائد کا آخری سال۔ ستمبر ۱۹۴۹ء روزنامہ انجام کراچی۔

قائدِ اعظمؒ

کے سوانح نگار

خواجہ رضی حیدر

کی دوسری کتاب (زیرِ تصنیف)

○

یہ کتاب تحریک پاکستان اور اکابرین جدوجہد آزادی سے نئی نسل کی پرخلوص وابستگی کی آئینہ دار ہے اس کے نئے اسٹائل اور مندرجات کے پیش نظر یہ کتاب سوانح نگاری میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں نہ صرف واقعات کا مفصل ذکر ہے بلکہ ان کے پس منظر کا متوازن بیان بھی ہے۔

پروفیسر کان کاگایا
شعبہ اردو اوساکا یونیورسٹی آف فارن اسٹڈیز
اوساکا جاپان

قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم کی حیات اور جدوجہد پر سامنے آنے والی کتابوں میں خواجہ رضی حیدر کی کتاب قائد اعظم کے ۷۲ سال ایک اچھا انداز اور بھرپور تحقیقی رنگ لئے ہوئے ہے۔ اس کتاب کو ہم بلاشبہ قائد اعظم کی ایک عمدہ سوانح عمری کہہ سکتے ہیں جس میں قائد اعظم کی زندگی کے ۷۲ سال کا معاصر واقعات اور سیاسی تبدیلیوں کے آئینے میں جامع اظہار کیا گیا ہے۔ خواجہ رضی حیدر کی یہ سعی تحریک پاکستان اور قائد اعظم کی سوانح پر تحقیقی کام کرنے والے طلباء اسکالرز کے لئے یقیناً بڑی معاون ثابت ہوگی۔

پروفیسر اطہر صدیقی
صدر شعبہ تاریخ، جناح کالج، کراچی

قائد اعظم کی زندگی کے ۷۲ سال کا یہ خوبصورت پیرایہ رضی کا وہ انتخاب ہے جو ہمارے ارتقاء کے نئے شعور کو وجود کی علامت فراہم کرتا ہے یہ کتاب دو نسلوں کے درمیان ایک اخلاقی اور تہذیبی رابطے کا عمل ہے یہ کتاب نیوکلیائی سائنس اور کمپیوٹر سے کھیلتے ہوئے دانشور کی تہذیب میں ایک مرکز تعلق کی تلاش ہے۔

رضی کا یہ کارنامہ دراصل ہماری نسل کا اقرار نامہ ہے۔ وہ اعتراف نامہ جو تحریک پاکستان کے سبب میں ہمارے لئے تحریر ہوا ہے۔

نصیر ترابی

ترقی اکیڈمی - ۵ ڈی ۰ / ۲۶ ناظم آباد کراچی